Title - SEERATUL NUMAAN

Creator - Shibli Nemani.

Publisher - Matba Mufeed Aam (Agra).

Date - 1892

Pages - 164

Subjects - Abu Haneefa; Imam - Sawanch;
Tazkira Aima - Imam Abu Haneefa

امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کی سوانح عمری حصہ اول و دوم

اس کتاب کے پہلے حصے میں امام ابو حنیفہ کا نام و نسب ولادت و نشو و نما تعلیم و تربیت شیوخ حدیث درس و افتا، بقیہ زندگی اور دربار کے تعلقات، وفات، عام اخلاق و عادات، مناظرات و فتاوی، ذہانت طباعی اس قسم کے حالات نہایت تفصیل سے مذکور ہیں دوسرے حصے میں اصول و مسائل سے جو علم کلام اور فن حدیث سے متعلق ہیں تفصیلی بحث ہے اور واقعات و اسانید کے ساتھ ثابت کیا گیا کہ فن حدیث میں ان کا کیا پایہ تھا۔ فن فقہ پر تفصیلی ریویو ہے جس کی وجہ [illegible]

حاصل ہے خاتمہ میں [illegible]

فہرست مضامین کتاب سیرۃ النعمان

ہو المستعان

سیرۃ النعمان رحمہ اللہ

یعنی

امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کی سوانح عمری

کا

حصہ اول و دوم

مؤلفہ

مولانا محمد شبلی نعمانی

حسب فرمائش سید ظہور الحسن مالک قومی پریس چھتہ لال میاں دہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد و ستائش کہ بعنوان خوشست
شیفتۂ گانیم و پیمبر پرست
تا سجوری پایہ نگہدار باش
ہر زچہ ز پیش ست و زکم باز واں
در رہِ الفت کہ بود پیچ پیچ
من کہ دریں دائرہ از دیر باز
باز برآئم کہ دریں واہ رے
خواستہ ام طرح دیگر ریختن
بزم دگر ہست و تماشا دگر
زمرہ تازہ بساز افگنم
بادہ فرستم بحریفان دگر
زخمہ کہ بر تار سخن میزنم
قاعدۂ سحر طراز یست ایں
پا چو دریں معرکہ افشردہ ام
حرمت ایں کار نگہداشتن
کار من است ایں حد ہر خام نیست
دست اگر سوئے قدح بردہ ام
کان معانی ہمہ کاویدہ ام
غارت گنجانہ جیب کردہ ام
خاک در میکدہ ہا بیختم
دایہ اگر دگراں خواستم
فن سیر گرچہ بود دلپذیر

نعت بہانگونہ ہمانسان خوشست
سجدہ اگر نیست زمین بوس ہست
دم ز شریعت زن و ہشیار باش
سجدہ و تعظیم ز ہم باز داں
پا چو نہی - بر تو نگیریم ایچ
پائے ز خلوت نہ نہادم فراز
دل برم از خلق با فسونگرے
شعبدۂ تازہ بر انگیختن
بادہ دگر آرم و مینا دگر
غلغلہ در حلقۂ راز افگنم
از می دوشیں قدمے تند تر
ہاں بنگر تا بچہ فن میزنم
نیک نگہ کن کہ چہ باز یست ایں
پایۂ فن تا بکجا بردہ ام
نامہ بہ لعل و گہر انباشتن
ایں بود آں مے کہ بہر جام نیست
جائے عنب لخت دل افشردہ ام
کیں گہرے چند فراچیدہ ام
تا ضنمے چند گزیں گزیں کردہ ام
کیں مے صافی بقدح ریختم
چارہ نہ زد بود از اں خواستم
نیست درو خود ز روایت گزیر

گرچہ متاع از دگر آوردہ ام — قطرہ ز بودم گہر آوردہ ام
گرچہ مرا شیوہ فن ایں نبود — حرف بہ اردو روں آئیں نبود
پیشتر از گرم طلب بودہ ام — بادیہ پیمائے عرب بودہ ام
بزم چوں آں فرہ وآں ساز داشت — ساغر من بادہ شیراز داشت
لیک چوں آں مطرب و ساقی نماند — بوئے از آں میکدہ باقی نماند
بزم بطرز دگر آراستم — خوشتر ازاں نیز کہ میخواستم
گرچہ سرو برگ سخن دیگر است — شمع ہماں است۔ لگن دیگر است
بادگوارا بہ عزیزان تمام — بادۂ گلگوں بہ سفالینہ جام

ناموران اسلام جس کا ایک حصہ المامون چھپکر شائع ہوچکا ہے — اول جب مجھ کو اسکا خیال پیدا ہوا تو نہایت وسیع بنیاد پر ہوا جس طرح میں نے خلافت سلطنت کے مختلف خاندانوں سے ہیرو انتخاب کیے ارادہ تھا کہ اسیطرح علوم و فنون کے جدا جدا خاندان قائم کیے جائیں اور جو لوگ اُن خاص خاص فنون میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے انکو اس سلسلہ کا ہیرو قرار دیا جائے۔ مگر اتنا بڑا کام تنہا میرے بس کا نہ تھا مجبوراً حیثیت حکومت کی قید لگا کر میں نے اس وسیع خیال کو بہت کچھ محدود کر دیا بلکہ سلسلہ حکومت سے بھی بہت سے خاندان چھوڑ دیے تاہم وہ خیال دل سے نہ گیا کہ فرصت ہو تو اہل کمال کا دربار بھی سجایا جائے کہ السیف والقلم توامان۔

المامون کے بعد میں نے الفاروق لکھنی شروع کی تھی اور ایک معتدبہ حصہ لکھ بھی لیا تھا لیکن بعض مجبوریوں سے چند روز کیلئے اُسکی تالیف سے ہاتھ اٹھانا پڑا اسپر کوتاہ بینوں نے عجیب عجیب بدگمانیاں کیں حالانکہ بات اتنی تھی کہ بعض نادر کتابیں جو اس تصنیف کیلئے نہایت ضروری ہیں اور یورپ میں چھپ رہی ہیں ابھی تک پوری چھپکر نہیں آچکیں اس زمانہ انتظار میں بیکار بیٹھنا تو مشکل تھا خیال ہوا کہ کسی اور نامور کی لائف شروع کروں لیکن یہ دیکھ کر کہ الفاروق ناتمام ہے طبیعت رُک جاتی تھی اور اس میدان میں ایک قدم آگے نہ بڑھ سکتا تھا ادھر تعلق چین نہ لینے دیتی تھی کہ علمی نامآوروں کے کارنامے دکھانے بھی ضرور ہیں کیونکہ اسلام میں تیغ و قلم کا ہمیشہ ساتھ رہا ہے۔

آخر یہ خیال غالب آیا اور چند روز کیلئے خاندان حکومت کو چھوڑ کر علمی سلسلہ کی طرف توجہ کرنی پڑی۔ فقہ۔ حدیث۔ ادب۔ منطق۔ فلسفہ۔ ریاضی مختلف خاندان سامنے تھے بعض وجوہ سے فقہ کو ترجیح دی اور امام ابوحنیفہ جو فقہ کے بانی ہیں اُس کا ہیرو قرار دیا۔ امام ابوحنیفہ کے اجتہادی مسائل قریباً بارہ سو برس سے تمام ممالک اسلام میں پھیلے ہوئے ہیں۔ بڑی بڑی عظیم الشان اسلامی سلطنتوں میں اُن ہی کے مسائل قانون سلطنت تھے اور آج بھی ہیں۔ اسلامی دنیا کا غالب حصہ اُن ہی کے مسائل کا پیرو ہے۔ عربی۔ فارسی۔ ترکی۔ بلکہ یورپ کی زبانوں میں اُن کی متعدد

سوانحعمریاں لکھی گئیں ظلم تھا اگر انکی لاالف خواد دوبیتں لکھی جاتی جو بلحاظ انہی کے پیروؤں کی زبان ہی۔
امام ابوحنیفہ کو اسلام میں جو رتبہ حاصل ہے اُس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہی کہ جس کثرت سے انکی سوانحعمریاں
لکھی گئیں کسی کی نہیں لکھی گئیں مسلمانوں میں علم رجال کو جو ترقی ہوئی دنیا میں اسکی کوئی نظیر موجود نہیں تراجم طبقات قرون وفیات
اعیان سنین۔ وغیرہ کے نام سے جُدا جدا عنوان قائم ہوئے۔ اور ایک ایک عنوان کے ذیل میں اس کثرت
سے کتابیں لکھی گئیں کہ اُن کا شمار بھی مشکل ہے لیکن خاص سیرت (لاالف) کے فن کو چنداں ترقی نہیں ہوئی
علماء۔ شعراء۔ قضاۃ۔ حکماء میں سے بہت کم ایسے خوش قسمت ہیں جن کے حالات مستقل تصنیفوں میں لکھے گئے۔
جہانتک ہمکو معلوم ہے صرف امام ابوحنیفہ ایک شخص ہیں جنکے واقعات زندگی کیساتھ معمول سے زیادہ اعتنا کیا گیا۔ نہایت
کثرت کے ساتھ انکی سوانحعمریاں لکھی گئیں اور اُن ناموروں نے لکھیں جو اس قابل تھے کہ اُنکی مستقل سوانحعمریاں
لکھی جائیں۔ اس خصوصیت میں اگر کوئی شخص امام ابوحنیفہ کا ہمسر ہے تو وہ صرف امام شافعی ہیں۔ امام ابوحنیفہ
کے حالات میں جس قدر کتابیں لکھی گئیں اُن میں سے جس قدر ہم تحقیق کرسکے حسب ذیل ہیں۔

نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
عقود المرجان	امام احمد بن محمد طحاوی المتوفی سنہ ۳۲۱ھ	امام طحاوی حدیث و فقہ کے مشہور امام اور بھی ایک واسطہ سے امام شافعی کے شاگرد ہیں انکی تصنیفات میں معانی الآثار چھپ گئی ہے
قلائد عقود الدر والعقیان	امام احمد بن محمد طحاوی	یہ عقود المرجان کا خلاصہ ہے۔
الروضۃ العالیۃ المنیفۃ	امام محمد بن احمد بن شعیب المتوفی سنہ ۲۵۷ ہجری	امام محمد بن احمد حدیث میں حاکم کے اُستاد ہیں یہ کتاب بیس جلدوں میں ہے (الجواہر المضیئۃ ترجمہ محمد بن احمد)
مناقب النعمان	شیخ ابو عبد اللہ الصیمری حسین بن علی	قاضی صیمری بڑے فقیہ اور فن حدیث میں دارقطنی کے شاگرد تھے مورخ خطیب نے اُن سے روایۃ کی ہے قاضی ابو الولید باجی نے انکو امام الحنفیہ کہا ہے سنہ ۴۳۶ھ میں وفات پائی یہ تصنیف ایک ضخیم کتاب ہے اور امام ابوحنیفہ کیمتعلق تصنیفات کا زیادہ تر ماخذ یہی کتاب ہے (الجواہر المضیئۃ فی طبقات الحنفیۃ)
مناقب النعمان	ابو العباس احمد بن الصلت الحمانی المتوفی سنہ ۳۰۸ھ	نہایت مفصل کتاب ہے صاحب کشف الظنون نے لکھا ہے کہ خطیب بغدادی نے ابو العباس کی تصنیف کی ہے جیسا کہ خطیب کی نسبت انکی عام عادت ہے

ملہ یہ فہرست زیادہ تر کشف الظنون سے ماخوذ ہے بعض کتابوں کے نام یا مصنفین یا ان کے حالات اور کتابوں سے لئے گئے ہیں اور وہاں خاص تصریح کردی گئی ہے ۱۲

نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
شقائق النعمان فی مناقب النعمان	علامہ جار اللہ زمخشری المتوفی سنہ ۵۳ ہجری	زمخشری ایک نامور مصنف ہیں تفسیر کشاف انہی مشہور کتاب ہے
مناقب النعمان	موفق الدین بن احمد المکی الخوارزمی المتوفی سنہ ۵۶۸ھ	یہ کتاب چالیس بابوں میں ہے موفق الدین علامہ زمخشری کے شاگرد فقہ وادب میں کامل تھے۔ حافظ سیوطی نے بغیۃ الوعاۃ میں اُن کا ذکر کیا ہے۔
کشف الآثار	امام عبد اللہ بن محمد الحارثیؒ	مشہور مصنف ہیں ابن جوزی نے ابو سعید روایت کی ہے کہ حدیث میں انکا اعتبار نہیں لیکن صاحب جواہر المضیہ فرماتے ہیں کہ امام عبد اللہ کا رتبہ ابن جوزی و ابو سعید دونوں سے بڑھکر ہے۔
مناقب النعمان	امام ظہیر الدین المرغینانی المتوفی سنہ ۵۰۶ھ	مشہور فقیہ ہیں جواہر المضیہ کے مصنف نے لکھا ہے کہ قاضی خاں انہیں کے شاگرد تھے۔
مناقب النعمان	امام محمد بن محمد الکردری المتوفی سنہ ۸۲۷ھ	گیارہ بابوں میں ہے اس میں امام کے حالات کیسا تھ اُنکے مشہور تلامذہ یعنی قاضی ابو یوسف امام محمد عبد اللہ بن المبارک امام زفر داؤد طائی وکیع بن الجراح حفص بن غیاث یحییٰ بن زکریا حسن بن زیاد کے حالات بھی جدا جدا بابوں میں لکھے ہیں یہ کتاب روم میں بہت متداول ہے سلطان مراد ثانی کے حکم سے محمد بن چلبی نے ترکی زبان میں اسکا ترجمہ کیا۔
مناقب النعمان کتاب الانتقاء فی مناقب الثلاثۃ الفقہاء	ابو القاسم بن کاس قاضی ابن عبد البر المتوفی سنہ ۴۶۳ھ	عقود الجمان میں اس کتاب کے اکثر حوالے ہیں امام ابو حنیفہ و امام مالک امام شافعی کے حالات میں علامہ ابن خلکان نے قاضی ابو یوسف کے ترجمہ میں اس کتاب کا ذکر کیا ہے قاضی ابن عبد البر بہت بڑے محدث اور امام ہیں انکی کتاب الاستیعاب صحابہ کے حالات میں ایک مشہور اور مستند کتاب ہے۔
مناقب النعمان	ابو القاسم عبد اللہ بن محمد احمد المعروف بابن ابی العوام	
مناقب ابی حنیفہ	علامہ ذہبی	علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ میں نے امام ابو حنیفہ کے مناقب ایک جداگانہ رسالہ میں لکھے ہیں علامہ ذہبی بہت

نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
المواہب الشریفیہ لبتان فی مناقب النعمان	شیخ محی الدین عبد القادر القرشی المتوفی ۷۷۵ھ	بڑے محدث تھے اس فن میں انکے بعد کوئی اس رتبہ کا نہیں ہوا میزان الاعتدال کاشف وغیرہ دول الاسلام وتذکرۃ الحفاظ انکی مشہور کتابیں ہیں اسکا ترجمہ ہوگیا ہے جسکا نام تحفۃ السلطان فی مناقب النعمان ہے الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ انہیں کی تالیف ہے حدیث میں حافظ تقی الدین سبکی کے شاگرد ہیں۔
تبییض الصحیفہ فی مناقب ابی حنیفہ	حافظ جلال الدین سیوطی	مشہور مصنف ہیں۔
عقود الجمان فی مناقب النعمان	محمد بن یوسف بن علی الدمشقی	زیادہ تفصیل آگے آئیگی
الخیرات الحسان فی مناقب النعمان	حافظ ابن حجر مکی مصنف صواعق محرقہ	مشہور مصنف ہیں۔
قلائد عقود العقیان مناقب النعمان	شمس الدین احمد بن محمد السیواسی	مؤلف کا نام معلوم نہیں دیباچہ سے معلوم ہوا کہ مین کا کوئی عالم ہے۔ ترکی میں ہے اور نظم ہے۔
مناقب الامام الاعظم	شیخ ابو سعید	فارسی زبان میں ہے
رسالہ فی فضل ابی حنیفہ	عتیق بن داؤد الیمانی	
نظم الجمان	شیخ صارم الدین ابراہیم بن محمد بن دقماق المتوفی ۸۰۹ھ	تین جلدوں میں ہے۔ امام ابو حنیفہ قاضی ابو یوسف وامام محمد ہر ایک کے حال میں الگ الگ جلد ہے۔
مناقب الامام الاعظم	مولانا محمد کافی آفندی قاضی بغداد المتوفی ۱۱۳۶ھ	ترکی میں ہے۔
مناقب الامام الاعظم	شیخ زادہ سلیمان سعد الدین آفندی	ضخیم کتاب ہے [illegible] میں تالیف ہوئی ترکی زبان میں ہے

افسوس ہے کہ یہ کتابیں ہمارے ملک میں ناپید ہیں۔ میرے پاس عقود الجمان و الخیرات الحسان موجود ہیں اور قلائد العقیان کا ایک عتیق نسخہ نظر سے گذرا ہے۔ الخیرات الحسان اگرچہ اسوجہ سے کہ ابن حجر مکی کی طرف منسوب ہے زیادہ مشہور ہے لیکن وہ خود کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے بلکہ تمامتر عقود الجمان کا خلاصہ ہے اور خود مصنف نے

دیباچہ کتاب میں اس کا اعتراف کیا ہے۔ قلائد العقیان کے دیباچہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ زیادہ تر قاضی صمیری کی تصنیف سے ماخوذ ہے عقود الجمان جو نہایت جامع اور مفصل کتاب ہے اور میری تالیف کا عام ماخذ وہی ہے حافظ ابو المحاسن محمد بن یوسف بن علی الدمشقی الصالحی نزیل بر قوقیہ کی تصنیف ہے حافظ ابو المحاسن جلال الدین سیوطی کے شاگرد اور فن حدیث میں ممتاز ہیں۔ یہ کتاب جیسا کہ خود مصنف نے خاتمہ میں تصریح کی ہے ربیع الثانی ۹۳۹ھ ہجری میں تمام ہوئی ہے دیباچہ میں لکھا ہے کہ میں نے امام ابو حنیفہ کے حالات میں بہت سی کتابیں دیکھی ہیں جن میں سے موافق بن احمد خوارزمی کی تصنیف سب سے عمدہ نزا اور جامع ہے کتاب کے خاتمہ میں لکھا ہے کہ میں نے اس بحث میں جسقدر کتابیں دیکھیں اگر ان سے لکھنا چاہتا تو یہ کتاب دو ضخیم جلدوں میں تیار ہوتی۔

امام ابو حنیفہ کے حالات میں تصنیف تو مجھکو ایک ہی مل سکی۔ لیکن رجال و تاریخ کی مستند کتابیں جنمیں امام کا ذکر ہے اکثر میری نظر سے گذریں جن میں تاریخ صغیر بخاری۔ معارف بن قتیبہ مختصر تاریخ خطیب بغدادی انساب سمعانی۔ تہذیب الاسماء واللغات للنووی۔ تذکرۃ الحفاظ علامہ ذہبی۔ دول الاسلام للذہبی عبر فی اخبار من غبر للذہبی۔ تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر عسقلانی۔ خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال للعلامہ صفی الدین الخزرجی خاصۃً قابل ذکر ہیں کیونکہ یہ وہ کتابیں ہیں جن پر آج فن رجال کا مدار ہے اور حدیثوں کی تنقید کیلئے زیادہ تر انہیں تصنیفات کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔

میری کتاب کا پہلا حصہ جس میں امام ابو حنیفہ کے عام حالات ہیں انہیں تصنیفات سے ماخوذ ہے لیکن دوسرا حصہ جس میں امام صاحب کی طرز اجتہاد و اصول استنباط سے بحث ہے اس کیلئے یہ تمام دفتر بیکار تھا۔ کیونکہ قدیم زمانہ میں سوانح عمریوں کا یہ ڈھنگ ہی نہ تھا کہ حالات زندگی کے ساتھ اس شخص کی تصنیفات یا مسائل سے بھی بحث کرتے۔ مناظرہ اور مذہبی حمایت کے پیرایہ میں البتہ ایسی کتابیں لکھی گئی ہیں کہ ان سے مسائل اور تصنیفات پر تفصیلی ریویو لکھا جا سکتا ہے۔

مثلاً ابن ابی شیبہ نے امام ابو حنیفہ کے مسائل پر جو اعتراضات کئے اور ثابت کیا کہ وہ حدیث کے مخالف ہیں۔

قاسم بن قطلوبغا المتوفی ۸۷۹ھ نے اس کا مفصل جواب لکھا شمس الائمہ کردری نے منخول کے جواب میں ایک مستقل کتاب لکھی اسی طرح ترجیح مذہب ابی حنیفہ کے نام سے شیخ اکمل الدین محمد بن البابرتی المتوفی ۷۸۶ھ ہجری اور شیخ ابو عبد اللہ محمد بن یحییٰ الجرجانی المتوفی ۳۹۷ھ نے مستقل کتابیں لکھیں۔

مورخ سبط ابن جوزی نے ایک ضخیم کتاب دو جلدوں میں لکھی جس کا نام الانتصار الامام ائمۃ الامصار ہے اسی مورخ کی ایک اور تصنیف ہے جو تیس بابوں میں ہے اُس میں تفصیلاً امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مسائل کی عمدگی ثابت کی ہے صاحب کشف الظنون نے لکھا ہے کہ یہ کتاب اپنے باب میں بے نظیر ہے اسی مضمون پر عمر بن محمد بن سعید الموصلی کی ایک تصنیف ہے جس کا نام الانتصار والترجیح ہے سب سے مفصل کتاب الابانہ ہے جو قاضی ابو جعفر احمد بن عبداللہ بن القاسم کی تصنیف ہے اور چھ بابوں پر منقسم ہے پہلے باب میں ثابت کیا ہے کہ امام کا مذہب اُصول سلطنت سے بہت مناسبت رکھتا ہے۔ دوسرا باب اس بحث میں ہے کہ اُن کے مسائل حدیث و آثار سے ثابت ہیں۔ چھٹے باب میں اُن مسائل کا ذکر ہے جن پر مخالفوں نے اعتراض کئے ہیں۔ پھر نہایت تفصیل کے ساتھ اُن کے جواب میں دیئے ہیں۔

جواہر المضیہ کے مصنف نے لکھا ہے کہ میں نے یہ کتاب دیکھی ہے نہایت عمدہ کتاب ہے اور جو دعوے کیا ہے اُس کے ثبوت میں بہت سی مثالیں دی ہیں۔

بے شبہ اس قسم کی تصنیفات سے بہت بڑی مدد مل سکتی تھی لیکن مصنف کشف الظنون کی سی قسمت کہاں سے لاؤں کہ ان نایاب تصنیفات پر دسترس پا سکتا۔ بڑی تلاش سے شمس الائمہ کردری کا رسالہ بہم پہنچا کہ اس ناداری میں وہ بھی غنیمت ہے بعض باتیں اس رسالہ سے لیں۔ باقی میرا تتبع اور تحقیق ہے جس کیلئے خوش قسمتی سے حدیث و فقہ کا بڑا ذخیرہ میرے پاس مہیا تھا۔

یہ بات بھی لحاظ رکھنے کے قابل ہے کہ امام ابوحنیفہ کی زندگی مختلف حیثیتیں ہیں ولادت نشوونما۔ طریقۂ معاش طرز معاشرت وغیرہ اس قسم کے حالات کو تاریخی پیرایہ کہتے ہیں روایت میں اُنکا ثقہ ہونا نہ ہونا محدثانہ بحث ہے اُنکے مسائل و طریقۂ اجتہاد پر رائے قائم کرنی مجتہد کا کام ہے اس لئے جو کتاب ان تمام حیثیتوں پر شامل ہوگی ضرور ہے کہ مختلف بحثوں میں خود اُسکی حیثیتیں بھی بدلتی جائیں اس کا طرز تحریر کہیں مورخانہ ہوگا کہیں محدثانہ اور کہیں دونوں پہلوؤں سے الگ مجتہدانہ روش ہوگی اس کتاب میں میں نے ان مختلف حیثیتوں کا لحاظ رکھا ہے جو حالات تاریخ سے متعلق ہیں اُن میں وہ شہادتیں کافی سمجھی ہیں جو عام مورخوں کے نزدیک مسلم ہیں۔ جو واقعہ محدثانہ پہلو رکھتا ہے اس میں زیادہ تر تدقیق کی ہے اور تمامتر ان اُصول سے کام لیا ہے جو محدثین نے اخبار و روایت کیلئے قرار دیئے ہیں عام ناظرین کو شاید اُن بحثوں میں مزہ نہ آئے مگر ایسے ضروری حصہ کو میں کیونکر چھوڑ سکتا تھا۔ عام تاریخی واقعات میں گو رواۃ حدیث کی طرح بال کی کھال نکالی ہے تاہم کوئی ایسا واقعہ نہیں لکھا جس کی سند موجود نہ ہو ساتھ ہی اس کا التزام کیا ہے کہ ایسی کتاب کا حوالہ نہ دیا جائے جو خود میری نظر سے نہ گذری ہو کیونکہ نقل در نقل ہو کر اکثر

روایتیں اپنی حالت پر قایم نہیں رہتیں ان احتیاطوں کیساتھ بھی ممکن بلکہ ضروری ہی کہ مجھ سے مسامحات اور غلطیاں ہوئی ہوں لیکن میں اس سے زیادہ اور کیا کر سکتا تھا و قال اللہ تعالیٰ لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا۔

امام ابو حنیفہ کا نام و نسب و ولادت

نعمان نام ابو حنیفہ کنیت امام لقب شجرہ نسب یہ ہی نعمان بن ثابت بن زوطی ابن ماہ یہ امر جیسا کہ خود ناموں کی ترکیب سے ظاہر ہے عموماً مسلم ہی کہ امام صاحب عجمی النسل تھے البتہ اسمیں اختلاف ہی کہ کس نسل سے تھے اور عرب میں کیونکر آئے خطیب مورخ بغدادی نے امام کے پوتے اسمٰعیل کی زبانی یہ روایت نقل کی ہی کہ میں حماد بن نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان ہوں ہم لوگ نسل فارس سے ہیں اور کبھی کسی کی غلامی میں نہیں آئے ہمارے دادا ابو حنیفہ سنہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے ثابت بچپن میں حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے انہوں نے اُنکے اور اُنکے خاندان کے حق میں دعائے خیر کی تھی ہمکو امید ہے کہ وہ دعا بے اثر نہیں رہی۔ اسمٰعیل نے امام صاحب کے دادا کا نام نعمان بتایا اور پردادا کا نام مرزبان حالانکہ عام طور پر زوطی اور ماہ مشہور ہے غالباً جب زوطی ایمان لائے تو انکا نام نعمان سے بدل دیا گیا اسمٰعیل نے سلسلہ نسب کے بیان میں زوطی کا وہی اسلامی نام لیا اور حمیت اسلام کا مقتضا بھی یہی تھا زوطی کے باپ کا نام غالباً کچھ اور ہوگا اور ماہ و مرزبان لقب ہونگے کیونکہ اسمٰعیل کی روایت سے اس قدر اور بھی ثابت ہی کہ ان کا خاندان فارس کا ایک معزز اور مشہور خاندان تھا فارس میں رئیس شہر کو مرزبان کہتے ہیں اسی لئے نہایت قرین قیاس ہے کہ ماہ اور مرزبان لقب ہیں امام حافظ ابو المحاسن نے قیاس لگایا ہے کہ ماہ اور مرزبان ہم معنی الفاظ ہونگے انہوں نے قیاساً کہا کیونکہ وہ فارسی زبان نہیں جانتے تھے لیکن میں یقیناً کہتا ہوں کہ درحقیقت ماہ اور مرزبان کے ایک معنی ہیں ماہ دراصل وہی مہ ہی جس کے معنی بزرگ اور سردار کے ہیں مشہور مصرع ہی ع نہ کہ را منزلت ماند نہ مہ را۔ عربی لہجہ نے مہ کو ماہ کر دیا ہے۔

زوطی غلام نہ تھے

بعض مورخوں نے زوطی کی نسبت لکھا ہے کہ کابل سے گرفتار ہو کر آئے اور قبیلہ بنی تیم اللہ کی ایک عورت نے خرید لیا جو دنوں غلامی میں رہے پھر اُس نے آزاد کر دیا اسی لئے امام کا خاندان مولیٰ بنی تیم اللہ کہلاتا ہی مخالفوں نے جن کو امام کی تنقیص میں مزہ آتا ہی اس روایت کو زیادہ چمکایا ہے حالانکہ اس قسم کی غلامی ثابت بھی ہو تو کسر شان کی کیا بات ہی زمانہ نے خاندان کسری پر بھی یہ لقب کا داغ لگایا ہی ہمارے علما حضرت شہربانو کو کنیز تسلیم کرتے ہیں (گو تو یہ ثابت نہیں) اسلام کے قریب زمانہ میں اکثر وہ لوگ حدیث و روایت کے امام نظر آتے ہیں جن پر اس قسم کی غلامی کا اطلاق ہو چکا تھا امام حسن بصری ابن سیرین طاوس عطاء بن یسار نافع عکرمہ مکحول جو اپنے زمانہ کے مقتدائے عام تھے خود یا اُنکے باپ دادا غلام رہ چکے تھے زوطی کا غلام ہونا بھی ثابت ہو تو کچھ عار نہیں لیکن تاریخی شہادتیں اسکے خلاف ہیں امام کے نسب میں اور بھی اختلافات ہیں ابو مطیع نے انکو نسل عرب سے بتایا ہی اور سلسلہ نسب یوں بتایا ہی نعمان بن ثابت بن زوطی بن یحییٰ بن زید بن اسد بن راشد الانصاری حافظ ابو اسحق نے شجرہ نسب کے

۱؎ مختصر تاریخ بغداد لابن جزلہ ترجمہ امام ابو حنیفہ ۱۲

متعلق یہ روایت نقل کی ہے نعمان بن ثابت بن کاؤس بن ہرمز بن بہرام زوطی کے مقام سکونت میں بھی اختلاف ہے
اور یہ اختلافات ضرور ہونے چاہئیں تھے زوطی اوّل اوّل جب عرب میں آئے ہونگے تو برسوں تک اُنکی حالت بیگانگی
کی حالت رہی ہوگی لوگونکو اُنکے حالات کیساتھ چنداں اعتنا نہوگا اور ہوگا تو زبان کی اجنبیت کیوجہ سے صحیح حالات معلوم ہو سکے ہونگے
معاشرت کی ضرورتوں نے زوطی کو مجبور کیا ہوگا کہ وہانکے رہنے والوں سے دوستانہ تعلق پیدا کریں یہ طریقہ عرب میں عام طور
جاری تھا اور اس قسم کے تعلق کو ولا کہتے تھے جسکا مشتق مولیٰ ہے مولیٰ غلام کو بھی کہتے ہیں اسیطرح لفظی مشارکت سے
بعضوں نے زوطی کو غلام سمجھ لیا اور رفتہ رفتہ یہ خیال روایت کی شکل پکڑ کر کسی قدر عام ہوگیا جسکی وجہ سے اسمٰعیل کو دفع
دخل کرنا پڑا کہ واللہ ہمارا خاندان کبھی کسی کی غلامی میں نہیں آیا!! اسمٰعیل نہایت ثقہ اور معزز شخص تھے اس وجہ سے دقیقہ سنج
مؤرخوں نے اس بحث میں ان ہی کی روایت پر اعتماد کیا ہے صاحب البیت ادری بما فیہا قاضی ضمیری نے جو بڑے پایہ کے مصنف
ہیں صاف تصریح کی ہے کہ زوطی بنی تیم اللہ کے حلیف[1] یعنی ہم قسم تھے اس روایت کا جسمیں زوطی کی غلامی کا ذکر ہے ایک حصہ
بھی غلط ہے کہ وہ کابل سے گرفتار ہوکر آئے زوطی کے باپ دادا کے نام فارسی زبان کے ہیں خود امام ابوحنیفہ کی نسبت ثابت
ہے کہ وہ خاندانی حیثیت سے فارسی زبان جانتے تھے یہ ظاہر ہے کہ کابل کی زبان فارسی نہ تھی۔

زوطی کی نسبت ہم یہ نہیں بتا سکتے کہ خاص کس شہر کے رہنے والے تھے مورخوں نے مختلف شہروں کے نام لئے ہیں
جنمیں سے کسی کی نسبت ترجیح کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا یقینی طور پر جو ثابت ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ اقلیم فارس اور فارسی
نسل سے تھے یہ ممالک اس زمانہ میں اسلامی اثر سے معمور تھے اور اکثر بڑے بڑے خاندان اسلام قبول کرتے جاتے
تھے غالباً زوطی اسی زمانہ میں اسلام لائے اور جوش شوق یا خاندان والوں کی ناراضی سے جسکا سبب تبدیل مذہب تھا عرب کا
رخ کیا یہ جناب امیر علیہ السلام کی خلافت کا زمانہ تھا اور شہر کوفہ دار الخلافہ ہونیکا شرف رکھتا تھا اس تعلق سے زوطی
نے کوفہ کو پسند کیا اور وہیں سکونت اختیار کی کبھی کبھی جناب امیر کے دربار میں حاضر ہوتے اور خلوص عقیدت کے آداب
بجالاتے ایک بار نوروز کے دن کہ پارسیوں کی عید کا دن ہے فالودہ نذر کے طور پر بھیجا حضرت نے ارشاد فرمایا کہ نوروزنا کل یوم
یعنی ہمارے یہاں ہر روز نوروز ہے ثابت امام ابوحنیفہ کے پدر بزرگوار کوفہ ہی میں پیدا ہوئے زوطی نے نیک فال لڑکے
کو حضرت علی کی خدمت میں حاضر کیا آپ نے بزرگانہ شفقت فرمائی اور اُنکے اور اُن کی اولاد کے حق میں دعائے خیر کی۔

ثابت کے حالات زندگی بالکل نامعلوم ہیں۔ قرائن سے اس قدر پتہ چلتا ہے کہ تجارت کے ذریعہ سے زندگی بسر کرتے تھے۔
چالیس برس کی عمر ہوئی تو خدا نے فرزند عطا کیا جسکا نام والدین نے نعمان رکھا لیکن زمانہ نے آگے چلکر امام اعظم کے لقب سے
پکارا اُسوقت عبد الملک بن مروان جو دولت مروانیہ کا دوسرا تاجدار شمار کیا جاتا ہے مسند آرائے خلافت تھا یہ وہ عہد تھا کہ
رسول اللہ صلعم کے جمال مبارک سے جن لوگوں کی آنکھیں روشن ہوئی تھیں اُن میں سے چند بزرگ موجود تھے جن میں سے

[1] دیکھو قلائد عقود العقیان باب اوّل علامہ نووی نے تہذیب الاسماء واللغات کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ مولیٰ کا لفظ زیادہ تر حلیف ہی کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے ۱۲

بعض امام ابوحنیفہ کے آغاز شباب تک زندہ رہے انس بن مالک نے جو رسول اللہ کے خادم خاص تھے سنہ ۹۳ھ میں وفات پائی سہل بن سعید نے سنہ ۹۱ھ میں انتقال کیا اور ابوالطفیل عامر بن واثلہ تو سو ہجری تک زندہ رہے لیکن یہ ثابت نہیں ہوتا کہ امام ابوحنیفہ نے کسی سے بھی کوئی حدیث روایت کی اسپر لوگوں کو نہایت تعجب ہے اور مورخوں نے اسکے مختلف اسباب خیال کئے ہیں۔ بعضوں کی رائے ہے کہ امام ابوحنیفہ نے اسوقت تک کسی قسم کی تعلیم نہیں حاصل کی تھی انکے باپ دادا تجارت کرتے تھے۔ اسلئے انکی نشوونما بھی ایک عام تاجر کی حیثیت سے ہوئی بڑے ہوئے پر امام شعبی کی ہدایت سے علم کی طرف متوجہ ہوئے اسوقت موقع ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ یعنی صحابہ میں سے کوئی باقی نہیں رہا تھا لیکن میرے نزدیک اسکی ایک وجہ اور ہے محدثین میں باہم اختلاف ہے کہ حدیث سیکھنے کے لئے کم از کم کیا عمر مشروط ہے اس امر میں ارباب کوفہ سب سے زیادہ احتیاط کرتے تھے یعنی بیس برس سے کم عمر کا شخص حدیث کی درسگاہ میں شامل نہیں ہو سکتا تھا انکا خیال تھا کہ چونکہ حدیثیں بالمعنی روایت کی گئی ہیں اس لئے ضرور ہے کہ طالب علم پوری عمر کو پہنچ چکا ہو ورنہ مطالب کے سمجھنے اور اس کے ادا کرنے میں غلطی کا احتمال ہے غالباً یہی قید تھی جس نے امام ابوحنیفہ کو ایسے بڑے شرف سے محروم رکھا اور سچ پوچھو تو یہ قید مصلحت سے خالی بھی نہیں تھی جن لوگوں نے دس بارہ برس کے سن میں صحابہ سے حدیثیں سنیں انکی روایتیں اس لحاظ سے تو نہایت قابل اعتماد ہیں کہ رسول اللہ تک صرف ایک واسطہ ہے لیکن اسباب کا قوی احتمال موجود ہے کہ کمسنی کی وجہ سے مضمون حدیث کی تمام خصوصیتیں خیال میں نہ آئی ہوں جس کی وجہ سے ادائے مطلب میں عظیم الشان غلطیاں پیدا ہو جاتی ہیں بہر نوع وجہ جو کچھ ہو واقعہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے کسی صحابی سے کوئی حدیث نہیں سنی تاہم یہ شرف ان کی قسمت میں تھا کہ جن آنکھوں نے پیغمبرؐ کا جمال دیکھا تھا انکے دیدار سے عقیدت کی آنکھیں روشن کیں یہ واقعہ ایک تاریخی واقعہ ہے لیکن چونکہ اس سے تابعیت کا رتبہ حاصل ہوتا ہے اسلئے یہ مسئلہ مذہبی پیرایہ میں آگیا ہے اور اسپر بڑی بحثیں قائم ہو گئیں ہیں بے شبہہ امام ابوحنیفہ کو اس شرف پر ناز تھا۔ اور بجا تھا کہ انہوں نے حضرت انس صحابی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ غیر قومیں ان باتوں کو معمولی امر خیال کریں گی۔ لیکن ان واقعات سے اس محبت اور جوش عقیدت کا اندازہ ہوتا ہے جو مسلمانوں کو رسول اللہ اور انکے تعلق کیوجہ سے صحابہ کیساتھ تھا سچ ہے شعر

امام ابوحنیفہ نے صحابہ سے کیوں روایت نہیں کی

تابعیت کی بحث

فی الجملہ نسبتے بتو کافی بود مرا — بلبل ہمیں کہ قافیہ گل بود بس ست

ہمارے زمانہ کے بعض مصنفوں نے امام کی تابعیت سے انکار کیا ہے اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے پہلے بھی لوگوں کو شبہہ ہوا تھا لیکن محدثین نے جنکو اس قسم کی بحثوں کے طے کرنیکا سب سے زیادہ حق حاصل ہے امام کے موافق فیصلہ کیا حافظ ابن حجر عسقلانی سے کہ فن حدیث کی ایک عنصر ہیں فتویٰ لیا گیا انہوں نے یہ جواب لکھا امام ابوحنیفہ کے زمانہ میں کئی صحابی موجود تھے اسلئے کہ امام ۸۰ھ میں بمقام کوفہ پیدا ہوئے اور اس وقت وہاں صحابہ میں

حافظ ابن حجر کا فتویٰ

[1] مقدمہ ابن الصلاح۔ مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۱۲۵۸۔

سے عبد اللہ بن ابی اوفی موجود تھے کیونکہ وہ ۸۷ھ میں یا اسکے بعد مرے اور ابن سعد نے روایت کی ہے جسکی سند میں کچھ نقصان نہیں کہ امام ابو حنیفہ نے انس بن مالک کو دیکھا تھا۔ ان دو صحابہ کے سوا اور اصحاب بھی مختلف شہروں میں موجود تھے بعض لوگوں نے ان حدیثوں کو جمع کیا ہے جو امام نے صحابہ سے روایت کیں لیکن ان حدیثوں کی سندیں ضعف سے خالی نہیں اور صحیح یہی ہے کہ امام ان کے ہمزبان تھے اور بعض صحابہ کو دیکھا تھا جیسا کہ ابن سعد نے روایت کی ہے پس اس لحاظ سے امام ابو حنیفہ تابعین کے طبقہ میں ہیں اور یہ امر اور اماموں کی نسبت جو انکے ہم عصر تھے مثلاً اوزاعی شام میں حماد بصرہ میں ثوری کوفہ میں مالک مدینہ شریف میں لیث مصر میں ثابت نہیں ہوا واللہ اعلم۔

ابن سعد کی جس روایت کا حافظ ابن حجر نے حوالہ دیا ہے وہ صرف ایک واسطہ یعنی سیف بن جابر کے ذریعہ سے امام ابو حنیفہ تک پہنچی ہے یعنی ابن سعد نے جابر سے سُنا اور سیف نے خود امام ابو حنیفہ سے ابن سعد وہ شخص ہیں جن کی نسبت علامہ نووی نے تہذیب الاسماء میں لکھا ہے کہ اگرچہ انکا شیخ واقدی ثقہ نہیں مگر وہ خود نہایت ثقہ ہیں سیف بن جابر بصرہ کے قاضی اور صحیح الروایت تھے اس لحاظ سے یہ روایت اس قدر صحیح اور مستند ہے کہ قوی سے قوی حدیث بھی اس سے زیادہ صحیح نہیں ہو سکتی اسی بنا پر تمام بڑے بڑے محدثین مثلاً خطیب بغدادی علامہ سمعانی مصنف کتاب الانساب علامہ نووی شارح صحیح مسلم علامہ ذہبی حافظ ابن حجر عسقلانی زین الدین عراقی سخاوی ابو المحاسن دمشقی نے جن پر باب حدیث و روایت کا مدار ہے قطعاً فیصلہ کر دیا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے حضرت انس کو دیکھا تھا۔

ابن خلکان نے بھی خطیب بغدادی کا یہ قول نقل کیا ہے لیکن چونکہ مورخ مذکور نے لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ کو کسی صحابی سے ملاقات اور روایت حاصل نہیں ہوئی" لوگوں کو دھوکا ہوا کہ ابن خلکان تابعیت کے منکر ہیں حالانکہ ابن خلکان کو ملاقات اور روایت سے انکار ہے نہ رویت سے لیکن اگر ابن خلکان کی عبارت کا وہی مطلب ہو جو بعض ظاہر بینوں نے قرار دیا ہے تاہم کون کہہ سکتا ہے کہ ایسے بڑے بڑے محدثین کے مقابلہ میں انکی شہادت کچھ بھی اعتبار کے قابل ہوگی اصول روایت میں یہ مسئلہ طے ہو چکا ہے کہ اگر کسی واقعہ کے اثبات و نفی میں برابر درجے کی شہادتیں موجود ہوں تو اثبات کا اعتبار ہوگا۔ یہاں نفی کی شہادت ثبوت کے مقابلہ میں بالکل کم رتبہ ہے۔

بعض حنفیوں نے رویت سے بڑھ کر روایت کا بھی دعویٰ کیا ہے اور تعجب ہے کہ علامہ عینی شارح ہدایہ بھی اس غلطی کے حامی ہیں لیکن انصاف یہ ہے کہ یہ دعویٰ ہرگز پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتا حالانکہ ابو المحاسن نے عقود الجمان میں ان تمام حدیثوں کو مع سند نقل کیا ہے جنکی نسبت یہ خیال ہے کہ امام نے صحابہ سے سُنیں تھیں پھر اصول حدیث سے انکی جانچ کی ہے اور ثابت کر دیا ہے کہ ہرگز ثابت نہیں محدثانہ تحقیق تو وقت طلب ہیں صاف بات یہ ہے کہ امام نے صحابہ سے

لہ اس فتوی کو حافظ ابو المحاسن نے عقود الجمان میں بعبارتہا نقل کیا ہے اور ہم نے اس کا لفظی ترجمہ کیا ہے ۱۲ منہ تذکرۃ الحفاظ علامہ ذہبی میں یہ تشریح موجود ہے ۱۲ منہ مختصر تاریخ خطیب بغدادی و کتاب الانساب و تہذیب الاسماء واللغات و تذکرۃ الحفاظ وغیرہ و فی الاعتبار عن عبر للذہبی و تہذیب التہذیب میں امام ابو حنیفہ کا ترجمہ دیکھو ۱۲

ایک بھی روایت کی ہوتی تو سب سے پہلے امام کے تلامذۂ خاص اسکو شہرت دیتے لیکن قاضی ابو یوسف امام محمد حافظ عبدالرزاق ابن ہمام عبداللہ بن المبارک ابونعیم فضل بن وکیع مکی بن ابراہیم - ابوعاصم النبیل وغیرہ سے کہ امام کے مشہور اور با اخلاص شاگرد تھے اور سچ پوچھیے تو زیادہ تر انہیں لوگوں نے انکی نام آوری کے سکے بٹھائے ہیں ایک حرف بھی اس واقعہ کے متعلق منقول نہیں۔

صحابہ سے روایت نہیں کی

امام کی کنیت جو نام سے زیادہ مشہور ہے حقیقی کنیت نہیں ہے امام کی کسی اولاد کا نام حنیفہ نہ تھا کنیت وصفی معنی کے اعتبار سے ہے ابوالملۃ الحنیفۃ قرآن مجید میں خدا نے مسلمانوں سے خطاب کر کے کہا ہے واتبعوا ملۃ ابراہیم حنیفا امام ابوحنیفہ نے اسی نسبت سے اپنی کنیت ابوحنیفہ اختیار کی۔

سن رشد تعلیم و تربیت شیوخ و اساتذہ

امام کے بچپن کا زمانہ نہایت پرآشوب زمانہ تھا حجاج بن یوسف خلیفہ عبدالملک کی طرف سے عراق کا گورنر تھا اور ہر طرف ایک قیامت برپا تھی چونکہ مذہبی گروہ کی مخالفت کی وجہ سے عرب و عراق میں اب تک مروانی حکومت کے پاؤں نہیں جمے تھے حجاج کی سفاکیاں زیادہ تر انہیں لوگوں پر مبذول تھیں جو ائمہ مذہب اور علم و فضل کی حیثیت سے مقتدائے عام تھے حضرت عمر بن عبدالعزیز نے نہایت سچ کہا ہے اگر اور پیغمبروں کی امتیں سب ملکر اپنے اپنے زمانے کے بدکاروں کو پیش کریں اور ہم صرف حجاج کو پیش کریں تو واللہ ہمارا پلہ بھاری رہیگا۔ عبدالملک نے ۸۶ھ میں وفات پائی اور اس کا بیٹا ولید تخت نشین ہوا ولید کے زمانہ میں اگرچہ فتوحات نے نہایت ترقی کی اسپین سندھ و بڑی بڑی ملکتیں اسلام کے قبضہ میں آگئیں خوارزم و سمرقند سے گزر کر کابل و فرغانہ پر علم اسلام نصب ہوا مغرب کی طرف جزائر منورقہ و میورقہ فتح ہوئے لیکن اسلام کی روحانی برکتوں کا نشان نہ تھا ملکی عہدہ داروں میں سے جو لوگ جس قدر زیادہ معزز اور با اختیار تھے اسی قدر ظالم اور سفاک تھے اسی زمانہ کی نسبت حضرت عمر بن عبدالعزیز فرمایا کرتے تھے کہ "ولید شام میں حجاج عراق میں عثمان حجاز میں قرۃ مصر میں اللہ تمام دنیا ظلم سے بھر گئی" اس عالمگیر آشوب میں بھی اگرچہ درس و تعلیم کا سلسلہ بند نہیں ہوا تھا۔ جابجا حدیث و روایت کی درسگاہیں موجود تھیں اور فقہا و محدثین باوجود بے اطمینانی کے درس و تدریس میں مشغول تھے۔ تاہم اسلام کی حوصلہ مندیوں اور جوش کے لحاظ سے جس قدر تھا نہایت کم تھا۔

ملک کی خوش قسمتی تھی کہ حجاج ۹۵ھ میں مر گیا ولید نے بھی ۹۶ھ میں وفات پائی۔ ولید کے بعد سلیمان بن عبدالملک نے مسند خلافت کو زینت دی جسکی نسبت مورخین کا بیان ہے کہ خلفائے بنی امیہ میں سب سے افضل تھا سلیمان نے اسلامی دنیا پر سب سے بڑا یہ احسان کیا کہ عمر بن عبدالعزیز کو مشیر سلطنت بنایا اور مرتے دم تحریری وصیت کی کہ میرے بعد عمر بن عبدالعزیز تخت نشین ہوں" سلیمان نے ۹۹ھ میں وفات پائی اور وصیت کے موافق عمر بن عبدالعزیز

مسند خلافت پر بیٹھے اُنکی خلافت نے دفعتہً حکومت مروانی کا رنگ بدلدیا۔ اور تمام ملک میں عدل وانصاف علم وعمل خیر وبرکت کی جان تازہ ڈالدی ایک مدت سے حضرت علیؓ پر خطبوں میں جو لعن طعن پڑھا جاتا تھا یلکخت موقوف کردیا شہزادگان بنو اُمیہ کے ہاتھوں سے جاگیریں چھین لیں۔ جہاں جہاں ظالم عمال تھے یک قلم معزول کردئے سب سے بڑھکر یہ کہ علوم مذہبی کو وہ رونق دی کہ گھر گھر یہی چرچے پھیل گئے امام زہری کو حکمدیا کہ حدیثوں کو یکجا کریں یہ مجموعہ تیار ہوا تو ممالک اسلامیہ میں اُسکی نقلیں بھجوائیں غرض حجاج اور ولید کے عہد تک تو امام ابوحنیفہ کو تحصیل علم کی طرف متوجہ ہونیکی نہ رغبت ہوسکتی تھی نہ موقعہ مل سکتا تھا تجارت باپ دادا کی میراث تھی اس لئے خزبافی کا کارخانہ قائم کیا اور حسن تدبیر سے اُس کو بہت کچھ ترقی دی لیکن سلیمان کے عہد خلافت میں جب درس وتدریس کے چرچے زیادہ عام ہوئے تو اُن کے دلمیں بھی ایک تحریک پیدا ہوئی حسن اتفاق یہ کہ اُن ہی دنوں میں ایک اتفاقی واقعہ پیش آیا جس سے اُنکے ارادے کو اور بھی استحکام ہوا۔

ایک دن بازار جارہے تھے امام شعبی جو کوفہ کے مشہور امام تھے اُنکا مکان راہ میں تھا سامنے سے نکلے تو انہوں نے یہ سمجھکر کہ کوئی نوجوان طالب علم ہے پاس بلالیا اور پوچھا کہ کہاں جارہے ہو انہوں نے ایک سوداگر کا نام لیا امام شعبی نے کہا میرا مطلب یہ نہ تھا تم پڑھتے کس سے ہو انہوں نے افسوس کے ساتھ جواب دیا کسی سے بھی نہیں شعبی نے کہا کہ مجھکو تم میں قابلیت کے جوہر نظر آتے ہیں تم علمار کی صحبت میں بیٹھا کرو۔ اس نصیحت نے اُنکے دلمیں گھر کرلیا اور نہایت اہتمام سے تحصیل علم پر متوجہ ہوئے اسوقت تک علم جس چیز کا نام تھا۔ وہ ادب انساب ایام العرب فقہ حدیث کلام تھا۔ کلام اگرچہ آجکل کا علم کلام نتھا۔ کیونکہ اس عہد تک مسائل پر فلسفہ کا پرتو نہیں پڑا تھا تاہم ان علوم میں وقت نظر بلندی خیال زور طبع کے لئے اس سے وسیع تر میدان نہ تھا۔ اسلام جب تک عرب کی آبادی میں محدود رہا اُس کے مسائل نہایت سادہ اور صاف رہے لیکن فارس اور مصر وشام پہنچکر ان میں رنگ آمیزیاں شروع ہوگئیں۔ ان ملکوں میں اگرچہ حکمت وفلسفہ کا وہ زور باقی نہ رہا تھا تاہم فلسفہ کے بگڑے بگڑائے مسائل عام لوگوں میں پھیلے ہوئے تھے اور طبیعتیں عموماً باریک بینی اور احتمال آفرینی کی عادی تھیں قرآن پاک میں خدا کی ذات وصفات مبداء ومعاد وغیرہ کے متعلق جو کچھ مذکور ہے عرب نے اُس کو اجمالی نگاہ سے دیکھا اور خلوص اعتقاد کے لئے وہی کافی تھا بخلاف اِس کے فارس اور شام میں نہایت دقیق بحثیں پیدا ہوگئیں جو وسعت تمدن اور ترقی خیالات کے لحاظ سے ضرور پیدا ہونی چاہئیں تھیں۔ تنزیہ وتشبیہ صفات عینیت وغیریت حدوث وقدم غرض اِس قسم کے بہت سے مضامین نکل آئے جن کو بحث وتدقیق کی وسعت نے مستقل فن بنا دیا رفتہ رفتہ اعتقادی مسائل میں بھی موشگافیاں شروع ہوگئیں اور راویوں کے اختلافات سے مختلف فرقے بنتے گئے جو قدری مرجی معتزلی جہمی خارجی رافضی کہلائے۔ یہ فتنہ یہاں تک بڑھا کہ اہل حق جو

اب تک ان بحثوں سے الگ تھے انکو بھی مخالفت کی ضرورت سے اسطرف متوجہ ہونا پڑا اسطرح علم کلام پیدا ہو گیا جسکو تدوین و ترتیب کی وسعت نے اس رتبہ کو پہنچایا کہ بڑے بڑے آئمہ مذہب (مثلاً امام اشعری ابو منصور ماتریدی) کا مایۂ فخر ٹھہرا

علم کلام کی طرف توجہ

علم کلام زمانہ مابعد میں اگرچہ مدون و مرتب ہو کر اکتسابی علوم میں داخل ہو گیا لیکن اسوقت تک اسکی تحصیل کیلئے صرف قدرتی ذہانت اور مذہبی معلومات درکار تھیں قدرت نے امام ابوحنیفہ میں یہ تمام باتیں جمع کر دی تھیں رگوں میں ایرانی خون اور طبیعت میں زور اور جدت تھی مذہبی روایتیں اور مسائل کوفہ میں ایسے عام تھے کہ ایک معمولی شخص بھی تعلیم یافتہ لوگوں میں اٹھ بیٹھ کر حاصل کر سکتا تھا امام ابوحنیفہ نے اس فن میں وہ کمال پیدا کیا کہ بڑے بڑے اساتذہ فن بحث کرنیمیں انسے جی چراتے تھے تجارت کی غرض سے اکثر بصرہ جانا ہوتا تھا جو ان تمام فرقوں کا دنگل اور خاصکر خارجیوں کا مرکز تھا۔ اباضیہ صفریہ حشویہ وغیرہ سے اکثر بحثیں کیں اور ہمیشہ غالب رہے آخر ان جھگڑوں کو چھوڑ کر وہ علم فقہ پر مائل ہوئے اور تمام عمر اسکی نذر کر دی لیکن آخیر تک یہ مذاق طبیعت سے نہ گیا خارجیوں وغیرہ سے انکے مناظرے علم کلام کی جان ہیں انکی علمی زندگی کے تذکرے میں ہم بعض واقعات کی تفصیل بیان کریں گے۔

شروع شروع میں تو امام صاحب اس فن کے بہت دلدادہ رہے لیکن جسقدر عمر اور تجربہ بڑھتا جاتا تھا انکی طبیعت رکتی جاتی تھی خود انکا بیان ہے کہ آغاز عمر میں اس علم کو سب سے افضل جانتا تھا کیونکہ مجھکو یقین تھا کہ عقیدہ و مذہب کی بنیاد انہی باتوں پر ہے لیکن پھر خیال آیا کہ صحابہ کبار ان بحثوں سے ہمیشہ الگ رہے حالانکہ ان باتوں کی حقیقت انسے زیادہ کون سمجھ سکتا تھا انکی توجہ جسقدر تھی فقہی مسائل پر تھی اور یہی مسائل وہ دوسروں کو تعلیم دیتے تھے ساتھ ہی خیال گزرا کہ جو لوگ علم کلام میں مصروف ہیں ان کا طرز عمل کیا ہے اس خیال سے اور بھی بیدلی پیدا ہو گئی کیونکہ ان لوگوں میں وہ اخلاقی پاکیزگی اور روحانی اوصاف نہ تھے جو اگلے بزرگوں کا طغرائے امتیاز تھا۔ اسی زمانہ میں ایک دن ایک عورت نے آکر مسئلہ پوچھا کہ ایک شخص اپنی بیوی کو سنت کے طریقے پر طلاق دینی چاہتا ہے کیونکر دے خود تو نہ بتا سکا عورت کو ہدایت کی کہ امام حماد جنکا حلقہ درس یہاں سے قریب ہے جا کر پوچھے یہی کہدیا کہ حماد جو کچھ بتائیں مجھ سے کہتی جانا تھوڑی دیر کے بعد وہ واپس آئی اور کہا حماد نے یہ جواب دیا مجھکو سخت عبرت ہوئی اسیوقت اٹھ کھڑا ہوا اور حماد کے حلقہ درس میں جا بیٹھا

حماد کی شاگردی

امام کی ابتدائی تحصیل کے متعلق ایک اور روایت ہے جسکا سلسلہ سند خطیب نے امام تک پہنچایا ہے یعنی امام صاحب کا بیان ہے کہ جب میں نے تحصیل علم پر توجہ کی تو بہت سے علوم پیش نظر تھے اور میں متردد تھا کہ کسکو اختیار کروں سب سے پہلے کلام کا خیال آیا ساتھ ہی دل میں گزرا کہ گو کندن کاہ برآوردن ہے ایک مدت کی محنت و دردسری کے بعد کمال بھی پیدا کیا تو علانیہ اظہار نہیں کر سکتے کہ لوگ الحاد کی تہمت لگائیں ادب اور قرأت کا بجز اس کے کہ مکتب پڑھائیں اور کچھ فائدہ نہ تھا۔ شعر و شاعری میں ہجو اور جھوٹی مدح کے سوا اور کیا دھرا تھا۔ حدیث کیلئے اولاً تو ایک مدت درکار تھی۔ اور اس کے علاوہ

؎ عقود الجمان باب سادس ۱۲

کمسنوں سے واسطہ پڑتا اور ہر وقت یہ فکر رہتی کہ لوگ جرح و تعدیل کا نشانہ نہ بنائیں آخر فقہ پر نظر پڑی اور دنیا و دین کی حاجتیں اس سے وابستہ نظر آئیں لیکن یہ روایت محض غلط ہے تمام معتمد روایتیں اس کے خلاف ہیں جو ریمارک امام صاحب کی طرف منسوب کئے ہیں ایسے جاہلانہ ریمارک ہیں کہ ایک معمولی آدمی کی طرف بھی نسبت نہیں کیجا سکتی اس روایت کو صحیح مانیں تو ماننا پڑیگا کہ حدیث و کلام کی طرف امام ابو حنیفہ نے توجہ ہی نہیں کی حالانکہ ان فنون میں امام ابو حنیفہ کا جو پایہ ہے اس سے کون انکار کرسکتا ہے یہ ممکن ہے کہ تحصیل علوم کے بعد امام نے خیال کیا ہو کہ کس فن کو اپنا خاص فن بنائیں اور چونکہ عام خلائق کی ضرورتیں فقہ سے وابستہ دیکھیں اسکو ترجیح دی یہی بات طرز بیان کی رنگ آمیزیوں سے اس حد تک پہنچ گئی جس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ روایت با ینہمہ کو قید کتابت میں آچکی تھی۔ عقود الجمان کے مصنف نے نقل کی تو بہت سے اختلاف پیدا ہو گئے ابن جزلہ نے تاریخ بغداد کا جو اختصار کیا ہے ہمارے پیش نظر ہے اس میں اس روایت کا جہاں ذکر ہے ہر علم کے متعلق جو ریمارک ہیں دوسروں کی طرف منسوب ہیں امام ابو حنیفہ کی نسبت صرف ان کا تسلیم کرنا بیان کیا ہے۔

حماد کوفہ کے مشہور امام اور استاد وقت تھے حضرت انسؓ سے جو رسول اللہ کے خادم خاص تھے حدیث سنی تھی اور بڑے بڑے تابعین کی فیض صحبت سے مستفید ہوئے تھے اسوقت کوفہ میں انہیں کا مدرسہ مرجع عام سمجھا جاتا تھا مسعر و شعبہ نے جو آئمہ فن خیال کئے گئے ہیں انہیں کے حلقۂ درس میں تعلیم پائی تھی حضرت عبد اللہ بن مسعود (صحابی) سے جو فقہ کا سلسلہ چلا آتا تھا اسکا مدار انہیں پر رہ گیا تھا۔ ان باتوں کے ساتھ زمانہ نے بھی ان کا ساتھ دیا تھا یعنی دولتمند اور فارغ البال تھے اور اسوجہ سے نہایت اطمینان اور دلجمعی کے ساتھ اپنے کام میں مشغول رہتے تھے ان وجوہ سے امام ابو حنیفہؒ نے علم فقہ پڑھنا چاہا تو استادی کیلئے انہی کو انتخاب کیا اسوقت درس کا طریقہ یہ تھا کہ استاد کسی خاص مسئلہ پر زبانی گفتگو کرتا تھا جس کو شاگرد یاد کر لیتے اور کبھی لکھ بھی لیا کرتے تھے۔ امام ابو حنیفہ پہلے دن بائیں صف میں بیٹھے کیونکہ مبتدیوں کیلئے یہ امتیاز عموماً قائم رکھا جاتا تھا۔ لیکن چند روز کے بعد جب حماد کو تجربہ ہو گیا کہ تمام حلقہ میں ایک شخص بھی حافظہ اور ذہانت میں ان کا ہمسر نہیں ہے تو حکم دیدیا کہ ابو حنیفہؒ سب سے آگے بیٹھا کریں۔

امام نے اگرچہ اسی زمانہ میں حدیث پڑھنی شروع کر دی تھی جس کا تفصیلی بیان آگے آتا ہے تاہم حماد کے حلقۂ درس میں ہمیشہ حاضر ہوتے رہے خود انکا بیان ہے کہ میں دس برس تک حماد کے حلقۂ درس میں حاضر ہوتا رہا پھر خیال ہوا کہ اب خود درس و تعلیم کا سلسلہ قائم کروں لیکن استاد کا ادب مانع ہوتا تھا اتفاق سے انہیں دنوں حماد کا ایک رشتہ دار جو بصرہ میں رہا کرتا تھا مر گیا۔ حماد کے سوا اور کوئی اس کا وارث نہ تھا اس ضرورت سے ان کو بصرہ جانا پڑا چونکہ مجھ کو اپنا جانشین کر گئے تھے تلامذہ اور ارباب حاجت نے میری طرف رجوع کیا بہت سے ایسے مسئلے پیش آئے جن میں استاد سے میں نے کوئی روایت نہیں سنی تھی اس لئے اپنے اجتہاد سے جواب دیے اور احتیاط کیلئے ایک یادداشت لکھتا گیا۔

دو مہینے کے بعد حماد بصرہ سے واپس آئے تو انہوں نے وہ یادداشت پیش کی کل ساٹھ مسئلے تھے انہیں سے بیس میں غلطیاں نکالیں باقی کی نسبت فرمایا کہ تمہارے جواب صحیح ہیں میں نے عہد کیا کہ حماد جب تک زندہ ہیں انکی شاگردی کا تعلق کبھی نہ چھوڑونگا۔ حماد نے سنہ ۱۲۰ھ میں انتقال کیا۔ امام ابو حنیفہؒ نے اگرچہ حماد کے سوا اور بزرگوں کی خدمت میں بھی فقہ کی تحصیل کی لیکن کچھ شبہ نہیں کہ اس فن خاص وہ حماد ہی کے تربیت یافتہ ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ حد سے زیادہ اُن کی تعظیم کرتے تھے۔

حدیث کی تحصیل

حماد کے زمانہ میں ہی امام نے حدیث کی طرف توجہ کی کیونکہ مسائل فقہ کی مجتہدانہ تحقیق جو امام کو مطلوب تھی حدیث کی تکمیل کے بغیر ممکن نہ تھی۔ اُسوقت تمام ممالک اسلامیہ میں بڑے زور شور سے حدیث کا درس جاری تھا اور ہر جگہ سند اور روایت کے دفتر کھلے ہوئے تھے صحابہ جنکی تعداد کم از کم دس ہزار ہے تمام ممالک میں پہنچ گئے تھے اور ان کی وجہ سے اسناد و روایت کا ایک عظیم الشان سلسلہ قائم ہو گیا تھا۔ لوگ جہاں کسی صحابی کا نام سن پاتے تھے ہر طرف سے ٹوٹ پڑتے تھے کہ چلکر رسول اللہ کے حالات سنیں یا مسائل شرعیہ کی تحقیق کریں اس طرح تابعین کا جو صحابہ کے شاگرد کہلاتے تھے بیشمار گروہ پیدا ہو گیا تھا جنکے سلسلہ تمام ممالک اسلامیہ میں پھیل گئے تھے جن شہروں میں صحابہ یا تابعین کا زیادہ مجمع تھا وہ دارالعلوم کے لقب سے ممتاز تھے انمیں مکہ معظمہ مدینہ منورہ میں بصرہ کوفہ کو خاص امتیاز تھا کیونکہ اسلامی آثار کے لحاظ سے کوئی شہر ان مقامات کا ہمسر نہ تھا

کوفہ

کوفہ جو امام ابو حنیفہ کا مولد و مسکن تھا اسلام کی وسعت و تمدن کا گویا دیباچہ تھا اہل عرب کی روز افزوں ترقی کے لئے عرب کی مختصر آبادی کافی نہ تھی۔ اِس ضرورت سے حضرت عمر نے سعد بن ابی وقاص کو جو اُس وقت حکومت کسریٰ کا خاتمہ کر کے مدائن میں اقامت گزیں تھے خط لکھا کہ مسلمانوں کے لئے ایک شہر بساؤ جو اُن کا دارالہجرت اور قرارگاہ ہو سعد نے کوفہ کی زمین پسند کی سنہ ۱۷ھ میں اُسکی بنیاد کا پتھر رکھا گیا اور معمولی سادہ وضع کی عمارتیں تیار ہوئیں اُسی وقت عرب کے قبائل ہر طرف سے آ آ کر آباد ہونے شروع ہوئے یہانتک کہ تھوڑے دنوں میں وہ عرب کا ایک خطہ بنگیا حضرت عمرؓ نے یمن کے بارہ ہزار اور نزار کے آٹھ ہزار آدمیوں کیلئے جو وہاں جاکر آباد ہوئے تھے روز مقرر کر دئیے چند روز میں جمعیت کے اعتبار سے کوفہ نے وہ حالت پیدا کی کہ جناب فاروقؓ کوفہ کو رمح اللہ کنز الایمان ؒ جمجمۃ العرب یعنی خدا کا علم۔ ایمان کا خزانہ۔ عرب کا سر فرمایا کرتے تھے اور خط لکھتے تو اِس عنوان سے لکھتے " الی راس الاسلام الی راس العرب" حضرت علیؓ نے اِس شہر کو دارالخلافہ قرار دیا صحابہ میں سے ایک ہزار پچاس شخص جن میں چوبیس وہ بزرگ تھے جو غزوۂ بدر میں رسول اللہ کے ہمرکاب رہے تھے وہاں گئے اور بہتوں نے سکونت اختیار کر لی ان بزرگوں کی بدولت ہر جگہ حدیث و روایت کے چرچے پھیل گئے تھے اور کوفہ کا ایک ایک گھر حدیث و روایت کا درسگاہ بنگیا تھا۔

۱؎ یہ تمام تفصیل فتوح البلدان بلاذری ذکر آثار کوفہ و معجم البلدان و فتح المغیث صفحہ ۳۸۲ میں مذکور ہے ۱۲

بصرہ بھی اُسی مقدس خلیفہ کے حکم سے آباد ہوا تھا اور وسعت علم اور اشاعت حدیث کے اعتبار سے کوفہ کا ہمسر تھا۔ یہ دونوں شہر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی طرح علوم اسلامی کے دارالعلم خیال کئے جاتے تھے علامہ ذہبی نے اسلام کے دوسرے تیسرے دور میں جن لوگوں کو حاملین حدیث کا لقب دیا ہے اور اُنکے مستقل ترجمے لکھے ہیں اُنہیں اکثر مثلاً مسروق بن الاجدع عبیدہ بن عمر اسود بن زید۔ ابو عمر النخعی۔ ذر بن حبیش ربیع بن خثیم عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ۔ ابو عبدالرحمٰن السلمی۔ شریح بن الحرث شریح بن ہانی۔ ابو وائل شقیق بن سلمہ۔ قیس بن ابی حازم۔ محمد بن سیرین۔ حسن بصری۔ شعبہ بن حجاج۔ قتادہ بن دعامہ انہیں دونوں شہروں کے رہنے والے یا خوشباش تھے[1] سفیان بن عیینہ جو آئمہ حدیث میں شمار کیے جاتے ہیں اکثر فرماتے تھے کہ مناسک کیلئے مکہ قرارت کیلئے مدینہ اور حلال و حرام یعنی فقہ کیلئے کوفہ[2] فقہ میں امام نے زیادہ حماد کا حلقہ درس کافی سمجھا تھا لیکن حدیث میں یہ قناعت ممکن نہ تھی یہاں صرف ہاتف اور اجتہاد سے کام نہیں چل سکتا تھا بلکہ درایت کیساتھ روایت کی بھی ضرورت تھی۔ حدیثیں اُس وقت نہایت پریشان اور غیر مرتب تھیں یہانتک کہ بڑے بڑے اساتذہ دو چار حدیثوں سے زیادہ یاد نہیں رکھتے تھے۔ یہ تعداد ضروری مسائل کیلئے بھی کافی نہ تھی۔ اسکے علاوہ طریق روایت میں اس قدر اختلاف پیدا ہوگئے تھے کہ ایک حدیث جب تک متعدد طریقوں سے نہ معلوم ہو اُس کے مفہوم و تعبیر کا ٹھیک ٹھیک متعین ہونا دشوار تھا امام ابو حنیفہ کو حماد کی صحبت اور پختگی عمر نے ان ضرورتوں سے اچھی طرح واقف کر دیا تھا اس لئے نہایت سعی اور اہتمام سے حدیثوں کے بہم پہنچانے پر توجہ کی۔ تقریباً کوفہ میں کوئی ایسا محدث باقی نہ تھا جس کے سامنے امام صاحب نے زانوئے شاگردی طے نہ کیا ہو اور حدیثیں نہ سیکھی ہوں ابوالمحاسن شافعی نے جہاں اُنکے شیوخ حدیث کے نام گنائے ہیں ترانوے شخصوں کی نسبت لکھا ہے کہ کوفہ کے رہنے والے نزیل تھے تہذیب التہذیب۔ تہذیب الاسماء و تذکرۃ الحفاظ وغیرہ میں اگرچہ جیسا کہ ان کتابوں کا عام طریقہ ہی امام کے شیوخ کا استقصا نہیں کیا ہے تاہم انہیں کتابوں کی تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ایک گروہ کثیر سے روایت کی جن میں ۲۹ شخص خاص کوفہ کے رہنے والے تھے اور ان میں اکثر تابعی تھے شیوخ کوفہ میں خاصکر امام شعبی سلمہ بن کہیل۔ محارب بن دثار۔ ابو اسحاق سبیعی۔ عون بن عبداللہ سماک بن حرب عمرو بن مرہ منصور بن المعتمر اعمش ابراہیم بن محمد عدی بن ثابت الانصاری عطا بن السائب۔ موسیٰ بن ابی عائشہ علقمہ بن مرثد بہت بڑے محدث اور سند و روایت کے مرجع عام تھے سفیان ثوری اور امام حنبل وغیرہ کا سلسلہ سند اکثر انہیں بزرگوں تک پہنچا ہے۔

امام شعبی وہی بزرگ ہیں جنہوں نے اول اول امام ابو حنیفہ کو تحصیل علم کی رغبت دلائی تھی بہت سے صحابہ سے حدیثیں روایت کی تھیں مشہور ہے کہ پانسو صحابہ کو دیکھا تھا۔ عراق۔ عرب۔ شام میں چار شخص جو اُستاد کامل تسلیم کیے

---

[1] تذکرۃ الحفاظ علامہ ذہبی ۱۲ [2] معجم البلدان ذکر کوفہ ۱۲۔

جانتے تھے اُن میں ایک یہ تھے امام زہری کہا کرتے تھے کہ عالم صرف چار ہیں۔ مدینہ میں ابن المسیب بصرہ میں حسن شام میں مکحول۔ کوفہ میں شعبی حضرت عبداللہ بن عمر نے ان کو ایکبار مغازی کا درس دیتے دیکھا تو فرمایا کہ واللہ یہ شخص اس فن کو مجھ سے اچھا جانتا ہے" ایک مدت تک منصب قضا پر مامور رہے خلفاء اور اعیان دولت اُن کا نہایت احترام کرتے تھے سنہ ۱۰۴ ہجری میں یا سنہ ۱۰۵ ہجری میں وفات پائی۔

سلمہ بن کہیل مشہور محدث اور تابعی تھے۔ جندب بن عبداللہ بن ابی اوفی ابو الطفیل اور اُن کے علاوہ اور بہت سے صحابہ سے حدیثیں روایت کیں ابن سعد نے اُن کو کثیر الحدیث لکھا ہے سفیان بن عیینہ (امام شافعیؒ کے اُستاد) فرماتے تھے کہ سلمہ بن کہیل ایک رکن ہیں ارکان میں سے ابن مہدی کا قول تھا کہ کوفہ میں چار شخص سب سے زیادہ صحیح الروایت تھے منصور سلمہ عمرو بن مرہ۔ ابو حصین۔

ابو اسحٰق سبیعی کبار تابعین سے تھے۔ عبداللہ بن عباس۔ عبداللہ بن عمر۔ ابن زبیر۔ نعمان بن بشیر۔ زید بن ارقم اور بہت سے صحابہ سے جن کے نام علامہ نووی نے تہذیب الاسماء میں بہ تفصیل لکھے ہیں۔ حدیثیں سُنی تھیں عجلی نے کہا ہے کہ ۳۸ صحابہ سے انکو بالمشافہ روایت ہے۔ علی بن المدینی جو امام بخاری کے اُستاد تھے انکا قول ہے کہ ابو اسحٰق کے شیوخ حدیث میں نے شمار کیے تو کم و بیش تین سو تھے۔ حافظ ابن حجر نے تہذیب میں انکا مفصل تذکرہ لکھا ہے۔

سماک بن حرب۔ بہت بڑے تابعی اور محدث تھے۔ امام سفیان ثوری نے لکھا ہے کہ سماک نے کبھی حدیث میں غلطی نہیں کی خود سماک کا بیان ہے کہ میں اسّی صحابہ سے ملا ہوں۔

محارب بن دثار نے عبداللہ بن عمر اور جابر وغیرہ سے روایت کی امام سفیان ثوری کہا کرتے تھے کہ میں نے کسی زاہد کو نہیں دیکھا جس کو محارب پر ترجیح دوں۔ علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ محارب عموماً حجت ہیں امام احمد بن معین ابو زرعہ۔ دار قطنی۔ ابو حاتم یعقوب بن سفیان۔ نسائی نے انکو ثقہ تسلیم کیا ہے۔ کوفہ میں منصب قضا پر مامور تھے سنہ ۱۱۶ھ میں وفات پائی

عون بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود حضرت ابو ہریرہ اور عبداللہ بن عمر سے حدیثیں روایت کیں نہایت ثقہ اور پرہیزگار تھے۔

ہشام بن عروہ معزز و مشہور تابعی تھے بہت سے صحابہ سے حدیثیں روایت کیں بڑے بڑے آئمہ حدیث مثلاً۔ سفیان ثوری۔ امام مالک۔ سفیان بن عیینہ اُنکے شاگرد تھے ابو جعفر منصور کے زمانہ میں کوفہ گئے اہل کوفہ نے اسی زمانہ میں اُنسے حدیثیں روایت کیں خلیفہ منصور ان کا نہایت احترام کرتا تھا ایکبار لاکھ درہم اُن کو عطا کیے اُنکے جنازہ کی نماز بھی منصور نے ہی پڑھائی تھی ابن سعد نے لکھا ہے کہ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے ابو حاتم نے اُن کو امام حدیث لکھا ہے۔

سلیمان بن مہران معروف باعمش۔ کوفہ کے مشہور امام تھے صحابہ میں سے انس بن مالک سے ملے تھے اور عبداللہ بن ابی اوفی سے حدیث سُنی تھی سفیان ثوری و شعبہ اُنکے شاگرد تھے۔ امام کی تحصیل حدیث کا دوسرا

مدرسہ بصرہ تھا جو امام حسن بصری۔ شعبہ، قتادہ کے فیض تعلیم سے مالامال تھا تعجب ہے کہ حسن بصری باوجودیکہ سنہ ۱۱۰ھ تک زندہ رہے لیکن امام ابوحنیفہ کا اُن کے درس سے مستفید ہونا ثابت نہیں ہوتا البتہ قتادہ کی شاگردی کا ذکر عام محدثین نے کیا ہے اور عقود الجمان کے مختلف مقامات سے معلوم ہوتا ہے کہ امام نے شعبہ سے حدیث روایت کی اور انہوں نے اپنے سامنے ہی فتوی وروایت کی اجازت بھی دے دی تھی۔

قتادہ بہت بڑے محدث اور مشہور تابعی تھے حضرت انس بن مالک و عبداللہ بن سرجس و ابوالطفیل اور دیگر صحابہ سے حدیثیں روایت کیں حضرت انس کے دو شاگرد جو نہایت نامور ہیں ان میں ایک یہ ہیں اس خصوصیت میں اُن کو نہایت شہرت تھی کہ حدیث کو بعینہٖ ادا کرتے تھے۔ یعنی الفاظ و معنی میں بالکل فرق نہیں ہوتا تھا ان کے قوت حافظہ کی ایک عجیب مثال لکھی ہے عمرو بن عبداللہ کا بیان ہے کہ یہ مدینہ میں سعید بن المسیب سے فقہ و حدیث پڑھتے تھے ایک دن انہوں نے فرمایا کہ تم ہر روز بہت سی باتیں پوچھتے ہو تمکو اُن میں سے کچھ یاد بھی ہیں انہوں نے کہا ایک ایک حرف محفوظ ہے چنانچہ جسقدر ان سے سنا تھا بقید تاریخ اور دن کے بیان کرنا شروع کیا وہ نہایت متعجب ہوئے اور کہا "خدا نے دنیا میں تم جیسے لوگ بھی پیدا کئے ہیں"۔ اسی بنا پر لوگ انکو احفظ الناس کہا کرتے تھے امام حنبل نے اُن کے فقہ و وقفیت اختلافات و تفسیر دانی کی نہایت مدح کی ہے اور کہا ہے کہ "کوئی شخص ان باتوں میں اُن کی برابر ہو تو ہو مگر اُن سے بڑھ کر نہیں ہو سکتا حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں اُنکا حال تفصیل سے لکھا ہے جس سے اُنکی عظمت و شان کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

شعبہ بھی بڑے رتبہ کے محدث تھے دو ہزار حدیثیں یاد تھیں سفیان ثوری نے فن حدیث میں ان کو امیرالمومنین مانا ہے عراق میں یہ پہلے شخص ہیں جس نے جرح و تعدیل کے مراتب مقرر کئے امام شافعی فرمایا کرتے تھے کہ شعبہ نہوتے تو عراق میں حدیث کا رواج نہوتا سنہ ۱۶۰ھ میں انتقال کیا سفیان ثوری کو اُنکے مرنے کی خبر پہنچی تو کہا "آج فن حدیث بھی مر گیا" شعبہ کو امام ابوحنیفہ کیساتھ ایک خاص ربط تھا غیبت میں اکثر اُنکی ذہانت اور خوبی فہم کی تعریف کرتے ایک بار اُنکا ذکر آیا تو کہا کہ "جس طرح میں جانتا ہوں کہ آفتاب روشن ہے اسی یقین کیساتھ کہہ سکتا ہوں کہ علم اور ابوحنیفہ ہم نشین ہیں" یحیی بن معین سے جو امام بخاری کے اُستاد تھے کسی نے پوچھا کہ آپ ابوحنیفہ کی نسبت کیا خیال رکھتے ہیں فرمایا "اس قدر کافی ہے کہ شعبہ نے انکو حدیث روایت کی اجازت دی اور شعبہ آخر شعبہ ہی ہیں" اور شیوخ جن سے امام ابوحنیفہ نے حدیثیں روایت کیں ان میں عبدالکریم بن امیہ اور عاصم بن سلیمان الاحول زیادہ ممتاز ہیں۔

امام ابوحنیفہ کو اگرچہ ان درسگاہوں سے بڑا ذخیرہ ہاتھ آیا تاہم تکمیل کی سند حاصل کرنیکے لئے حرمین جانا ضرور تھا جو علوم مذہبی کے اصلی مرکز تھے۔ تاریخوں سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ امام کا پہلا سفر کس سنہ میں واقع ہوا تھا تاہم ظن غالب ہے

له عقود الجمان باب دہم ۱۲

کہ جب انہوں نے حرمین کا سفر کیا تو تحصیل کا آغاز تھا مورخ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ وکیع نے خود امام ابو حنیفہ سے روایت کی ہے کہ حج میں ایک حجام نے جس سے میں نے بال منڈوائے تھے کئی باتوں میں مجھ پر گرفت کی میں نے اجرت پوچھی تو بولا مناسک چکائے نہیں جاتے" میں چپ ہو کر اصلاح بنوانے لگا اُس نے پھر ٹوکا کہ "حج میں چپکا نہیں بیٹھا کرتے تکبیر کہے جاؤ" حجامت سے فارغ ہو کر میں گھر چلا تو اُس نے کہا "پہلے دو رکعت نماز پڑھ لو پھر کہیں جانا" میں نے متعجب ہو کر پوچھا یہ مسائل تم نے کہاں سے سیکھے۔ بولا عطا بن ابی رباح کا فیض ہے اس واقعہ سے زیادہ تر یہی قیاس ہو سکتا ہے کہ ابتدائی زمانہ تھا
جس زمانہ میں امام ابو حنیفہ مکہ معظمہ پہنچے درس و تدریس کا نہایت زور تھا۔ متعدد اساتذہ کہ جو فن حدیث میں کمال رکھتے تھے اور اکثر صحابہ کی خدمت سے مستفید ہوئے تھے الگ الگ درسگاہ قائم تھیں انہیں عطا بن ابی رباح کا حلقہ سب سے زیادہ وسیع اور مستند تھا عطا مشہور تابعی تھے اکثر صحابہ کی خدمت میں رہے تھے اور اُن کے فیض صحبت سے اجتہاد کا رتبہ حاصل کیا تھا حضرت عبد اللہ بن عباس ابن عمر۔ ابن زبیر اسامہ بن زید۔ جابر بن عبد اللہ۔ زید بن ارقم عبد اللہ بن سائب عقیل۔ رافع ابو درداء۔ ابو ہریرہ۔ اور بہت سے صحابہ سے حدیثیں سنی تھیں۔ خود اُن کا بیان ہے کہ میں دو سو بزرگوں سے ملا ہوں جنکو رسول اللہ کی صحبت کا شرف حاصل تھا" مجتہدین صحابہ اُنکے علم و فضل کے معترف تھے عبد اللہ بن عمر جو حضرت فاروق کے فرزند رشید اور صاحب افتا تھے اکثر فرماتے تھے کہ عطا بن رباح کے ہوتے لوگ میرے پاس کیوں آتے ہیں۔ حج کے زمانہ میں ہمیشہ سلطنت کیطرف سے ایک منادی مقرر ہوتا تھا کہ عطاء کے سوا کوئی شخص فتوا دینے کا مجاز نہیں ہے بڑے بڑے ائمہ حدیث مثلاً امام اوزاعی زہری عمرو بن دینار انہیں کے حلقہ درس سے نکلکر اُستاد کہلائے۔

امام ابو حنیفہ استفادہ کی غرض سے اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اُنہوں نے احتیاط کے لحاظ سے عقیدہ پوچھا امام نے کہا "میں اسلاف کو بُرا نہیں کہتا گنہگار کو کافر نہیں سمجھتا۔ قضا و قدر کا قائل ہوں" عطا نے اجازت دی کہ حلقہ درس میں شامل ہوا کریں۔ روز بروز اُنکی ذہانت و طباعی کے جوہر ظاہر ہوتے گئے اور اس کے ساتھ اُستاد کی نظر میں اُن کا وقار بھی بڑھتا گیا۔ یہانتک کہ جب حلقہ درس میں جاتے تو عطا اوروں کو ہٹا کر اُنکو اپنے پہلو میں جگہ دیتے عطا ۱۱۵ھ تک زندہ رہے اس مدت میں امام ابو حنیفہ کو جب مکہ معظمہ جانیکا اتفاق ہوتا تو اُنکی خدمتمیں اکثر حاضر رہتے اور مستفید ہوتے

عطاء کے سوا مکہ معظمہ کے اور محدثین سے بھی امام نے حدیث کی سند لی اُنہیں سے عکرمہ کا ذکر خصوصیت کیساتھ کیا جا سکتا ہے عکرمہ حضرت عبد اللہ بن عباس کے غلام اور شاگرد تھے انہوں نے نہایت توجہ اور کوشش سے اُنکی تعلیم و تربیت کی تھی یہانتک کہ اپنی زندگی ہی میں اجتہاد و فتوی کا مجاز کر دیا تھا۔ عکرمہ نے اور بہت سے صحابہ مثلاً حضرت علی۔ ابو ہریرہ۔ عبد اللہ بن عمر۔ عقبہ بن عمر۔ صفوان۔ جابر۔ ابو قتادہ سے حدیثیں سیکھی تھیں۔ اور فقہی مسائل تحقیق کئے تھے کم و بیش

عطا بن ابی رباح

عکرمہ

[1] تاریخ ابن خلکان ترجمہ عطا بن ابی رباح ۱۲ [2] ابن خلکان اور کتب رجال میں اُنکے حالات پڑھو ۱۲ [3] مختصر تاریخ بغداد لابن جزلہ ۱۲ [4] عقود الجمان باب ۔۔۔ ۱۲ ۔ باب ۔۔۔ ۱۲

مشہور تابعین حدیث و تفسیر میں اُن کے شاگرد ہیں۔ امام شعبی کہا کرتے تھے کہ قرآن جاننے والا عکرمہ سے بڑھکر نہیں رہا سعید بن جبیر کہ تابعین کے سردار تھے اُنسے ایک شخص نے پوچھا کہ دنیا میں آپ سے بڑھکر بھی کوئی عالم ہو فرمایا ہاں۔ عکرمہ۔

اسی سال میں یعنی ۱۲۰ھ سے پہلے امام ابوحنیفہ نے مدینہ کا قصد کیا کہ حدیث کا مخزن اور نبوت کا اخیر قرارگاہ تھا۔ صحابہ کے بعد تابعین کے گروہ میں سے سات شخص علم فقہ و حدیث کے مرجع بنگئے تھے اور مسائل شرعیہ میں عموماً انکی طرف رجوع کیا جاتا تھا ان لوگوں نے بڑے بڑے صحابہ کرام سے فیض میں تعلیم پائی تھی اور یہ مرتبہ حاصل کیا تھا کہ تمام ممالک اسلامی میں واسطہ و بواسطہ اُنکے درس کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ یہ لوگ ہمعصر تھے اور ایک مشترکہ مجلس افتاد کے ذریعہ سے تمام شرعی مسائل کا فیصلہ کرتے تھے مدینہ کی فقہ جس کی تدوین امام مالکؒ نے کی اُسکی بنیاد زیادہ تر اُنہی کے فتووں پر ہے۔

فقہائے سبعہ

امام ابوحنیفہ جب مدینہ پہنچے تو ان بزرگوں میں سے صرف دو شخص زندہ تھے سلیمانؒ و سالمؒ بن عبداللہ سلیمان حضرت میمونہؓ کے جو رسول اللہ کی ازواج مطہرات میں سے تھیں غلام تھے اور فقہائے سبعہ میں فضل و کمال کے لحاظ سے اُن کا دوسرا نمبر تھا۔ سالم حضرت فاروق کے پوتے تھے اور اپنے والد بزرگوار سے تعلیم پائی تھی۔ امام ابوحنیفہ دونوں بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُن سے حدیثیں روایت کیں۔

امام ابوحنیفہؒ کی طالب العلمی کی مسافت اگرچہ مدینہ تک محدود ہے تاہم تعلیم کا سلسلہ اخیر زندگی تک قائم رہا اکثر حرمین جاتے اور مہینوں قیام کرتے۔ حج کی تقریب میں ممالک اسلامی کے ہر گوشہ سے بڑے بڑے اہل کمال مکہ آکر جمع ہو جاتے تھے جنکا مقصد حج کے ساتھ افادہ و استفادہ بھی ہوتا تھا امام صاحب اکثر اُن لوگوں سے ملتے اور مستفید ہوتے امام اوزاعی اور مکحول شامی کہ شام کے امام المذہب کہلاتے تھے امام ابوحنیفہ نے مکہ ہی میں اُن سے تعارف حاصل کیا اور حدیث کی سند لی یہ وہ زمانہ تھا کہ امام صاحب کی ذہانت اور اجتہاد کی شہرت دور دور پہنچگئی تھی یہانتک کہ ظاہر بینوں نے اُن کو قیاس مشہور کر دیا تھا۔ انہیں دنوں میں عبداللہ بن مبارک نے جو امام ابوحنیفہ کے مشہور شاگرد ہیں

امام اوزاعی

بیروت کا سفر کیا کہ امام اوزاعی سے فن حدیث کی تکمیل کریں پہلی ہی ملاقات میں اوزاعی نے اُن سے پوچھا کہ کوفہ میں ابوحنیفہ کون شخص پیدا ہوا ہے جو دین میں نئی باتیں نکالتا ہے" انہوں نے کچھ جواب نہ دیا اور گھر چلے آئے دو تین دن کے بعد پھر گئے تو کچھ اجزا ساتھ لیتے گئے۔ اوزاعی نے اُنکے ہاتھ سے وہ اجزا لے لئے سرنامہ پر لکھا تھا "قال نعمان بن ثابت" دیر تک غور سے دیکھا کئے۔ پھر عبداللہ سے پوچھا نعمان کون بزرگ ہیں اُنہوں نے کہا عراق کے ایک شیخ ہیں جن کی صحبت میں میں رہا ہوں" فرمایا بڑے پایہ کا شخص ہی عبداللہ نے عرض کی یہ وہی ابو حنیفہ ہیں جن کو آپ مبتدع بتاتے تھے اوزاعی کو اپنی غلطی پر افسوس ہوا حج کی تقریب سے اوزاعی مکہ گئے تو امام ابوحنیفہؒ سے ملاقات ہوئی انہیں مسائل کا ذکر آیا اتفاق سے عبداللہ بن المبارک بھی موجود تھے ان کا بیان ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے اس خوبی سے تقریر کی کہ اوزاعی حیران رہگئے۔ امام ابوحنیفہ کے جانے کے بعد مجھ سے

کہا کہ "اس شخص کے کمال نے اسکو لوگوں کا محسود بنا دیا ہے بیشبہ میری بدگمانی غلط تھی جسکا میں افسوس کرتا ہوں۔" تاریخوں سے ثابت ہے کہ امام ابو حنیفہ فن حدیث میں امام اوزاعی کی شاگردی کی ہے غالباً یہی زمانہ ہوگا۔

امام باقر علیہ السلام کی شاگردی

حضرت امام باقر علیہ السلام کے ساتھ بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا امام ابو حنیفہ دوسری بار مدینہ گئے تو امام موصوف کی خدمت میں حاضر ہوئے اُنکے ایک ساتھی نے پہچنوایا کہ یہ امام ابو حنیفہ ہیں اُنہوں نے ابو حنیفہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ "ہاں تمہیں قیاس کی بنا پر ہمارے دادا کی حدیثوں کی مخالفت کرتے ہو" اُنہوں نے نہایت ادب سے کہا "مَعَاذَ اللہ حدیث کی کون مخالفت کرسکتا ہے آپ تشریف رکھیں تو کچھ عرض کروں" پھر حسب ذیل گفتگو ہوئی (ابو حنیفہ) مرد ضعیف ہے یا عورت (امام باقر) عورت (ابو حنیفہ) وراثت میں مرد کا حصہ زیادہ ہے یا عورت کا (امام باقر) مرد کا (ابو حنیفہ) میں قیاس لگاتا تو کہتا کہ عورت کو زیادہ حصہ دیا جائے کیونکہ ضعیف کو ظاہر قیاس کی بنا پر زیادہ ملنا چاہیئے۔ پھر پوچھا نماز افضل ہے یا روزہ (امام باقر) نماز (ابو حنیفہ) اس اعتبار سے حائضہ عورت پر نماز کی قضا واجب ہونی چاہیئے نہ روزہ کی۔ حالانکہ میں روزہ ہی کی قضا کا فتویٰ دیتا ہوں۔ امام باقر اسقدر خوش ہوئے کہ اُٹھکر اُنکی پیشانی چوم لی ابو حنیفہ ایک مدت تک استفادہ کی غرض سے اُنکی خدمت میں حاضر رہے اور فقہ و حدیث کے متعلق بہت سی نادر باتیں حاصل کیں شیعہ و سنی دونوں نے مانا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کی معلومات کا بڑا ذخیرہ حضرت ممدوح کا فیض صحبت تھا امام صاحب نے اُنکے فرزند رشید حضرت جعفر صادق علیہ السلام کی فیض صحبت سے بھی بہت کچھ فائدہ اُٹھایا جس کا ذکر عموماً تاریخوں میں پایا جاتا ہے ابن تیمیہ نے اس سے انکار کیا ہے اور اُسکی وجہ یہ خیال کی ہے کہ امام ابو حنیفہ حضرت جعفر صادق کے معاصر اور ہمعصر تھے اسلیئے اُنکی شاگردی کیونکر اختیار کرتے لیکن یہ ابن تیمیہ کی گستاخی اور خیرہ چشمی ہے امام ابو حنیفہ لاکھ مجتہد اور فقیہہ ہوں لیکن فضل و کمال میں اُن کو حضرت جعفر صادق سے کیا نسبت ہے حدیث و فقہ بلکہ تمام مذہبی علوم اہلبیت کے گھر سے نکلے وصاحب البیت ادری بما فیہا یا تو وہ زمانہ تھا کہ امام ابو حنیفہ نے ایک طالب علم کی حیثیت سے حرمین کا سفر کیا تھا یا اب یہ نوبت پہنچی کہ سفر کا قصد کرتے تو تمام اطراف میں شہرہ ہوجاتا کہ فقیہ عراق عرب کو جا رہا ہے جس شہر یا گاؤں میں گذر ہوتا تو ہزاروں آدمیوں کا مجمع ہوجاتا۔ ایک دفعہ مکہ معظمہ گئے تو لوگوں کی وہ کثرت ہوئی کہ مجلس میں تل رکھنے کو جگہ نہ تھی ارباب حدیث و فقہ دونوں فرقہ کے لوگ تھے اور شوق کا یہ عالم تھا کہ ایک پر ایک گرا پڑتا تھا۔ آخر امام صاحب نے تنگ آکر فرمایا "کاش ہمارے میزبان سے جاکر کوئی کہتا کہ اس ہجوم کا انتظام کرتے" ابو عاصم نبیل حاضر تھے عرض کی کہ میں جاتا ہوں۔ لیکن چند مسئلے دریافت کرنے رہ گئے ہیں۔ امام نے پاس بلایا اور زیادہ توجہ کیساتھ اُن کی باتیں سنیں۔ اس میں میزبان کا خیال جاتا رہا۔ ابو عاصم سے فارغ ہو کر ایک اور طالب العلم کی طرف متوجہ

---

[1] عقود الجمان باب شانزدہم ۱۲۔

ہوئے اور پھر وہی سلسلہ قائم ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد خیال آیا تو فرمایا کسی شخص نے میزبان کے پاس جانیکا اقرار کیا تھا وہ کہاں گیا۔ ابو عاصم بولے میں نے عرض کیا تھا۔ فرمایا پھر تم گئے نہیں؟ ابو عاصم نے مناظرانہ شوخی سے کہا "میں نے تو یہ نہیں کہا تھا کہ ابھی جاتا ہوں۔ جب فرصت ہوگی جاؤنگا" امام نے فرمایا "عام بول چال میں ان احتمالات کا موقع نہیں۔ ان لفظوں کے معنی ہمیشہ وہی لئے جائیں گے جو عوام کی غرض ہوتی ہے"[1] ایک اعتبار سے یہ بھی ایک فقہی مسئلہ تھا جس کو امام صاحب نے باتوں باتوں میں حل کر دیا۔

امام صاحب کے اساتذہ انکی نہایت عزت کرتے تھے۔

امام صاحب کے اساتذہ اُن کا اِسقدر ادب، و احترام کرتے تھے کہ لوگوں کو تعجب ہوتا تھا۔ محمد بن الفضل کا بیان ہے کہ ایک دفعہ امام ابو حنیفہ ایک حدیث کی تحقیق کیلئے خصیب کے پاس گئے میں بھی ساتھ تھا خصیب نے اُن کو آتے دیکھا تو اُٹھ کھڑے ہوئے اور نہایت تعظیم کے ساتھ لا کر اپنے برابر بٹھایا۔ امام صاحب نے پوچھا کہ "بیضۂ نعام کے بارے میں کیا حدیث آئی ہے" خصیب نے کہا۔ اخبرنی ابوعبیدۃ عن عبداللہ ابن مسعود فی بیضۃ النعام یصیبہا المحرم ان فیہ قیمتہ" عمرو بن دینار جو کہ مشہور محدث تھے ابو حنیفہ کے ہوتے حلقۂ درس میں اور کسی کی طرف خطاب نہیں کرتے تھی اس عظمت کیساتھ امام صاحب کو طلب علم میں کسی سے عار نہ تھی۔

امام کی صحبت

امام مالک عمر میں انسے تیرہ برس کم تھے اُن کے حلقۂ درس میں بھی اکثر حاضر ہوئے اور حدیثیں سنیں۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ "امام مالک کے سامنے ابو حنیفہ اس طرح مودب بیٹھتے تھے جسطرح شاگرد استاد کے سامنے بیٹھتا ہے" اُس کو بعض کوتاہ بینوں نے امام کی کسر شان پر محمول کیا ہے۔ لیکن ہم اس کو علم کی قدر شناسی اور شرافت کا تمغہ سمجھتے ہیں امام مالک بھی اُن کا نہایت احترام کرتے تھے عبداللہ بن المبارک کی زبانی منقول ہے کہ میں امام مالک کی خدمت میں حاضر تھا ایک بزرگ آئے جنکی انہوں نے نہایت تعظیم کی اور اپنے برابر بٹھایا اُن کے جانے کے بعد فرمایا جانتے ہو یہ کون شخص تھا "یہ ابو حنیفہ عراقی تھے جو اس ستون کو سونے کا ثابت کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں" ذرا دیر کے بعد ایک اور بزرگ آئے امام مالک نے اُنکی بھی تعظیم کی لیکن نہ اس قدر جتنی ابو حنیفہ کی تھی وہ اُٹھ گئے تو لوگوں سے کہا یہ سفیان ثوری تھے۔

تعلیم حدیث کے مختلف طریقے

حجاز و عراق کے ائمہ فن روایت کیمتعلق جدا جدا اصول رکھتے تھے طرز تعلیم بھی مختلف تھا۔ بعضوں کے نزدیک لکھنے کا زیادہ اعتبار تھا۔ بعض مثلاً ابراہیم نخعی صرف حافظہ سند سمجھتے تھے اکثروں نے اس بات کو جائز رکھا تھا کہ مطلب میں فرق نہ آئے تو روایت میں حدیث کا ایک ٹکڑا چھوڑ دیا جا سکتا ہے بعض اس کے بالکل خلاف تھے ایک فریق کہتا تھا کہ راوی جبتک سامنے نہ ہو اُس سے روایت نہیں کیجا سکتی۔ شعبہ جو امام صاحب کے اُستاد تھے اُن کا یہی مذہب تھا۔ دوسرا گروہ پردہ کی اوٹ سے تحریر کی بنا پر روایت کرنیکو جائز سمجھتا تھا۔ امام زہری کی عادت تھی کہ روایت کے ساتھ الفاظ و مطالب کی تفسیر بھی کرتے جاتے تھے۔ بعض لوگ اس کے سخت مخالف تھے

---

[1] الجواہر المضیئہ۔ باب الکنی ترجمہ ابوعاصم النبیل ۱۲

یہاں تک کہ ایک شخص نے خود زہری کو ٹوکا کہ حدیث نبوی میں آپ اپنے الفاظ نہ ملائیں[1] امام مالک کو یہ طریقہ زیادہ پسند تھا کہ شاگرد پڑھیں اور وہ سنتے جائیں۔ بعض اُس کے مخالف تھے یحییٰ بن سلام اتنی بات پر اُنکے حلقہ درس سے ناراض ہوکر اُٹھ آئے کہ وہ خود نہیں پڑھتے شاگردوں سے پڑھواتے ہیں۔ اسیطرح اور بہت سے اختلافات تھے جنکو فتح المغیث میں تفصیل سے ذکر کیا ہے امام ابوحنیفہ کی کثرت شیوخ اور ریزہ چینیوں کا ایک بڑا مقصد یہ تھا کہ ان مختلف اصول سے آگاہ ہوں تاکہ سب کے مقابلہ سے خود ایک مستقل اور صحیح ہوئی لائے قائم کرسکیں امام موصوف نے اصول میں جو اصلاحیں کی ہیں اُن کا بیان آگے آئیگا۔

طریقہ تعلیم کی ترقی

امام کی یہ بڑی خوش قسمتی تھی کہ اُنکی آغاز تحصیل ہی میں حدیث کی تعلیم کا طریقہ مرتب اور باقاعدہ ہو چلا تھا۔ اس سے پہلے عموماً زبانی روایت کا رواج تھا بعض ائمہ حدیث کتابت کو قریباً ناجائز سمجھتے تھے حضرت عمر بن عبد العزیز نے تقریباً ۱۰۱ھ میں اہل مدینہ کو خط لکھا جسکے الفاظ یہ تھے انظروا ما کان من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاکتبوہ فانی خشیت دروس العلم وذھاب العلماء یعنی رسول اللہ کی جسقدر حدیثیں ہیں قلمبند کرلی جائیں ورنہ ضائع ہونیکا ڈر ہے اور شہروں میں بھی اسی مضمون کے فرامین بھیجے۔ چنانچہ مدینہ میں امام زہری نے ایک مجموعہ مرتب کیا جسکی نقلیں سلطنت کی طرف سے تمام ممالک اسلامی میں شایع ہوگئیں[2] اُسوقت سے تدوین کا عام رواج ہو گیا اور جہاں جہاں اہل حدیث تھے اسی طریقہ کو برتنے لگے۔ شعبی (امام ابوحنیفہ کے استاد) کو اگرچہ زبانی روایت پر اصرار تھا تاہم کتاب ساتھ رکھتے تھے طرز تعلیم نے بھی نہایت ترقی کی شیخ مجمع عام میں ایک بلند مقام پر بیٹھتا اور حدیث کا مجموعہ ہاتھ میں ہوتا۔ شاگرد قلم دوات لیکر بیٹھتے اور اُستاد جو کچھ روایت کرتا اُسی کے الفاظ میں لکھتے جاتے۔ شائقین کی زیادہ کثرت ہوتی تو ایک مستملی کھڑا ہوکر وہ الفاظ دور کے بیٹھنے والوں تک پہنچاتا مگر یہ التزام تھا کہ مطلب بالکل جہانتک ممکن ہو الفاظ میں فرق نہ آئے اس ضرورت سے مستملی ہمیشہ ایسا شخص مقرر ہوتا تھا جس کا حافظہ قوی اور معلومات وسیع ہوں اور ساتھ ہی خوش لہجہ اور بلند آواز ہو چنانچہ امام شعبہ کی مجلس حدیث میں آدم بن ابی ایاس اور امام مالک کے حلقہ میں ابن علیۃ اس خدمت پر مامور تھے۔

امام کے شیوخ حدیث بے شمار

امام ابوحنیفہ اس خصوصیت کے ساتھ مشہور ہیں کہ اُن کے شیوخ حدیث بیشمار ہیں۔ ابوحفص کبیر نے دعوی کیا ہے کہ امام نے کم از کم چار ہزار شخصوں سے حدیثیں روایت کی ہیں اگرچہ تاریخ اسلام میں یہ کوئی عجب بات نہیں مسلمانوں نے حدیثوں کے جمع کرنے میں جو محنتیں اور جانفشانیاں کی ہیں دنیا کی اور قومیں اُس کا اندازہ بھی نہیں کرسکتیں ہم متعدد شخصوں کے نام بتا سکتے ہیں جنکے شیوخ حدیث چار ہزار سے کم نہ تھے اور ایسے تو بہت سے گزرے ہیں جن کے اساتذہ ہزار سے زیادہ تھے علامہ سخاوی نے فتح المغیث میں اُن لوگوں کے نام بھی گنائے ہیں

---

[1] فتح المغیث صفحہ ۲۲۹ [2] مقدمہ قسطلانی شرح بخاری مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۱۲۶۔

لیکن انصاف یہ ہی کہ امام ابو حنیفہ کی نسبت یہ دعوی محدثانہ اصول پر ثابت نہیں ہو سکتا البتہ اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ امام نے ایک گروہ کثیر سے روایت کی ہی اور اُس کا خود محدثین کو اعتراف ہی علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں جہاں اُنکے شیوخ حدیث کے نام گنوائے ہیں آخیر میں لکھدیا ہے "وخلق کثیر" حافظ ابو المحاسن شافعی نے عقود الجمان میں تین سو انیس شخصوں کے نام بقید نسب لکھے ہیں اور آخیر میں لکھ دیا ہے کہ میں نے ایک دوسری کتاب میں جسکا نام تحصیل السبیل الی معرفۃ الثقات والمجاہیل ہی اِن لوگوں کے حالات بھی تفصیل لکھے ہیں لیکن چونکہ اُنکی فہرست زیادہ تر فقہا حنفیہ سے ماخوذ ہی ممکن ہے کہ محدثین کو کلیۃً اس سے اتفاق نہو۔

افسوس ہو کہ محدثین نے امام مالک کے حالات میں جو کتابیں لکھی ہیں اور جنہیں اُن کے شیوخ کا پورا پورا استقصا کیا ہی ہماری نظر سے نہیں گذریں رجال کی مستند کتابیں جن میں امام کا ذکر ہے ہمارے سامنے ہیں لیکن اُن میں سینکڑوں ہزاروں آدمیوں کے حالات ہیں اس وجہ سے کسی خاص شخص کیمتعلق پوری تفصیل نہیں ملسکتی مختصر تاریخ بغداد۔ تہذیب الکمال[1]۔ تہذیب الاسماء واللغات۔ تذکرۃ الحفاظ۔ ملخص طبقات الحفاظ۔ تہذیب التہذیب۔ انساب سمعانی۔ موطا امام محمد۔ کتاب الآثار امام محمد کے تتبع سے جسقدر اُنکے شیوخ انتخاب ہو سکتے ہیں اُن کے نام حسب ذیل ہیں۔ اُنمیں سے اکثر کے اجمالی حالات ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ عطا ابن ابی رباح مکی۔ عاصم بن ابی النجود کوفی۔ علقمہ بن مرثد کوفی۔ حکم بن عتیبہ کوفی۔ سلمہ بن کہیل کوفی۔ حضرت امام باقر علیہ السلام مدنی علی بن الاقمر الکوفی۔ زیاد بن علاقہ کوفی۔ سعید بن مسروق کوفی۔ عدی بن ثابت انصاری کوفی۔ عطیہ بن سعید کوفی۔ ابو سفیان سعدی۔ عبد الکریم بن امیہ بصری۔ یحیی بن سعید مدنی۔ ہشام بن عروہ مدنی (التہذیب التہذیب حافظ ابن حجر عسقلانی)۔ ابو اسحق السبیعی کوفی۔ نافع بن عمر مدنی۔ عبد الرحمن بن ہرمز الاعرج المدنی۔ قتادہ بصری عمرو بن دینار المکی۔ محارب بن دثار کوفی۔ ہیثم بن حبیب الصراف کوفی۔ قیس بن مسلم کوفی۔ محمد بن عمر المدنی یزید الفقیر کوفی۔ سماک بن حرب کوفی۔ عبد العزیز بن رفیع المکی۔ مکحول شامی۔ عمرو بن مرۃ الکوفی۔ ابو الزبیر محمد بن مسلم مکی عبد الملک بن عمیر کوفی۔ منصور بن زادان۔ منصور المعتمر۔ عطا بن السائب الثقفی۔ عطا بن ابی مسلم الخراسانی عاصم بن سلیمان الاحول بصری۔ اعمش کوفی عبد اللہ بن عمر بن حفص المدنی امام اوزاعی (طبقات الحفاظ ذہبی از مقامات مختلفہ) ابراہیم بن محمد الکوفی۔ اسمٰعیل بن عبد الملک المکی۔ حارث بن عبد الرحمان المکی خالد بن علقمہ الوداعی ربیعۃ الرائی۔ شداد بن عبد الرحمن بصری۔ شیبان بن عبد الرحمن بصری۔ طاؤس بن کیسان یمنی۔ عبد الرحمن بن دینار المدنی۔ عکرمہ مولی ابن عباس مکی۔ عون بن عبد اللہ کوفی۔ قابوس بن ابی ظبیان کوفی

شیوخ حدیث شمار

[1] اِن کتابوں میں تہذیب الکمال میری نظر سے نہیں گذری مولوی عبد الحی صاحب مرحوم نے التعلیق الممجد میں امام ابو حنیفہ کے شیوخ تہذیب الکمال کے حوالے سے لکھے ہیں میں نے اُن کے حوالے سے لکھے ہیں ۱۲۔

محمد بن السائب الکلبی کوفی ۔ محمد بن مسلم بن شہاب الزہری ۔ ابوسعید مولیٰ ابن عباس (تہذیب کمال) موسیٰ بن ابی عائشہ کوفی صلت بن بہرام ۔ عثمان بن عبداللہ بن حوشب ۔ ہلال ہیثم بن ابی الہیثم حصین بن عبدالرحمان معن بیمون بن سیاہ ۔ جواب التیمی ۔ سالم الافطس یحییٰ بن عمرو بن سلمہ عمرو بن جبیر ۔ علید اللہ بن عمر محمد بن مالک الہمدانی ابوالسوار ۔ خارجہ بن عبداللہ ۔ عبداللہ بن ابی زیاد ۔ حکم بن زیاد ۔ کثیر الاصم ۔ حمید الاعرج ابوالعطوف ۔ عبداللہ بن الحسن سلیمان ۔ الشیبانی ۔ سعید المرزبان ۔ عثمان بن عبداللہ ۔ ابوحجیہ (کتاب الآثار امام محمد)

ہم نے اس قدر نام سرسری طور سے انتخاب کئے ہیں زیادہ چھان بین کرتے تو شاید عقود الجمان کی فہرست کی برابر اترتے لیکن سچ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے لئے کثرت شیوخ اسقدر فخر کا باعث نہیں جتنا کہ انکی احتیاط اور تحقیق ہے وہ اس نکتہ سے خوب واقف تھے کہ روایت میں جسقدر واسطے زیادہ ہوتے ہیں اُسی قدر تغیر و تبدل کا احتمال بڑھتا جاتا ہے ۔ یہی بات ہے کہ اُنکے اساتذہ اکثر تابعین ہیں جنکو رسول اللہ تک صرف ایک واسطہ ہے یا وہ لوگ ہیں جو مدت تک بڑے بڑے تابعین کی صحبت میں رہے تھے اور علم و فضل دیانت و پرہیزگاری کے نمونے خیال کئے جاتے تھے ان دو قسموں کے سوا اگر ہیں تو شاذ ہیں ۔ انکی تعلیم کا طریقہ بھی عام طالبعلموں سے الگ تھا بحث و اجتہاد کی شروع سے عادت تھی اور اسباب میں وہ استادوں کی مخالفت کی بھی کچھ پروا نہ کرتے تھے ایک دفعہ حماد کیساتھ امام اعمش کی مشایعت کو نکلے چلتے چلتے مغرب کا وقت آگیا ۔ وضو کیلئے پانی کی تلاش ہوئی مگر کہیں نہیں ملا حماد نے تیمم کا فتویٰ دیا ۔ امام نے مخالفت کی کہ آخر وقت تک پانی کا انتظار کرنا چاہیئے ۔ اتفاق یہ کہ کچھ دور چلکر پانی ملگیا اور سبنے وضو سے نماز ادا کی کہتے ہیں کہ یہ پہلا موقع تھا کہ استاد سے مخالفت کی ۔ اور غالباً یہ زمانہ تحصیل کا آغاز تھا ۔ امام شعبی اُنکے اُستاد قائل تھے کہ معصیت میں کفارہ نہیں ۔ ایک دفعہ استاد و شاگرد کشتی میں سوار جارہے تھے ۔ اس مسئلہ کا ذکر آیا ۔ انہوں نے کہا ضرور معصیت میں کفارہ ہے کیونکہ خدا نے ظہار میں کفارہ مقرر کیا ہے اور اس آیت میں وانھم لیقولون منکرا من القول وزورا تصریح کر دی ہے کہ ظہار معصیت ہے امام شعبی کچھ جواب نہ دے سکے خفا ہو کر فرمایا اقیاس انت عطا ابن ابی رباح سے کسی نے اس آیت کے معنی پوچھے واٰتینا اھلہ ومثلھم معھم عطا نے کہا خدا نے حضرت ایوب کی آل و اولاد جو مرگئی تھی زندہ کر دی اور اُن کے ساتھ اور بھی پیدا کر دی ۔ امام ابوحنیفہ نے کہا جو شخص کسکی صلب سے نہ پیدا ہوا ہو وہ اُسکی اولاد کیونکر ہو سکتا ہے[2]

امام صاحب کی علمی ترقی کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ اُنکو بڑے بڑے اہل کمال کی صحبتیں میسر آئیں جن شہروں میں اُنکو رہنے کا اتفاق ہوا یعنی کوفہ ۔ بصرہ ۔ مکہ ۔ مدینہ یہ وہ مقامات تھے کہ مذہبی روایتیں وہاں کی ہوا میں سیرایت کر گئی تھیں ۔ علماء سے ملنے اور علمی جلسوں میں شریک ہونے کا شوق امام کے خمیر میں داخل تھا ساتھ ہی انکی شہر

---

[1] عقود الجمان باب ثامن ۱۲ [2] مختصر تاریخ بغداد ترجمہ امام ابوحنیفہ ۱۲

اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ جہاں جاتے تھے استفادہ۔ ملاقات۔ مناظرہ کی غرض سے خود اُن کے پاس ہزاروں آدمیوں کا مجمع رہتا تھا۔

درس وافتا وبقیہ زندگی

اگرچہ حماد کی زندگی ہی میں امام صاحب نے اجتہاد کا درجہ حاصل کر لیا تھا۔ عمر بھی کچھ کم نہ تھی یعنی حماد کی وفات کے وقت کم و بیش چالیس برس کا سن تھا تاہم شاگردانہ خلوص نے یہ گوارہ نہ کیا کہ استاد کے ہوتے اپنا دربار الگ جمائیں اگلے زمانہ میں استاد کے ساتھ جو محبت اور ادب آمیز تعلق ہوتا تھا آج اُس کا اندازہ کرنا بھی مشکل ہے خود امام سے منقول ہے کہ حماد جبتک زندہ رہے میں نے اُن کے مکان کی طرف کبھی پاؤں نہیں پھیلائے حماد نے ۱۲۰ھ میں قضا کی چونکہ ابراہیم نخعی کے بعد فقہ کا دارومدار انہیں پر رہ گیا تھا اُنکی موت نے کوفہ کو بے چراغ کر دیا حماد نے ایک لائق بیٹا چھوڑا تھا لوگوں نے انہیں کو مسند درس پر بٹھایا لیکن وہ لغت اور عربیت کیطرف زیادہ مائل تھے۔ آخر موسیٰ بن کثیر نے کہ حماد کے شاگردوں میں تجربکار اور سن کے لحاظ سے سب سے ممتاز تھے اُن کی جگہ لی۔ وہ اگرچہ فقہ کے پورے ماہر نہ تھے لیکن اکثر بزرگوں کی صحبتیں اٹھائی تھیں اور اسوجہ سے لوگوں پر اُنکا ایک خاص اثر تھا چند روز تک حلقہ درس اُنکی وجہ سے قائم رہا وہ حج کو چلے گئے تو تمام بزرگوں نے متفقاً امام ابوحنیفہ سے درخواست کی کہ مسند درس کو مشرف فرمائیں مختلف حالتوں کا اقتضا دیکھو! یا تو وہ زمانہ تھا کہ جوانی ہی میں اُستادی کی مسند پر بیٹھنے کی آرزو تھی یا اب اور لوگ درخواست کرتے ہیں اور اُن کو اُسکی ذمہ داری کے لحاظ سے انکار ہے تاہم لوگوں کا اصرار غالب آیا اور چاروناچار قبول کرنا پڑا پھر بھی دل مطمئن نہ تھا حافظ ابوالمحاسن نے لکھا ہے کہ انہیں دنوں میں خواب دیکھا کہ پیغمبر خدا کی قبر مبارک کھود رہے ہیں۔ ڈر کر چونک پڑے اور سمجھے کہ میری ناقابلیت کی طرف اشارہ ہے امام ابن سیرین علم تعبیر کے استاد مانے جاتے تھے انہوں نے تعبیر بتائی کہ اس سے ایک مردہ علم کو زندہ کرنا مقصود ہے امام صاحب کو تسکین ہو گئی اور اطمینان کے ساتھ درس میں مشغول ہوئے خواب کا ذکر تمام مورخوں اور محدثوں نے بھی کیا ہے اس لحاظ سے گمان غالب ہے کہ اصل واقعہ صحیح ہو لیکن یہ زمانہ۔ اور ابن سیرین کی تعبیر گوئی محض غلط ہے کیونکہ ابن سیرین اس سے بہت پہلے ۱۱۰ھ میں قضا کر چکے تھے بہرحال امام صاحب نے استقلال کے ساتھ تدریس شروع کی۔ اول اول حماد کے پرانے شاگرد درس میں شریک ہوتے رہے لیکن چند روز میں وہ شہرت ہوئی کہ کوفہ کی اکثر درسگاہیں ٹوٹ کر اُن کے حلقہ میں آملیں نوبت یہاں تک پہنچی کہ خود اُن کے اساتذہ مثلاً مسعر بن کدام اعمش وغیرہ اُن سے استفادہ کرتے تھے اور دوسروں کو ترغیب دلاتے تھے اسپین کے سوا اسلامی دنیا کا کوئی حصہ نہ تھا جو اُن کی شاگردی کے تعلق سے آزاد رہا ہو جن جن مقامات کے رہنے والے اُن کی خدمت میں پہنچے اُن سب کا شمار نہیں ہو سکتا لیکن جن اضلاع یا ممالک کا نام خصوصیت کے ساتھ لیا گیا ہے وہ یہ ہیں۔ مکہ۔ مدینہ دمشق۔ بصرہ واسطہ موصل جزیرہ

رقہ۔ نقیبین۔ رملہ۔ مصر۔ یمن۔ یمامہ۔ بحرین۔ بغداد۔ اہواز۔ کرمان۔ اصفہان۔ حلوان۔ استرآباد۔ ہمدان۔ نہاوند۔ رے۔ قومس۔ دامغان۔ طبرستان۔ جرجان۔ نیشاپور۔ سرخس۔ نسار۔ بخارا۔ سمرقند۔ کس۔ صغانیان۔ ترمذ۔ ہرات۔ ہنستار۔ الزم۔ خوارزم۔ سیستان۔ مدائن۔ مصیصہ۔ حمص[1] مختصر یہ کہ اُنکی اُستادی کے حدود خلیفۂ وقت کی حدود مملکت کے برابر تھے۔

سلطنت کی وسعت

رفتہ رفتہ عراق میں اُن کا ملکی اثر قائم ہوگیا۔ یہاں تک کہ ملک میں جو انقلابات ہوتے تھے لوگوں کو اُن کی شرکت کا عموماً گمان ہوتا تھا۔ شاہ عبدالعزیز صاحب نے تحفہ میں لکھا ہی کہ زید بن علی نے بنوامیہ کے عہد میں جو بغاوت کی تھی امام صاحب بھی اُس میں شریک تھے" نامہ دانشوران کے مولفوں نے بھی ایسا ہی گمان کیا لیکن ہم اسپر یقین نہیں کرسکتے جسقدر تاریخیں اور رجال کی کتابیں ہمارے سامنے ہیں اِن میں کہیں اس کا ذکر نہیں حالانکہ اگر ایسا ہوتا تو ایک قابل ذکر واقعہ تھا۔ زید بن علی نے سلا۱۲ھ میں بغاوت کی تھی اُسوقت ہشام بن عبدالملک تخت خلافت پر متمکن تھا ہشام اگرچہ کفایت شعار اور بعض امور میں نہایت جزرس تھا لیکن اُس کی سلطنت نہایت امن و امان کی سلطنت تھی ملک میں ہر طرف امن و امان کا سکہ بیٹھا ہوا تھا رعایا عموماً رضامند تھی بیت المال میں ناجائز آمدنیاں داخل نہیں ہوسکتی تھیں اس حالت میں امام ابوحنیفہ کو مخالفت کی کوئی وجہ تھی زید بن علی سادات میں ایک صاحب ادعا شخص تھے۔ بے شبہہ اُن کو بغاوت کرنی ضروری تھی کیونکہ بخیال اُنکے خلافت اُن کا خاص حق تھا غالباً اس غلط فہمی کا منشا یہ ہی کہ امام ابوحنیفہ کا خاندان اہلبیت کیساتھ ایک خاص ارادت رکھتا تھا امام صاحب نے ایک مدت تک امام باقر کے دامن فیض میں تربیت پائی تھی۔ کوفہ کی ہوا میں ایک مدت تک شیعیت کا اثر تھا ان اتفاقی واقعات نے امام ابوحنیفہ کی نسبت یہ گمان پیدا کردیا ورنہ تاریخی شہادتیں بالکل اس کے خلاف ہیں ہشام نے ۱۲۵ھ میں وفات کی اس کے بعد ولید بن یزید۔ یزید الناقص۔ ابراہیم بن الولید۔ مروان الحمار یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے۔ عباسی خلافت کی سلسلہ جنبانی جو ایک مدت سے ہو رہی تھی۔ مروان کے عہد میں نہایت قوت پکڑ گئی۔ ابومسلم خراسانی نے تمام ملک میں سازشوں کا جال پھیلا دیا اور مروانی حکومت کی جڑ ہلا دی چونکہ زیادہ تر فساد کا مرکز عراق اور عراق میں بھی خاص کوفہ تھا مروان نے یزید بن عمرو بن ہبیرہ کو وہاں کا گورنر مقرر کیا جو نہایت مدبر۔ دلیر۔ فیاض خاندانی اور صاحب اثر شخص تھا۔ یزید نے حکومت مروانی کی ترکیب کو غور سے دیکھا تھا وہ سمجھ چکا تھا کہ اس کل میں اور سب کچھ ہی لیکن مذہبی پرزے نہیں ہیں اس بنا پر اُس نے چاہا کہ ایوان حکومت مذہبی ستونوں پر قائم کیا جائے۔ عراق کے تمام فقہا کو جنمیں قاضی بن ابی لیلیٰ ابن شبرمہ داؤد بن ہند بھی شامل تھے بلاکر بڑی بڑی ملکی خدمتیں دیں امام صاحب کو میر منشی اور افسر خزانہ مقرر کرنا چاہا انھوں نے صاف انکار کیا یزید نے قسم کھاکر کہا کہ جبراً منظور کرنا ہوگا۔ اِن کے ہم صحبت بزرگوں نے بھی سمجھایا مگر یہ اپنے انکار پر قائم رہے اور کہا کہ اگر

زید بن علی کے خروج میں امام صاحب شریک نہ تھے۔

---

[1] عقود الجمان باب عاشر ۱۲

یزید سے کہے کہ مسجد کے دروازے گن دو تو بھی مجھکو گوارہ نہیں نہ کہ وہ کسی مسلمان کے قتل کا فرمان لکھے اور میں اُسپر مہر کروں یزید نے غصہ میں آکر حکم دیا کہ ہر روز اُن کو دس دُرّے لگائیں جائیں۔ اِس ظالمانہ حکم کی تعمیل ہوئی تاہم وہ اپنی ضد سے باز نہ آئے آخر مجبور ہو کر یزید نے چھوڑ دیا۔ ایک روایت میں ہے کہ اُسی وقت مکہ معظمہ روانہ ہوئے اور ۶۳ھ تک وہیں رہے ابن قتیبہ وغیرہ نے لکھا ہی کہ یہ جھگڑا قضا کے قبول کرنے پر تھا ممکن ہی کہ یہ عہدہ بھی اُنکے لئے تجویز ہوا ہو اور انہوں نے اِس سے بھی انکار کیا ہو۔ ۱۳۲ھ میں سلطنت اسلام نے دوسرا پہلو بدلا یعنی بنو امیہ کا خاتمہ ہو گیا اور آل عباس تاج و تخت کے مالک ہوئے اِس خاندان کا پہلا فرمانروا ابو العباس سفاح تھا اُس نے چار برس کی حکومت کے بعد ۱۳۶ھ میں قضا کی سفاح کے بعد اُس کا بھائی منصور تخت نشین ہوا۔ عباسیوں نے گو اموی خاندان کو بالکل تباہ کر دیا تھا یہانتک کہ خلفائے بنی اُمیہ کی قبریں اُکھڑا کر اُنکی ہڈیاں تک جلا دیں تاہم چونکہ نئی نئی سلطنت تھی اور انتظام کا سکہ نہیں بیٹھا تھا جابجا بغاوتیں اُٹھیں۔ ان فتنوں کے فرد کرنے میں سفاح و منصور اعتدال کی حد سے بہت دور نکل گئے اور وہ زیادتیاں کیں کہ مروانی حکومت کا نقشہ آنکھوں میں پھر گیا تمام ملک کی آنکھیں ان نئے جانشینوں پر لگی تھیں لیکن ان خون ریزیوں نے سبکے دل افسردہ کر دئے چنانچہ ایک موقعہ پر منصور نے عبد الرحمان سے جو اسکا بچپن کا یار تھا پوچھا کہ ہماری سلطنت کو مروان کی سلطنت سے کیا نسبت ہی" اُس نے کہا کہ میرے نزدیک تو کچھ فرق نہیں۔ منصور نے کہا کیا کروں کام کے آدمی نہیں ملتے عبد الرحمن نے کہا "بازار میں جس جنس کی مانگ ہوتی ہی کثرت بھی اُسی کی ہوتی ہے اور بے رحمیاں تو تھی ہیں منصور نے یہ ستم کیا کہ سادات کی خانہ بربادی شروع کی اِس میں شبہہ نہیں کہ سادات ایک مدت سے خلافت کا خیال پکار ہی تھیں اور ایک لحاظ سے اُن کا حق بھی تھا تاہم سفاح کی وفات تک اُن کی کوئی سازش ظاہر ہوئی تھی صرف بدگمانی پر منصور نے سادات و علویین کی بیخ کنی شروع کی جو لوگ اُن میں ممتاز تھے اُن کیساتھ نیا دہ بیرحمیاں کیں محمد بن ابراہیم کہ حسن و جمال میں یگانۂ روزگار تھے اور اِس وجہ سے دیباج کہلاتے تھے اُنکو زندہ دیوار میں چنوا دیا۔ ان بیرحمیوں کی ایک بڑی داستان ہی جسکے بیان کرنیکو بڑے سخت دل چاہیئے[1] آخر تنگ آکر ۱۴۵ھ میں انہیں مظلوم سادات میں سے محمد نفس ذکیہ نے تھوڑے سے آدمیوں کے ساتھ مدینہ منورہ میں خروج کیا اور چند روز میں ایک بڑی جمعیت پیدا کر لی بڑے بڑے پیشوایان مذہب حتی کہ امام مالک نے فتویٰ دیدیا کہ منصور نے جبراً بیعت لی خلافت نفس ذکیہ کا حق ہی۔ نفس ذکیہ اگرچہ نہایت دلیر۔ قوی بازو۔ فن جنگ سے واقف تھے۔ لیکن تقدیر سے کس کا زور چلسکتا ہے نتیجہ یہ ہوا کہ رمضان ۱۴۵ھ میں نہایت بہادری سے لڑکر میدان جنگ میں مارے گئے اُن کے بعد ابراہیم اُن کے بھائی نے علم خلافت بلند کیا اور اِس سر و سامان سے مقابلہ کو اُٹھے کہ منصور کے حواس جاتے رہے کہتے ہیں کہ اضطراب میں منصور نے دو مہینہ تک کپڑے نہیں بدلے۔ سرہانے

سفاح اور منصور کی سفاکیاں

نفس ذکیہ ابراہیم

[1] عقود الجمان باب لبست یکم ۱۲

سے تکیہ اٹھا لیتا تھا اور کہتا تھا کہ میں نہیں جانتا کہ یہ تکیہ میرا ہے یا ابراہیم کا، انہیں دنوں میں دو کنیزیں حرم میں آئیں اُن سے بات تک نہ کی۔ ایک شخص نے سبب پوچھا تو کہا یہ فرصت کے کام ہیں اس وقت تو یہ دھن ہے کہ ابراہیم کا سر میرے آگے یا میرا سر ابراہیم کے آگے رکھا جائیگا۔"

ابراہیم چونکہ شجاعت اور دلیری کے ساتھ بہت بڑے عالم اور مقتدائے عام تھے اُن کے دعویٰ خلافت پر ہر طرف سے لبیک کی صدائیں بلند ہوئیں۔ خاص کوفہ میں کم و بیش لاکھ آدمی اُن کے ساتھ جان دینے کو تیار ہو گئے مذہبی گروہ خاصکر علماء و فقہا نے عموماً اُن کا ساتھ دیا۔ امام ابو حنیفہ شروع سے عباسیوں کی بے اعتدالیاں دیکھتے آتے تھے سفاح ہی کے زمانہ میں اُن کی رائے قائم ہو چکی تھی کہ یہ لوگ منصب خلافت کے شایاں نہیں ابراہیم بن میمون جو ایک نہایت دیندار عالم تھے امام صاحب کے خالص دوستوں میں سے تھے وہ اکثر کہتے کہ ان مظالم پر کیا ہم کو چپ رہنا چاہیئے۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ امر بالمعروف بے شبہہ فرض ہے مگر اُس کے لئے سامان شرط ہے لیکن وہ مذہبی جوش میں صبر کی تاب نہ لاسکے ابو مسلم خراسانی کہ ان ظلموں کا بانی تھا اُسکے پاس گئے اور نہایت بیباکی کے ساتھ اس امر کے متعلق گفتگو کی اُس نے اُن کی گستاخی یا فساد پیدا ہونیکے احتمال سے اُنکو قتل کرا دیا امام ابو حنیفہ سنکر بہت روئے[1] لیکن کیا کر سکتے تھے یہ ۱۳۱ھ کا واقعہ ہے ۱۴۵ھ میں ابراہیم نے جب علم خلافت بلند کیا تو اور پیشوایان مذہب کے ساتھ امام صاحب نے بھی اُنکی تائید کی خود شریک جنگ ہونا چاہتے تھے لیکن بعض مجبوریوں کی وجہ سے نہ ہو سکے جسکا اُن کو ہمیشہ افسوس رہا۔ نامہ دانشوراں میں امام صاحب کا ایک خط نقل کیا ہے جو انہوں نے ابراہیم کو لکھا تھا اُسکے یہ الفاظ ہیں۔ اما بعد فانی قد جہزت الیک اربعۃ آلاف درہم ولم یکن عندی غیرہا ولولا امانات عندی للحقت بک فاذا لقیت القوم وظفرت بہم فافعل کما فعل ابوک فی اہل صفین اقتل مدبرہم واجہز علی جریحہم ولا تفعل کما فعل ابوک فی اہل الجمل فان القوم لہم فئۃ یعنی میں آپ کے پاس چار ہزار درہم بھیجتا ہوں کہ اس وقت اسی قدر موجود تھے اگر لوگوں کی امانتیں میرے پاس نہ رکھی ہوتی تو میں ضرور آپ سے ملتا جب آپ دشمنوں پر فتح پائیں تو وہ برتاؤ کریں جو آپ کے باپ (حضرت علی) نے صفین والوں کے ساتھ کیا تھا زخمی اور بھاگ جانے والے سب قتل کئے جائیں وہ طریقہ نہ اختیار کیجئے گا جو آپ کے والد نے حرب جمل میں جائز رکھا تھا کیونکہ مخالف بڑی جمعیت رکھتا ہے۔ نامہ دانشوراں میں اس خط کی نسبت لکھا ہے کہ معتبر کتابوں میں منقول ہے لیکن کسی خاص کتاب کا نام نہیں بتایا اس لئے ہم اُس کی صحت پر یقین نہیں کر سکتے۔ یہ خط صحیح ہو یا غلط مگر اسمیں شبہہ نہیں کہ امام صاحب ابراہیم کے علانیہ طرفدار تھے اور بجز اسکے کہ خود شریک جنگ نہ ہو سکے اور ہر طرح پر اُن کی مدد کی۔ ابراہیم نے اپنی بے تدبیری سے شکست کھائی اور بصرہ میں نہایت دلیری سے لڑ کر مارے گئے اس مہم سے فارغ ہو کر منصور

[1] الجواہر المضیۃ ترجمہ ابراہیم بن میمون ۱۲۔

اُن لوگوں کی طرف متوجہ ہوا جنہوں نے ابراہیم کا ساتھ دیا۔ اُن میں امام صاحب بھی تھے اُس وقت تک منصور کا پایۂ تخت ہاشمیہ ایک مقام تھا جو کوفہ سے چند میل پر ہے لیکن چونکہ کوفہ والے سادات کے سوا اور کسی خاندان کو خلافت کا مستحق نہیں سمجھتے تھے۔ منصور نے ایک دوسرے دار الخلافہ کی تجویز کی اور بغداد کو انتخاب کیا ۱۴۶ھ میں بغداد پہونچکر امام ابوحنیفہ کے نام فرمان بھیجا کہ فوراً پایۂ تخت میں حاضر ہوں۔ وہ بنو امیہ کی تباہی کے بعد مکہ معظمہ سے چلے آئے تھے اور کوفہ میں مقیم تھے منصور نے گو پہلے ہی اُنکے قتل کا ارادہ کر لیا تھا تاہم بہانہ ڈھونڈتا تھا دربار میں حاضر ہوئے تو ربیع نے کہ حاجب کا عہدہ رکھتا تھا اِن لفظوں سے اُنکو دربار میں پیش کیا "یہ دنیا میں آج سب سے بڑا عالم ہے" منصور نے پوچھا تم نے کس سے علم کی تحصیل کی امام نے اُستادوں کے نام بتائے جنکا سلسلۂ شاگردی بڑے بڑے صحابہ تک پہنچتا ہے۔ منصور نے اُن کے لئے قضا کا عہدہ تجویز کیا۔ امام صاحب نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ "میں اس کی قابلیت نہیں رکھتا" منصور نے غصہ میں آکر کہا "تم جھوٹے ہو" امام صاحب نے کہا "اگر میں جھوٹا ہوں تو یہ دعویٰ ضرور سچا ہے کہ میں عہدۂ قضا کے قابل نہیں کیونکہ جھوٹا شخص قاضی نہیں مقرر ہو سکتا" یہ تو ایک منطقی لطیفہ تھا لیکن دراصل وہ قضا کی ذمہ داریاں نہیں اُٹھا سکتے تھے انہوں نے منصور کے سامنے اپنی نا قابلیت کی جو وجہیں بیان کیں وہ بالکل سچ تھیں یعنی یہ کہ "مجھکو اپنی طبیعت پر اطمینان نہیں" "میں عربی النسل نہیں ہوں اس لئے اہل عرب کو میری حکومت ناگوار ہوگی۔ درباریوں کی تعظیم کرنی پڑیگی اور یہ مجھ سے ہو نہیں سکتا" پھر بھی منصور نے نہ مانا اور قسم کھا کر کہا تمکو قبول کرنا ہوگا۔ امام صاحب نے بھی قسم کھائی کہ ہرگز قبول نہیں کرونگا اس جرأت اور بیباکی پر تمام دربار حیرت زدہ تھا۔ ربیع نے غصہ میں آکر کہا ابو حنیفہ! تم امیر المومنین کے مقابلہ میں قسم کھاتے ہو۔ امام صاحب نے فرمایا "ہاں کیونکہ امیر المومنین کو قسم کا کفارہ ادا کرنا میری نسبت زیادہ آسان ہے۔"
خطیب کی ایک اور روایت ہے کہ منصور نے زیادہ جبر کیا تو مجبوراً دار القضا میں جا کر بیٹھے ایک مقدمہ پیش ہوا جسمیں قرضہ کا دعویٰ تھا لیکن ثبوت کے گواہ نہ تھے مدعا علیہ کو سرے سے انکار تھا۔ امام صاحب نے حسب قاعدہ مدعا علیہ سے کہا کہ تم قسم کھاؤ کہ مدعی کا تم پر کچھ دینا نہیں آمادہ تیار ہو گیا واللہ کا لفظ کہا تھا کہ امام صاحب نے گھبرا کر روک دیا اور آستین سے کچھ روپیہ نکالکر مدعی کے حوالے کئے کہ تم اپنا قرض لو ایک مسلمان کو قسم کیوں کھلواتے ہو۔ عدالت سے آکر منصور سے کہدیا کہ مجھ سے کسی طرح یہ کام نہیں چلسکتا اس پر حکم ہوا کہ قید خانہ بھیجے جائیں جس سے اُسوقت چھوٹے کہ قید حیات سے چھوٹے اس مدت میں منصور اکثر اُنکو قید خانہ سے بلا لیتا اور علمی بحثیں کیا کرتا۔

امام ابوحنیفہ بغداد طلب کئے گئے

عہدۂ قضا سے انکار

وفات رجب سنہ ۱۵۰ ہجری

منصور نے امام کو ۱۴۶ھ میں قید کیا لیکن اِس حالت میں بھی اُس کو اُنکی طرف سے اطمینان نہ تھا بغداد دار الخلافہ

ہونیکی وجہ سے علوم وفنون کا مرکز بنگیا تھا۔ طالبان کمال ممالک اسلامی کے ہر گوشے سے اٹھکر بغداد ہی کا رخ کرتے تھے
امام صاحب کی شہرت دور دور پہنچ چکی تھی قید کی حالت نے انکی اثر اور قبول عام کو بجائے کم کرنیکے اور زیادہ کر دیا تھا۔ بغداد کی علمی جماعت جس کا شہر میں بہت کچھ اثر تھا۔ انکے ساتھ نہایت خلوص و عقیدت رکھتی تھی ان باتوں کا یہ اثر تھا کہ منصور نے انکو گو نظر بند کر رکھا تھا لیکن کوئی امر انکے ادب اور تعظیم کے خلاف نکر سکتا تھا قید خانہ میں انکا سلسلہ تعلیم بھی برابر قائم رہا امام محمدؒ نے کہ فقہ حنفی کے دست و بازو ہیں قید خانہ ہی میں آنسے تعلیم پائی ان وجوہ سے منصور کو امام صاحب کیطرف سے جو اندیشہ تھا وہ قید خانہ کی حالت میں بھی باقی رہا جسکی آخری تدبیر یہ تھی کہ بیخبری میں انکو زہر دلوا دیا جب انکو زہر کا اثر محسوس ہوا تو سجدہ کیا اور اسی حالت میں قضا کی انکی مرنے کی خبر نہایت جلد تمام شہر میں پھیل گئی اور سارا بغداد امنڈ آیا حسن بن عمارہ نے کہ قاضی شہر تھے غسل دیا نہلاتے تھے اور کہتے جاتے تھے "واللہ تم سب سے بڑے فقیہ بڑے عابد بڑے زاہد تھے تم میں تمام خوبیاں جمع تھیں تم نے اپنے جانشینوں کو مایوس کر دیا کہ وہ تمہارے مرتبہ کو پہنچ سکیں" غسل سے فارغ ہوتے ہوتے لوگوں کی وہ کثرت ہوئی کہ پہلی بار نماز جنازہ میں کم و بیش پچاس ہزار کا مجمع تھا۔ اسپر بھی آنیوالوں کا سلسلہ قائم تھا یہانتک کہ چھ بار نماز پڑھی گئی اور عصر کے قریب جاکر لاش دفن ہوسکی امام نے وصیت کی تھی کہ خیزران کے مقبرے میں دفن کئے جائیں کیونکہ یہ جگہ ان کے خیال میں مغصوب نہ تھی اس وصیت کے موافق خیزران کے شرقی جانب انکا مقبرہ تیار ہوا مورخ خطیب نے لکھا کہ دفن کے بعد بھی بیس دن تک لوگ انکے جنازہ کی نماز پڑھا کئے[۱] قبول عام کی اس سے زیادہ کیا دلیل ہو گی۔ اسوقت ان ممالک میں بڑے بڑے ائمہ مذہب موجود تھے جنمیں بعض خود امام صاحب کے استاد تھے سب نے انکے مرنے کا رنج کیا اور نہایت تاسف آمیز الفاظ کہے ابن جریج مکہ میں تھے سنکر کہا "انا للہ بہت بڑا علم جاتا رہا" شعبہ بن الحجاج نے کہ امام ابوحنیفہ کے شیخ اور بصرہ کے امام تھے نہایت افسوس کیا اور کہا "کوفہ میں اندھیرا ہو گیا" اس واقعہ کے چندروز بعد عبداللہ بن المبارک کو بغداد جانیکا اتفاق ہوا امام کی قبر پر گئے اور رو کر کہا "ابوحنیفہ خدا تم پر رحم کرے ابراہیم مرے تو اپنا جانشین چھوڑ گئے حماد مرے تو اپنا جانشین چھوڑ گئے افسوس تم نے تمام دنیا میں کسی کو اپنا جانشین نہ چھوڑا"[۱]۔

امام کا مزار ایک مدت تک بوسہ گاہ خلائق رہا اور آج بھی ہے سلطان الپ ارسلان سلجوقی نے کہ بڑی عظمت و شان کا فرمانروا اور نہایت عادل و فیاض تھا سنہ ۴۵۹ھ میں انکی قبر پر ایک قبہ اور اسکے قریب ایک مدرسہ تیار کرایا غالباً بغداد میں یہ پہلا مدرسہ تھا کیونکہ نظامیہ جو تمام اسلامی مدرسوں کا آدم خیال کیا جاتا ہے۔ وہ اسی سنہ میں لیکن اسکے بعد تعمیر ہوا۔ رفعت اور خوبی عمارت کے لحاظ سے بھی لاجواب تھا۔ ابو سعید شرف الملک کہ الپ ارسلان کا مستوفی تھا اس کے اہتمام سے عمارت تیار ہوئی۔ افتتاح کی رسم میں بغداد کے تمام علماء اور عمائد شریک تھے اتفاق سے اسی وقت ابو جعفر مسعودی جو ایک مشہور شاعر تھا آنکلا اور برجستہ یہ اشعار پڑھے۔

---

[۱] عقود الجمان میں یہ تمام تفصیل مذکور ہے ۱۲

الم تر ان العلم کان مبددا　　فجمعه هذا المغیب فی اللحد
کذلک کانت هذه الارض میتة　　فانشرها فعل الحمید ابی سعد

یعنی "تم دیکھتے نہیں علم کس طرح بتر بتر ہو رہا تھا پھر اس شخص نے اسکو ترتیب دی جو اس لحد میں مدفون ہے اسی طرح یہ زمین مردہ پڑی تھی ابو سعید کی کوشش نے اسکو دوبارہ زندہ کیا۔ یہ مدرسہ جو مشہد ابو حنیفہ کے نام سے مشہور ہے مدت تک قائم رہا اور بڑے بڑے نامور علما اسکے پروفیسر مقرر ہوے جنکے نام اور اجمالی حالات الجواہر المضیئة فی طبقات الحنفیہ میں اکثر پائے جاتے ہیں ۳۹۳ھ میں حکیم ابن جزلہ نے کہ خلیفہ مقتدر باللہ کے دربار کا ایک مشہور حکیم تھا اپنی تمام کتابیں اس مدرسہ پر وقف کیں[1] اس مدرسہ کے متعلق ایک مسافر خانہ بھی تھا شائقان علم جو اطراف ملک سے آکر بغداد میں عارضی قیام کرتے تھے اُنکو وہاں سے کھانا ملتا تھا ایشیا کا مشہور سیاح ابن بطوطہ جس وقت بغداد میں پہنچا ہے عباسی حکومت کا آخیر زمانہ تھا وہ اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے کہ "اس وقت تمام بغداد میں مشہد ابی حنیفہ کے سوا کوئی زاویہ موجود نہیں ہے جہاں سے مسافروں کو کھانا ملتا ہو۔ آج بھی ان کا مقبرہ بغداد کے مشہور اور متبرک مقامات میں سے ہے حال کے شاہ ایران سلطان ناصر الدین قاچار خلد اللہ سلطنتہ نے اپنے حالات سفر میں اس کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ میں نے امام ابو حنیفہ کے مزار پر فاتحہ پڑھی اور نذر چڑھائی" علم کی شان دیکھو جس کی بدولت کوفہ کے ایک بزاز نے یہ رتبہ حاصل کیا کہ بارہ سو برس کے بعد آج اس کے مزار پر بڑے بڑے شاہنشاہوں کے سر جھکتے ہیں۔

امام کی اولاد

امام صاحب کی اولا کا مفصل حال معلوم نہیں مگر اس قدر یقینی ہے کہ وفات کیوقت حماد کے سوا کوئی اور اولاد موجود نہ تھی حماد بڑے رتبہ کے فاضل تھے بچپن میں انکی تعلیم نہایت اہتمام سے ہوئی تھی چنانچہ جب الحمد ختم کی تو انکے پدر بزرگوار نے اس تقریب میں معلم کو پانچسو درہم نذر کئے بڑے ہوئے تو خود امام صاحب سے مراتب علمی کی تکمیل کی۔ علم و فضل کیساتھ بے نیازی اور پرہیزگاری میں بھی باپ کے خلف الرشید تھے امام صاحب نے جب انتقال کیا تو ان کے گھر میں لوگوں کا بہت سا مال و اسباب امانت رکھا تھا۔ انھوں نے قاضی شہر کے پاس حاضر کیا کہ جن کی امانتیں ہیں انکو پہنچا دی جائیں قاضی صاحب نے کہا کہ ابھی اپنے ہی پاس رہنے دو کہ زیادہ حفاظت سے رہیگا انھوں نے کہا کہ اب انکی جانچ کرلیں کہ میرے باپ کا ذمہ بری ہوجائے۔ غرض تمام مال و اسباب قاضی صاحب کو سپرد کر کے خود روپوش ہو گئے اور اسوقت ظاہر ہوئے کہ وہ چیزیں کسی اور مہتمم کے اہتمام میں دیدی گئیں تمام عمر کسی کی ملازمت نہیں کی نہ شاہی دربار سے کچھ تعلق پیدا کیا۔ ذیقعدہ ۱۷۶ھ میں قضا کی چار بیٹے چھوڑے۔ عمر۔ اسمٰعیل ابو حیان۔ عثمان۔ اسمٰعیل نے علم و فضل میں نہایت شہرت حاصل کی چنانچہ مامون الرشید نے انکو عہدہ قضا پر

[1] ابن خلکان ترجمہ یحیٰی بن عیسیٰ بن جزلہ الطبیب ۱۲

مامور کیا جسکو انھوں نے اس دیانت داری اور انصاف سے انجام دیا کہ جب بصرہ سے چلے تو سارا شہر ان کی مشایعت کو نکلا اور سب لوگ ان کی جان و مال کو دعائیں دیتے تھے۔[1] مُساور نے انکی مدح میں کہا ہے[2]

اذا ما الناس یوما قایسونا	بآبدۃ من الفتیا طریفۃ
اتیناھم بمقیاس صحیح	تلاد من طراز ابی حنیفۃ
اذا سمع الفقیہ بھا وعاھا	واثبتھا بحبر فی صحیفۃ

امام صاحب کی معنوی اولاد تو آج تمام دُنیا میں پھیلی ہوئی ہے اور شاید چھ سات کروڑ سے کم نہ ہوگی لیکن انکی جسمانی اولاد بھی جا بجا موجود ہے خود ہندوستان میں متعدد خاندان ہیں جنکا سلسلہ نسب امام تک پہنچتا ہے اور خدا کے فضل سے علم و فضل کا جوہر بھی نسلاً بعد نسل اُنکی میراث چلا آتا ہے۔

اخلاق و عادات

ہمارے تذکرہ نویسوں نے امام کے اخلاق و عادات کی جو تصویر کھینچی ہے اس میں خوش اعتقادی اور مبالغہ کا اسقدر رنگ بھرا ہے کہ امام صاحب کی اصلی صورت اچھی طرح پہچانی نہیں جاتی چالیس برس تک عشا کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی تیس برس تک متصل روزے رکھے جہاں وفات کی اس جگہ سات ہزار بار قرآن ختم کیا تھا کوفہ میں مشتبہ گوشت کا ٹکڑا پڑ لیا تو اس خیال سے کہ مچھلیوں نے کھایا ہوگا اور مچھلیاں بہت دنوں تک زندہ رہتی ہیں۔ ایک مدت تک مچھلی نہیں کھائی اسی طرح ایک شبہہ پر بکری کا گوشت کھانا چھوڑ دیا۔ ان کا ذاتی صرف صرف دس آنہ ماہوار تھا یہ اور اس قسم کے بہت سے افسانے ان کی نسبت مشہور ہیں اور لطف یہ کہ ہمارے مؤرخین انہیں دور ازکار فضول کو امام کے کمالات کا جوہر سمجھتے ہیں حالانکہ یہ واقعات نہ تاریخی اُصول سے ثابت ہیں نہ ان سے کسی کے شرف پر استدلال ہو سکتا ہے ــ یہ سچ ہے کہ امام صاحب کے جن فضائل یا عام حالات کو ہم صحیح تسلیم کرتے ہیں وہ بھی ان ہی کتابوں سے ماخوذ ہیں جنمیں یہ فضول قصے مذکور ہیں لیکن ہر واقعہ کی حیثیت الگ ہوتی ہے اور اسی اعتبار سے شہادت کی حیثیت بھی بدل جاتی ہے معمولی واقعات میں عام شہادتیں کافی ہیں لیکن اس قسم کے واقعات کیلئے ایسی سند درکار ہے جسمیں ذرا بھی شبہہ کی گنجائش نہ ہو یعنی حدیث صحیح مرفوع متصل کیلئے جو قیدیں ضروری ہیں اُنسے بھی کچھ بڑھ کر ساتھ ہی درایت کے اصول پر منطبق ہو امام صاحب کی دانشمندی دقیقہ سنجی نکتہ شناسی پر جب نگاہ پڑتی ہے جنکا ثبوت سمعی نہیں عیانی موجود ہے تو ان واقعات پر مشکل سے یقین آسکتا ہے جو صیانتہ اور بے اعتدالی کی حد سے بھی متجاوز ہیں امام صاحب کے محاسن اخلاق کی صحیح (اگر اجمالی) تصویر دیکھنی ہو تو قاضی ابو یوسف کی تقریر سنو جو انھوں نے ہارون الرشید کے سامنے بیان کی تھی ہارون نے ایک موقع پر قاضی صاحب موصوف سے کہا کہ ابوحنیفہ کے اوصاف بیان

---

[1] ابن خلکان ترجمہ جلد ۲ [2] معارف ابن قتیبہ ترجمہ امام ابوحنیفہ ۱۲۵

کیجئے اُنھوں نے کہا جہانتک میں جانتا ہوں ابوحنیفہ کے اخلاق و عادات یہ تھے کہ نہایت پرہیزگار تھے نہایت سے بچتے تھے اکثر چپ رہتے تھے اور سوچا کرتے تھے کوئی شخص مسئلہ پوچھتا اور ان کو معلوم ہوتا تو جواب دیتے ورنہ خاموش رہتے نہایت سخی اور فیاض تھے کسی کے آگے حاجت نہ لیجاتے اہل دُنیا سے احتراز تھا۔ دنیوی جاہ و عزت کو حقیر سمجھتے تھے غیبت سے بہت بچتے تھے۔ جب کسی کا ذکر کرتے تو بھلائی کے ساتھ کرتے بہت بڑے عالم تھے۔ اور مال کی طرح علم کے صرف کرنے میں بھی فیاض تھے ہارون الرشید نے یہ سُنکر کہا "صالحین کے یہی اخلاق ہوتے ہیں" عام نگاہوں میں یہ باتیں چنداں وقعت نہیں رکھتیں لیکن روحانی اوصاف کے نکتہ شناس سمجھ سکتے ہیں کہ یہ طرز زندگی ظاہر میں جسقدر سادہ اور آسان ہے در اصل اُسی قدر مشکل اور قدر کے قابل ہے۔

امام صاحب کا حلیہ اور گفتگو

امام صاحب کو خدا نے حسن سیرت کے ساتھ جمال صورت بھی دیا تھا میانہ قد خوشرو اور موزوں اندام تھے گفتگو نہایت شیریں اور آواز بلند اور صاف تھی۔ کیسا ہی پیچیدہ مضمون ہو نہایت صفائی اور فصاحت سے ادا کر سکتے تھے مزاج میں تکلف تھا اور اکثر خوش لباس رہتے تھے کبھی کبھی سنجاب و قاقم کے جُبے بھی استعمال کرتے تھے ابو مطیع بلخی انکے شاگرد کا بیان ہے کہ میں نے ایک دن انکو نہایت قیمتی چادر اور قمیص پہنے دیکھا جنکی قیمت کم از کم چار سو درہم ہو گی ایک دن نضر بن

لباس

محمد ان سے ملنے گئے امام صاحب کہیں باہر جانیکی تیاری کر رہے تھے انسے کہا کہ ذرا دیر کے لئے اپنی چادر مجھے دیدو واپس آئے تو شکایت کی کہ ناحق تمھاری چادر لیکر مجھے شرمندہ ہونا پڑا۔ اُنھوں نے کہا کیوں؟ فرمایا بہت گندہ ہے نضر کہتے ہیں میں نے وہ چادر پانچ دینار کو خریدی تھی اور مجھکو اسپر ناز تھا اس لئے امام صاحب کی شکایت سے تعجب ہوا لیکن دوسرے موقع پر جب میں نے انکو ایک چادر اوڑھے دیکھا جو تیس دینار سے کم قیمت کی نہ تھی تو وہ تعجب جاتا رہا خلیفہ منصور نے درباریوں کیلئے خاص قسم کی ٹوپیاں ایجاد کی تھیں جو نرکل وغیرہ سے بنتی تھیں اور ان پر سیاہ کپڑا منڈھا ہوتا تھا چونکہ نہایت لمبی ہوتی تھیں ابو دلامہ شاعر نے ظرافتہً کہا۔

وکنا نرجی من امام زیادۃ　　فزاد الامام المرتضی فی القلانس

درباری ٹوپی

یعنی ہمکو خلیفہ سے اضافہ کی امید تھی سو حضرت نے اضافہ کیا تو ٹوپیوں میں کیا" امام صاحب اگرچہ دربار سے کوسوں بھاگتے تھے لیکن اس قسم کی ٹوپی جو اہل دربار اور امراء کے ساتھ مخصوص تھی کبھی کبھی استعمال کرتے تھے دنیادار دولتمندوں کیلئے تو ایک معمولی بات ہے لیکن علماء کے دائرے میں یہ امر تعجب کی نگاہ سے دیکھا گیا کہ امام صاحب کے توشہ خانہ میں اکثر سات آٹھ ٹوپیاں موجود رہتی تھیں اور یا تو نہیں بھی امام صاحب کا طرز معاشرت ان حیثیتوں میں اور علماء سے بالکل جدا تھا ان کے ہمعصر عموماً شاہی دربار یا وزرا اور امراء کے وظیفہ خوار تھے اور اسکو عیب نہیں سمجھتے تھے قاضی ابن عبد البر کسی نے اعتراض کیا تھا کہ آپ امراء کے وظیفہ خوار ہیں اُنھوں نے اسکے جواب میں بعض صحابہ اور بہت سے تابعین اور تبع تابعین کی نظیریں پیش کیں جو امراء کے روزینے اور انعامات سے زندگی

بسر کرتے تھے اگرچہ ہم اسکو نئے خیال والوں کی طرح کاہلی اور مفت خوری کا اثر نہیں سمجھتے کیونکہ اس زمانہ تک تعلیم کا سلسلہ معاوضہ کی بنیاد پر نہیں قائم ہوا تھا۔ علما بطور خود اپنے گھروں پر یا مسجدوں میں لوگوں کو مفت تعلیم دیتے تھے اور یہ سلسلہ اس قدر وسیع اور مفید تھا کہ آج تک اس سے بڑھ کر نہ ہو سکا امراء کے ہاں سے ان لوگوں کے لئے جو وظیفے مقرر تھے یا کبھی کبھی صلہ و نذر کے طور پر بھیجا جاتا تھا۔ اس کو ان آنریری پروفیسروں کی تنخواہ سمجھ لینا چاہیے لیکن اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ رفتہ رفتہ انہیں مثالوں سے بیزادگی اور مفت خوری کی بنیاد قائم ہو گئی جس نے قوم کے ایک بڑے حصہ کو بالکل نکما اور آپاہج بنا دیا بے شبہ امام ابوحنیفہ اس اصول کے سرے سے مخالف تھے اور اس لحاظ سے انکی مخالفت بجا بھی تھی۔ اس بے تعلقی سے ایک بڑا فائدہ یہ تھا کہ اظہار حق کے اظہار میں امام صاحب کو کسی سے باک نہیں ہوتا تھا۔ انسان کتنا ہی آزاد مزاج اور رصاف گو ہو لیکن احسان وہ چھپا ہوا جادو ہے کہ اسکے اثر سے بچنا ممکن نہیں تو قریباً ناممکن ہے امام صاحب تمام عمر کسی کے احسانمند نہوے اور اس وجہ سے انکی آزادی کو کوئی چیز دبا نہ سکتی تھی اکثر موقعوں پر وہ اس بات کا اظہار بھی کر دیا کرتے تھے ابن ہبیرہ نے کہ کوفہ کا گورنر اور نہایت نامور شخص تھا انسے یہ کہا کہ آپ کبھی کبھی قدم رنجہ فرماتے تو مجھپر احسان ہوتا فرمایا "میں تم سے ملکر کیا کرونگا۔ مہربانی سے پیش آؤ گے تو خوف ہے کہ تمہارے دام میں آجاؤں عتاب کرو گے تو میری ذلت ہے تمہارے پاس جو زر و مال ہے مجھکو اسکی حاجت نہیں میرے پاس جو دولت ہے اسکو کوئی شخص چھین نہیں سکتا" عیسیٰ بن موسیٰ کے ساتھ بھی ایسا ہی واقعہ گزرا۔

خلیفہ منصور اور حرہ خاتون (منصور کی بیوی) میں کچھ شکر رنجی ہو گئی تھی۔ خاتون کو شکایت تھی کہ خلیفہ عدل نہیں کرتا منصور نے کہا کسی کو منصف قرار دو اس نے امام صاحب کا نام لیا اسیوقت طلبی کا فرمان گیا خاتون پردہ کے قریب بیٹھی کہ امام صاحب جو فیصلہ کریں خود اپنے کانوں سے سنے منصور نے پوچھا شرع کی رو سے مرد کتنے نکاح کر سکتا ہے امام صاحب نے کہا چار منصور خاتون کیطرف مخاطب ہوا کہ سنتی ہو پردہ سے آواز آئی کہ ہاں سنا امام صاحب نے منصور کی طرف خطاب کر کے کہا مگر یہ اجازت اس شخص کے لئے خاص ہے جو عدل پر قادر ہو ورنہ ایک سے زیادہ نکاح کرنا اچھا نہیں خود خدا فرماتا ہے وان خفتم ان لا تعدلوا فواحدۃ منصور چپ ہو گیا امام صاحب گھر آئے تو ایک خادم پچاس ہزار درہم کے توڑے لئے ہوئے حاضر ہوا کہ خاتون نے نذر بھیجی ہے اور کہا ہے کہ آپ کی کنیز آپکو سلام کہتی ہے اور آپکی حق گوئی کی نہایت مشکور ہے امام صاحب نے روپیہ پھیر دیئے اور خادم سے فرمایا جا کر خاتون سے کہنا کہ میں نے جو کچھ کہا کسی غرض سے نہیں کہا بلکہ میرا فرض منصبی تھا۔

امام صاحب کی تجارت نہایت وسیع تھی لاکھوں کا لین دین تھا اکثر شہروں میں گماشتے مقرر تھے بڑے بڑے سوداگروں سے معاملہ رہتا تھا ایسے بڑے کارخانہ کے ساتھ دیانت اور احتیاط کا اس قدر خیال رکھتے تھے کہ ناجائز طور پر ایک حبہ بھی انکے خزانہ میں نہیں داخل ہو سکتا تھا اس احتیاط میں کبھی کبھی نقصان اٹھانا پڑتا تھا مگر ان کو

وظیفہ خوار سے اجتناب

آزادی اور بے نیازی

بلاغرض حق گوئی

تجارت اور دیانت

کچھ پروا نہیں ہوتی تھی ایک دفعہ حفص بن عبد الرحمن کے پاس خز کے تھان بھیجے اور کہلا بھیجا کہ فلاں فلاں تھان میں عیب ہے خریدار کو جتا دینا حفص کو اس ہدایت کا خیال نہ رہا تھان بیچ ڈالے اور خریداروں کو اس عیب سے اطلاع نہ دی امام صاحب کو معلوم ہوا تو نہایت افسوس کیا تھانوں کی قیمت جو تیس ہزار درہم تھی سب خیرات کر دی۔

ایک دن ایک عورت خز کا تھان لیکر آئی کہ فروخت کرا دیجئے امام صاحب نے دام پوچھے اس نے سو روپیہ بتائے فرمایا کم ہیں اس نے کہا تو دو سو روپیہ فرمایا یہ تھان پانچسو سے کم قیمت کا نہیں اس نے متعجب ہو کر کہا کہ آپ شاید ہنسی کرتے ہیں امام صاحب نے پانچسو روپیہ اپنے پاس سے دیدئیے اور تھان رکھ لیا اس احتیاط اور دیانت نے ان کے کارخانے کو بجائے نقصان پہنچانے کے اور بھی چمکا دیا تجارت اور اکتساب دولت سے انکا مقصود زیادہ تر عام کو فائدہ پہنچانا تھا جتنے احباب اور ملنے والے تھے سب کے روزینے مقرر کر رکھے تھے شیوخ اور محدثین کیلئے تجارت کا ایک حصہ مخصوص کر دیا تھا کہ اس سے جو نفع ہوتا تھا سال کے سال ان لوگوں کو پہنچا دیا جاتا تھا عام رواج تھا کہ گھر والوں کیلئے کوئی چیز خریدتے تو اسی قدر محدثین اور علماء کے پاس بھجواتے اتفاقیہ کوئی شخص ملنے آتا تو اس کا حال پوچھتے اور حاجتمند ہوتا تو حاجت روائی کرتے شاگردوں میں جسکو تنگ حال دیکھتے اسکی ضروریات خانگی کی کفالت کرتے کہ اطمینان سے علم کی تکمیل کر سکے بہت سے لوگ جنکو مفلسی کی وجہ سے تحصیل علم کا موقع نہیں مل سکتا تھا امام صاحب کی دستگیری کی بدولت بڑے بڑے رتبوں پر پہنچے انہیں میں ابو یوسف صاحب بھی ہیں جنکا مفصل تذکرہ آگے آتا ہے۔

ایک دفعہ کچھ لوگ ملنے آئے انمیں ایک شخص ظاہری صورت سے شکستہ حال معلوم ہوتا تھا لوگ رخصت ہو کر چلے تو امام صاحب نے اس سے فرمایا ذرا ٹھہر جاؤ جانماز کی طرف اشارہ کیا کہ اس کو اٹھا ۔ اس نے دیکھا تو ہزار درہم کی تھیلی تھی عرض کی کہ میں دولتمند ہوں مجکو اس کی ضرورت نہیں فرمایا تو صورت ایسی بنا لی چاہیئے کہ دوسروں کو شبہہ نہ ہو۔

ایک دفعہ کسی بیمار کی عیادت کو جا رہے تھے راہ میں ایک شخص ملا جو ان کا مقروض تھا اس نے دور سے انکو دیکھ لیا اور کترا کر دوسری طرف چلا ۔ انھوں نے پکارا کہ کہاں جاتے ہو" وہ کھڑا ہو گیا قریب پہنچے تو پوچھا مجکو دیکھ کر تم نے راستہ کیوں کاٹا اس نے کہا آپکے دس ہزار درہم مجھ پر آتے ہیں جو مجھ سے اب تک ادا نہ ہو سکے۔ اس شرم سے آنکھ برابر نہیں ہوتی امام صاحب اسکی غیرت سے متعجب ہوئے اور فرمایا جاؤ میں نے سب معاف کر دیا۔ ایک بار سفر حج میں عبد اللہ سہمی کا ساتھ ہوا کسی منزل میں ایک بدوی نے ان کو پکڑا اور امام صاحب کے سامنے لایا کہ اسپر میرے روپئے آتے ہیں اور ادا نہیں کرتا امام صاحب نے عبد اللہ سے اسکی حقیقت پوچھی انھوں نے سرے سے انکار کیا امام صاحب نے بدوی سے پوچھا آخر کتنے درہموں پر جھگڑا ہے اس نے کہا چالیس درہم متعجب ہو کر فرمایا کہ زمانے سے حمیت اٹھ گئی اتنے سے معاملہ پر یہ فضیحتی!! پھر کل درہم اپنے پاس سے ادا کر دیئے۔ ابراہیم بن عتبہ چار ہزار درہم کے مقروض تھے

سلہ علامہ نووی نے تہذیب الاسماء میں ان واقعات کو بسند بیان کیا ہے ۱۲-

فیاضی

شاگردونکے ساتھ سلوک

اور اس ندامت کی وجہ سے لوگوں سے ملنا چلنا چھوڑ دیا تھا۔ اُنکے ایک دوست نے چندہ کر کے انکا قرض ادا کرنا چاہا لوگوں نے بقدر حیثیت اعانت کی امام صاحب کے پاس گئے تو فرمایا کل کس قدر قرضہ ہے انھوں نے کہا چار ہزار فرمایا اتنی سی رقم کے لئے لوگوں کو کیوں تکلیف دیتے ہو یہ کہہ کر پورے چار ہزار درہم خود دیدیئے تاریخوں میں اس قسم کے اور بہت سے واقعات ان کی نسبت منقول ہیں ہم نے اختصار کے لحاظ سے قلم انداز کئے اس دولت مندی اور عظمت و شان کیساتھ نہایت متواضع حلیم اور خلیق تھے ایک دفعہ مسجد خیف میں تشریف رکھتے تھے شاگردوں اور ارادتمندوں کا حلقہ تھا ایک اجنبی شخص نے مسئلہ پوچھا۔ امام صاحب نے جواب مناسب دیا اس نے کہا، مگر حسن بصری نے اس کے خلاف بتایا ہے امام صاحب نے فرمایا حسن نے غلطی کی حاضرین میں سے ایک شخص کہ حسن کا معتقد تھا طیش میں آگیا اور چلا کر کہا "او ابن الفاحشہ! تو حسن کو خاطی کہتا ہے" اس گستاخی اور بیہودہ گوئی نے تمام مجلس کو درہم برہم کر دیا اور لوگوں نے چاہا کہ اسکو پکڑ کر سزا دیں لیکن امام صاحب نے روکا ان کے لحاظ سے لوگ مجبور ہو گئے مگر دیر تک مجلس میں سناٹا رہا۔ لوگوں کا جوش کم ہوا تو امام صاحب نے اس شخص کیطرف خطاب کیا اور فرمایا کہ "ہاں حسن نے غلطی کی عبد اللہ بن مسعود نے اس بات میں جو روایت کی ہے وہ صحیح ہے۔

یزید بن کمیت کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں امام ابو حنیفہ کی خدمت میں حاضر تھا ایک شخص نے اُن سے گستاخانہ گفتگو شروع کی امام صاحب تحمل جواب دیتے تھے اور وہ شوخ ہوتا جاتا تھا یہاں تک کہ اس نے امام کو زندیق کہہ دیا اس پر فرمایا کہ خدا تمکو بخشے وہ خوب جانتا ہے کہ میری نسبت جو تم نے لفظ کہا صحیح نہیں ہے امام صاحب خود فرمایا کرتے تھے کہ میں نے کسی پر لعنت نہیں کی کسی سے انتقام نہیں لیا۔ کسی مسلمان یا ذمی کو نہیں ستایا کسی سے فریب اور بد عہدی نہیں کی۔

امام سفیان ثوری اور امام صاحب میں کچھ شکر رنجی تھی ایک شخص نے امام صاحب سے آکر کہا کہ سفیان ثوری آپ کو برا کہہ رہے تھے امام نے فرمایا کہ "خدا میری اور سفیان دونوں کی مغفرت کرے سچ یہ ہے کہ ابراہیم نخعی کے موجود ہوتے بھی اگر سفیان دنیا سے اُٹھ جاتے تو مسلمانوں کو سفیان کے مرنے کا ماتم کرنا پڑتا ایکدن مسجد میں درس دے رہے تھے ایک شخص نے جسکو ان سے کچھ عداوت تھی عام مجلس میں انکی نسبت ناسزا الفاظ کہے انھوں نے کچھ التفات نہ کی اور اسیطرح درس میں مشغول رہے شاگردوں کو بھی منع کر دیا کہ اسکی طرف متوجہ نہوں درس سے اُٹھے تو وہ شخص ساتھ ہوا اور جو کچھ منہ میں آتا تھا بکتا جاتا تھا۔ امام صاحب اپنے گھر کے قریب پہنچے تو کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ بھائی یہ میرا گھر ہے کچھ باقی رہ گیا ہو تو اٹھا نہ رکھیو کہ اب میں اندر جاتا ہوں تمکو موقع نہ ملے گا ایک اور دن حلقہ درس قائم تھا ایک نوعمر نے مسئلہ پوچھا امام صاحب نے جواب دیا اس نے کہا ابو حنیفہ تم نے جواب میں غلطی کی ابو الخطاب جرجانی بھی حلقہ میں شریک تھے اُن کو نہایت غصہ آیا اور حاضرین کو ملامت کی کہ تم لوگ

بڑے سے بڑے حیثیت ہو امام کی شان میں ایک لونڈا جو جی میں آتا ہے کہہ جاتا ہے تمکو ذرا جوش نہیں آتا امام صاحب نے ابو الخطاب کی طرف خطاب کیا اور فرمایا کہ ان لوگوں پر کچھ الزام نہیں میں اس جگہ بیٹھا ہوں تو اسی لئے بیٹھا ہوں کہ لوگ آزادانہ میری رائے کی غلطیاں ثابت کریں اور میں تحمل کے ساتھ سنوں۔

ہمدردی اور ہمسایگی کا لحاظ

محلہ میں ایک موچی رہتا تھا جو نہایت رنگین طبع اور خوش مزاج تھا اُسکا معمول تھا کہ دن بھر مزدوری کرتا شام کو بازار جاکر گوشت اور شراب مول لاتا کچھ رات گئے دوست احباب جمع ہوتے خود سیخ پر کباب لگاتا اور یاروں کو کھلاتا ساتھ ہی شراب کا دور چلتا اور مزے میں آکر یہ شعر گاتا۔ اضاعونی وای فتی اضاعوا ✢ لیوم کریھۃ وسداد ثغر۔ یعنی لوگوں نے مجھ کو ہاتھ سے کھو دیا اور کیسے بڑے شخص کو کھویا جو لڑائی اور رخنہ بندی کے دن کام آتا امام صاحب ذکر و شغل میں رات کو کم سوتے تھے اسکی نغمہ سنجیاں سنتے اور فرط اخلاق کیوجہ سے کچھ تعرض نکرتے ایک رات کوتوال شہر اُدہر آنکلا اور اس غریب کو گرفتار کر کے قید خانہ میں بھیجدیا صبح کو امام صاحب نے دوستوں سے تذکرہ کیا رات ہمارے ہمسایہ کی آواز نہیں آئی لوگوں نے رات کا ماجرا بیان کیا اسی وقت سواری طلب کی دربار کے کپڑے پہنے اور دار الامارۃ کا قصد کیا۔ یہ عباسیہ کا عہد حکومت تھا اور عیسیٰ بن موسیٰ کہ خلیفہ منصور کا برادر زادہ اور تمام خاندان میں عقل و تدبیر دلیری اور شجاعت کے لحاظ سے ممتاز تہا کوفہ کا گورنر تہا لوگوں نے اطلاع کی کہ امام ابو حنیفہ آپ کے ملنے کو آتے ہیں۔ اس نے درباریوں کو استقبال کیلئے بھیجا اور حکم دیا کہ دار الامارۃ کے صحن تک امام صاحب کو سواری پر لائیں سواری قریب آئی تو تعظیم کو اٹھا اور نہایت ادب سے لاکر بٹھایا پھر عرض کی کہ "آپ نے کیوں تکلیف فرمائی مجھ کو بلا بھیجتے کہ میں خود حاضر ہوتا" امام صاحب نے فرمایا کہ ہمارے محلہ میں ایک موچی رہتا تھا کوتوال نے اُس کو گرفتار کر لیا ہے میں چاہتا ہوں کہ وہ رہا کر دیا جائے عیسیٰ نے اسی وقت دار وغہ جیل کو حکم بہیجا اور وہ رہا کر دیا گیا امام صاحب عیسیٰ سے رخصت ہوکر چلے تو موچی بھی ہمرکاب ہوا امام اس کی طرف مخاطب ہوئے کہ کیوں ہم نے تمکو ضائع تو نہیں کیا[1] یہ اس شعر کی طرف اشارہ تھا جس کو وہ ہمیشہ پڑھا کرتا تھا اضاعونی وای فتی اضاعوا اس نے عرض کی "نہیں آپنے ہمسائگی کا پورا حق ادا کیا اس کے بعد اس نے عیش پرستی سے توبہ کی اور امام صاحب کے حلقہ درس میں بیٹھنے لگا۔ رفتہ رفتہ علم فقہ میں مہارت حاصل کی اور فقیہہ کے لقب سے ممتاز ہوا۔

والدہ کی خدمت

امام صاحب کے والد نے امام کے سن رشد سے پہلے قضا کی لیکن والدہ مدت تک زندہ رہیں اور امام کو اُن کی خدمت گزاری کا کافی موقع ہاتھ آیا۔ وہ مزاج کی شکی تھیں اور جیسا کہ عورتوں کا قاعدہ ہے واعظوں اور قصہ گویوں کے ساتھ نہایت عقیدت رکھتی تھیں کوفہ میں عمرو بن ذر ایک مشہور واعظ تھے۔ ان کے ساتھ خاص عقیدت

[1] یہ واقعہ بہت سی کتابوں میں مختلف طریقے سے مذکور ہے ہمنے کتاب الاغانی و ابن خلکان و عقود الجمان کی روایت اختیار کی ہے ۱۲

کیساتھ نہایت عقیدت رکھتی تھیں کوفہ میں عمرو بن ذر ایک مشہور واعظ تھے اُن کے ساتھ خاص عقیدت تھی کوئی مسئلہ پیش آتا تھا تو امام صاحب کو حکم دیتیں کہ عمرو بن ذر سے پوچھ آؤ۔ امام تعمیل ارشاد کیلئے اُنکے پاس جاکر مسئلہ پوچھتے وہ عذر کرتے کہ آپ کے سامنے میں کیا زبان کھول سکتا ہوں فرماتے کہ "والدہ کا یہی حکم ہے" اکثر ایسا ہوتا کہ عمرو کو مسئلہ کا جواب نہ آتا امام صاحب سے درخواست کرتے کہ "آپ مجھ کو بتادیں میں اُس کو آپکے سامنے دوہرادوں"

کبھی کبھی اصرار کرتیں کہ میں خود چلکر پوچھوں گی خچر پر سوار ہوتیں امام صاحب پاپیادہ ساتھ ہوتے خود مسئلہ کی صورت بیان کرتیں اور اپنے کانوں سے جواب سن لیتیں تب تسکین ہوتی ایکدفعہ امام صاحب سے پوچھا کہ یہ صورت پیش آئی ہے مجھ کو کیا کرنا چاہیئے امام صاحب نے جواب بتایا۔ بولیں تمہاری سند نہیں۔ زرعہ واعظ تصدیق کریں تو مجکو اعتبار آئے امام صاحب اُن کو لیکر زرعہ کے پاس گئے اور مسئلہ کی صورت بیان کی زرعہ نے کہا آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں آپ کیوں نہیں بتادیتے امام صاحب نے فرمایا میں نے یہ فتویٰ دیا تھا زرعہ نے کہا کہ بالکل صحیح ہے سنکر اُن کو تسکین ہوئی اور گھر واپس آئیں ابن ہبیرہ نے جب امام صاحب کو بلاکر میر منشی مقرر کرنا چاہا اور انکار کے جرم پر دُرے لگوا اُسوقت امام صاحب کی والدہ زندہ تھیں اُن کو نہایت صدمہ ہوا۔ امام صاحب فرمایا کرتے تھے کہ مجکو اپنی تکلیف کا چنداں خیال نہ تھا۔ البتہ یہ رنج ہوتا تھا کہ میری تکلیف کیوجہ سے والدہ کے دلکو صدمہ پہنچا ہے۔

امام صاحب اگرچہ نہایت رقیق القلب تھے اور کسی کو تکلیف اور رنج کی حالت میں دیکھتے تو بیتاب ہوجاتے ایکدفعہ مسجد میں بیٹھے تھے کسی نے آکر کہا کہ فلاں شخص کوٹھے پر سے گر پڑا دفعتہً اس زور سے چیخ اُٹھے کہ مسجد میں تہلکہ پڑگیا۔ حلقۂ درس چھوڑ کر برہنہ پا دوڑے اور اُس شخص کے گھر پر جاکر بہت کچھ غمخواری اور ہمدردی کی جب تک وہ اچھا نہ ہوا روزانہ صبح کو جاتے اور اس کی تیمارداری کرتے تاہم اپنے اوپر کوئی مصیبت آن پڑتی تو اس استقلال سے برداشت کرتے کہ لوگوں کو تعجب ہوتا۔ عمال اور اہل دربار کے ہاتھ سے اکثر اُن کو تکلیفیں پہنچیں مگر کبھی اُن کے پائے ثبوت کو لغزش نہیں ہوئی نہایت مضبوط دل رکھتے تھے اور ضبط و استقلال گویا اُن کا خمیر تھا۔

رقت طبع

استقلال

ایک دن جامع مسجد میں درس دے رہے تھے مستفید وں اور ارادتمندوں کا مجمع تھا۔ اتفاقاً چھت سے ایک سانپ گرا۔ امام کی گود میں آیا تمام لوگ گھبراکر بھاگ گئے۔ مگر وہ اسی اطمینان سے بیٹھے رہے۔ امام مالک کو بھی ایک بار ایسا ہی اتفاق پیش آیا وہ اُن کی تاریخ زندگی کا مشہور اور دلچسپ واقعہ ہے۔

بات نہایت کم کرتے تھے۔ اور غیر ضروری باتوں میں کبھی دخل نہ دیتے۔ درس میں بھی معمول تھا کہ شاگرد جو مسائل پیش کرتے نہایت آزادی سے بحثیں کرتے آپ چپ بیٹھے سنا کرتے جب بحث زیادہ بڑھ جاتی اور کسی بات کا تصفیہ نہ ہوتا تو قول فیصل بیان کردیتے کہ سب کو تشفی ہوجاتی ہے۔

حفظ لسان

غیبت سے پرہیز رکھتے تھے اس نعمت کا شکر ادا کرتے کہ خدا نے میری زبان کو اس آلودگی سے پاک رکھا

ایک شخص نے کہا حضرت! لوگ آپ کی شان میں کیا کچھ نہیں کہتے۔ مگر آپ سے میں نے کسی کی برائی نہیں سنی فرمایا ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ۔ امام سفیان ثوری سے کسی نے کہا ابوحنیفہ کو میں نے کسی کی غیبت کرتے نہیں سنا۔ انہوں نے کہا کہ ابوحنیفہ ایسے بیوقوف نہیں کہ اپنے اعمال صالحہ کو آپ برباد کریں۔ قسم کھانی بُرا جانتے تھے۔ اور اس سے بہت پرہیز کرتے تھے عہد کر لیا تھا کہ اتفاقاً کبھی اس خطا کا مرتکب ہوں گا تو ایک درہم کفارہ دونگا اتفاق سے بھول گئے کبھی موقعہ پر قسم کھا لی اسکے بعد عہد کیا کہ اب بجائے درہم کے دینار دونگا۔

نہایت مرتاض اور زاہد تھے۔ ذکر و عبادت میں اُن کو مزہ آتا تھا اور بڑے ذوق و خلوص سے ادا کرتے تھے اس باب میں ان کی شہرت ضرب المثل ہو گئی تھی۔ علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ اُن کی پرہیزگاری اور عبادت کے واقعات تواتر کی حد تک پہنچ گئے ہیں۔ اکثر نماز میں قرآن پڑھنے کے وقت رقت طاری ہوتی اور گھنٹوں رویا کرتے ابراہیم بصری کا بیان ہے کہ ایک دفعہ نماز فجر میں میں امام ابوحنیفہ کے ساتھ شریک تھا۔ امام نماز نے یہ آیت پڑھی وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ یعنی خدا کو ظالموں کی کردار سے بیخبر نہ سمجھنا امام ابوحنیفہ پر ایسی حالت طاری ہوئی کہ سارا بدن کانپنے لگا۔ زائدہ کہتے ہیں کہ مجھ کو ایک ضروری مسئلہ دریافت کرنا تھا امام ابوحنیفہ کیساتھ نماز عشا میں شریک ہوا اور منتظر رہا کہ نوافل سے فارغ ہوں تو دریافت کروں وہ قرآن پڑھتے پڑھتے اس آیت پر پہنچے وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ بار بار اس آیت کو پڑھتے تھے یہانتک کہ صبح ہو گئی اور یہی آیت پڑھتے رہتے ایک بار نماز میں یہ آیت پڑھی بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ یعنی قیامت گنہگاروں کا وعدہ گاہ ہے اور قیامت سخت مصیبت کی چیز اور ناگوار چیز ہے۔ اسی آیت میں رات ختم ہو گئی بار بار پڑھتے تھے اور روتے جاتے تھے۔ یزید بن کمیت ایک مشہور عابد اور امام صاحب کے معاصر تھے ان کا بیان ہے کہ میں ایک دفعہ نماز عشا میں امام ابوحنیفہ کے ساتھ شریک تھا امام نماز نے اذا زلزلت پڑھی لوگ نماز پڑھ کر چلے گئے میں ٹھہرا رہا۔ امام ابوحنیفہ کو دیکھا کہ بیٹھے ٹھنڈی سانسیں بھر رہے ہیں یہ دیکھ کر میں اٹھ آیا کہ اُن کے اوقات میں خلل نہ ہو صبح کو مسجد میں گیا تو دیکھا کہ غمزدہ بیٹھے ہیں داڑھی ہاتھ میں ہے اور بڑی رقت سے کہہ رہے ہیں کہ اے وہ! جو ذرہ بھر نیکی اور ذرہ بھر بدی دونوں کا بدلہ دیگا نعمان اپنے غلام کو آگ سے بچانا۔ ایک دن بازار میں چلے جاتے تھے ایک لڑکے کے پاؤں پر پاؤں پڑ گیا۔ وہ چیخ اٹھا اور کہا کہ تو خدا سے نہیں ڈرتا۔ امام کو غش آ گیا مسعر بن کدام ساتھ تھے انہوں نے سنبھالا ہوش میں آئے تو پوچھا کہ ایک لڑکے کی بات پر اس قدر بیقرار ہو جانا کیا تھا۔ فرمایا وہ کیا عجب کہ اس کی آواز غیبی ہدایت ہو۔ ایک دفعہ حسب معمول دوکان پر گئے نوکر نے کپڑوں کے تھان نکال کر رکھے اور تفاؤل کے طور پر کہا خدا ہمکو جنت دے۔ امام صاحب پر رقت طاری ہوئی اور اسقدر روئے کہ شانے تر ہو گئے۔ نوکر سے کہا کہ دوکان بند کر دو۔ آپ چہرہ پر رومال ڈال کر کسی طرف نکل گئے دوسرے دن دوکان

پڑگئے تو لوگو ں سے کہا کہ بھائی! ہم اس قابل کہاں کہ جنت کی آرزو کریں یہی بہت ہے کہ عذاب الٰہی میں گرفتار نہ ہوں۔ حضرت عمر فاروقؓ بھی اکثر فرمایا کرتے تھے کہ قیامت کے دن اگر مجھ سے مواخذہ نہ ہو نہ انعام ملے تو میں بالکل راضی ہوں"۔ ایک دفعہ کسی کو مسئلہ بتا رہے تھے۔ ایک شخص نے کہا کہ ابوحنیفہ! خدا سے ڈر کر فتویٰ دیا کرو۔ امام صاحب پر اس لفظ کا اس قدر اثر ہوا کہ چہرہ کی رنگت زرد پڑ گئی۔ اس شخص کی طرف مخاطب ہوئے اور کہا بھائی! خدا تم کو جزائے خیر دے۔ اگر مجھکو یہ یقین ہوتا کہ خدا مجھ سے مواخذہ کریگا۔ کہ تو نے جان کر علم کو کیوں چھپایا تو میں ہرگز فتویٰ نہ دیتا"۔ کوئی مسئلہ مشکل آجاتا اور جواب نہ معلوم ہوتا تو متردد ہوتے کہ غالباً میں کسی گناہ کا مرتکب ہوا۔ یہ اسی کی شامت ہے پھر وضو کر کے نماز پڑھتے اور استغفار کرتے۔ فضل بن عیاض کہ مشہور صوفی گذرے ہیں اُن سے کسی نے یہ حکایت بیان کی بہت روئے اور کہا "ابوحنیفہ کے گناہ بہت کم تھے اس لئے اُن کا یہ خیال ہوتا تھا جو لوگ گناہوں میں غرق ہیں اُن پر ہزاروں آفتیں آتی ہیں اور مطلق خبر نہیں ہوتی کہ غیبی تنبیہ ہے۔

معمول تھا کہ صبح کی نماز کے بعد مسجد میں درس دیتے۔ دور دور سے استفتے آئے ہوئے ہوتے تھے جواب لکھتے پھر تدوین فقہ کی مجلس منعقد ہوتی بڑے بڑے نامور شاگردوں کا مجمع ہوتا جو مسائل اتفاق رائے سے طے ہوتے قلمبند کر لیے جاتے۔ نماز ظہر پڑھکر گھر آتے۔ گرمیوں میں ہمیشہ ظہر کے بعد سو رہتے۔ نماز عصر کے بعد کچھ دیر تک درس ہوتا۔ مشغلہ رہتا باقی وقت دوستوں کے ملنے ملانے بیماروں کی عیادت ماتم پرسی غریبوں کی خبر گیری میں صرف ہوتا مغرب کے بعد پھر درس کا سلسلہ شروع ہوتا اور عشاء تک رہتا نماز عشاء پڑھ کر عبادت میں مشغول ہوتے اور اکثر رات بھر نہ سوتے جاڑوں میں مغرب کے بعد مسجد ہی میں سو رہتے اور قریباً دس بجے اُٹھکر نماز عشاء پڑھتے پھر تمام رات تہجد اور درود وظائف میں گزرتی کبھی کبھی دکان پر بیٹھتے اور وہیں یہ تمام مشاغل انجام پاتے۔

ذہانت اور طباعی۔ فتویٰ اور مناظرات نصائح اور دلپذیر باتیں

جو چیز امام صاحب کی۔ قوت ایجاد۔ جدت طبع۔ وقت نظر۔ وسعت معلومات غرض ان کے تمام کمالات علمی کا آئینہ ہے وہ علم فقہ ہی جس کی ترتیب و تدوین میں ان کو وہ پایہ حاصل ہے جو ارسطو کو منطق اور اقلیدس کو ہندسہ میں لیکن اس پر تفصیلی بحث کرنے کیلئے ایک مستقل کتاب درکار ہے اسی ضرورت سے ہم نے اپنی کتاب کا دوسرا حصہ اس بحث کیلئے خاص کر دیا ہے اس موقعہ پر صرف وہ واقعات لکھتے ہیں۔ جو امام صاحب کی علمی تاریخ کے عام واقعات ہیں لیکن غور سے دیکھو تو وہ بھی بجائے خود اصول ہیں جن پر سینکڑوں مسائل کی بنیاد قائم ہے۔

اس مقام پر یہ کہہ دینا ضرور ہے کہ امام ابوحنیفہ کے مناظرات اور نکتہ آفرینیوں کے متعلق بہت سے بیہودہ افسانے شہرت پکڑ گئے ہیں اور طرہ یہ کہ بعض مشہور مصنفوں نے بغیر تحقیق و تنقید کے اُن کو اپنی تالیفات میں

نقل کردیا جس سے عوام کو اپنے غلط خیالات کیلئے ایک دستاویز ہاتھ آگئی یہ ایک عام قاعدہ ہی کہ جو شخص کسی فن میں کمال کے ساتھ شہرت عام حاصل کرتا ہے اُس کی نسبت اچھی یا بُری سینکڑوں روایتیں خود بخود پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور بعض حالتوں میں اسقدر عام زبانوں پر قبضہ کرلیتی ہیں کہ خواص تک کو ان پر تواتر کا دھوکا ہوتا ہے۔ لطف یہ کہ معتقدین۔ جوشِ اعتقاد میں ایسی باتیں بیان کرجاتی ہیں جنکو وہ مدح سمجھتے ہیں اور دراصل ذم ہوتی ہیں۔ اسیطرح مخالف عیب و منقصب کی مثالیں پیش کرتا ہے۔ حالانکہ غور سے دیکھیے تو ان اتفاقات سے بجائے اس کے کہ اس شخص کی برائی ثابت ہو مدح کا پہلو نکلتا ہے امام ابوحنیفہ بھی اس کلیہ سے مستثنےٰ نہیں ہیں بعض مصنفوں نے ان کی ذہانت اور طباعی کے ذیل میں بہت سے ایسے قصّے لکھ دیئے ہیں جنکو خدا نخواستہ ہم سچ تسلیم کریں تو عیاذاً باللہ امام صاحب کو حیلہ جو۔ چالاک متقشف سخن ساز۔ ماننا پڑے گا۔ لیکن وہ زوائد ہیں تاریخی اصول سے ثابت نہیں اور اس وجہ سے اہل تحقیق خصوصاً محدثین نے ان کے لکھنے سے ہمیشہ پرہیز کیا ہی ہم بھی ان کو قلم انداز کرتے ہیں اور انہیں روایتوں پر اکتفا کرتے ہیں جو بظن غالب ثابت اور صحیح ہیں۔

اس میں شبہہ نہیں کہ امام صاحب کو اور آئمہ کی نسبت مناظرہ اور مباحثہ کے موقعے زیادہ پیش آئے انہوں نے علوم شرعیہ کے متعلق بہت سے ایسے نکتے ایجاد کئے تھے جو عام طبیعتوں کی دسترس سے باہر تھے اس لئے ظاہر بینوں کا ایک گروہ جن میں بعض مقدس اور سادہ دل بھی شامل تھے ان کا مخالف ہوگیا تھا اور ہمیشہ اُن سے بحث و مناظرہ کے لئے تیار رہتا تھا امام صاحب کو بھی مجبوراً اُنکے شبہات رفع کرنے پڑتے تھے اس اتفاقی سبب نے مناظرہ اور مباحثہ کا ایک وسیع سلسلہ قائم کردیا تھا لیکن امام صاحب کے مناظرات اسی پر محدود نہیں مناظرہ اس وقت درس کا ایک خاص طریقہ تھا اور امام صاحب نے اکثر اساتذہ سے اسی طریقہ پر تعلیم پائی تھی عیون والحدائق کے مصنف نے اُن کے تذکرہ میں لکھا ہی کہ انہوں نے شعبی، طاؤس، عطا سے مناظرات کئے یہ لوگ امام صاحب کے اساتذہ خاص ہیں اور وہ اُن لوگوں کا نہایت ادب کرتے تھے۔ اس مناظرہ سے مقصود وہی درس کا مخصوص طریقہ ہی جو اس عہد میں عموماً مروج تھا۔[1]

امام اوزاعی کہ اقلیم شام کے امام اور فقہ میں مذہب مستقل کے بانی تھے۔ مکہ معظمہ میں امام ابوحنیفہ سے ملے اور کہا کہ "عراق والوں سے نہایت تعجب ہے کہ رکوع میں اور رکوع سے سر اُٹھاتے وقت رفع یدین نہیں کرتے حالانکہ میں نے زہری سے اُنہوں نے سالم بن عبداللہ سے۔ انہوں نے عبداللہ بن عمر سے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان موقعوں پر رفع یدین کرتے تھے امام ابوحنیفہ نے اس کے مقابلہ میں

[1] امام صاحب کے بعض مناظرات مورخ خطیب نے تاریخ بغداد میں اور امام رازی نے اس آیت کی تفسیر میں علّم آدم الاسماء کلہا لکھے ہیں اور عقود الجمان میں زیادہ استقصا کیا ہی ان کے علاوہ اور کتابوں میں جستہ جستہ ذکر ہے۔

رفع یدین کے مسئلہ میں امام اوزاعی سے مناظرہ

حماد سے ابراہیم نخعی، علقمہ، عبداللہ بن مسعود کے سلسلہ سے حدیث روایت کی کہ آنحضرت ان موقعوں پر رفع یدین نہیں فرماتے تھے"۔ امام اوزاعی نے کہا سبحان اللہ میں تو زہری سالم عبداللہ کے ذریعہ سے حدیث بیان کرتا ہوں آپ اس کے مقابل میں حماد نخعی، علقمہ کا نام لیتے ہیں"۔ امام ابوحنیفہ نے کہا میری رواۃ آپ کی رواۃ سے زیادہ فقیہ ہیں اور عبداللہ بن مسعود کا رتبہ تو معلوم ہی ہے اس لئے اُن کی روایت کو ترجیح ہے"۔ امام رازی نے اس مناظرہ کو مناقب الشافعی میں نقل کیا ہے[1] اور گو واقعہ کی صحت سے انکار نہیں کر سکتے تاہم یہ نکتہ چینی کی ہے کہ حسی واقعات میں تفقہ کو کیا دخل ہے۔

اس اصول پر مفصل بحث کتاب کے دوسرے حصہ میں ہوگی یہاں امام اوزاعی کے حوالے سے یہ مقصود ہے کہ اصل واقعہ صحیح ہے جس سے شافعیوں کو بھی انکار نہیں اس مسئلہ کے متعلق امام محمد نے کتاب الحج میں ایک لطیف بحث کی ہے وہ لکھتے ہیں کہ ہماری روایت عبداللہ بن مسعود تک منتہی ہوتی ہے اور فریق مخالف کی عبداللہ بن عمر تک اس لئے بحث کا تمام تر مدار اس پر آجاتا ہے کہ ان دونوں میں کس کی روایت ترجیح کے قابل ہے عبداللہ بن مسعود آنحضرت کے زمانہ میں پوری عمر کو پہنچ چکے تھے اور جیسا کہ حدیثوں میں آیا ہے جماعت کی صف اول میں جگہ پاتے تھے بخلاف اس کے عبداللہ بن عمر کا محض آغاز تھا اور اُن کو دوسری تیسری صف میں کھڑا ہونا پڑتا تھا اس لئے آنحضرت کے حرکات و سکنات سے واقف ہونے کے جو موقعے عبداللہ بن مسعود کو مل سکے عبداللہ بن عمر کو کیونکر حاصل ہو سکتے تھے۔ امام محمد کا یہ طرز استدلال حقیقت میں اُصول درایت پر مبنی ہے امام ابوحنیفہ صاحب نے اپنی تقریر میں عبداللہ بن مسعود کی عظمت و شان کا جو ذکر کیا اس میں اُسی کی طرف اشارہ ہے ایک دن بہت سے لوگ جمع ہو کر آئے کہ قرأت خلف الامام کے مسئلہ میں امام صاحب سے گفتگو کریں۔ امام صاحب نے کہا "اتنے آدمیوں سے تنہا کیونکر بحث کر سکتا ہوں البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ آپ اس مجمع میں سے کسی کو انتخاب کر لیں۔ جو سب کی طرف سے اس خدمت کا کفیل ہو اور اس کی تقریر پورے مجمع کی تقریر سمجھی جائے لوگوں نے منظور کیا" امام صاحب نے کہا "آپ نے یہ تسلیم کیا تو بحث کا خاتمہ بھی ہوگیا۔ آپ نے جس طرح ایک شخص کو سب کی طرف سے بحث کا مختار کر دیا۔ اسی طرح امام نماز بھی تمام مقتدیوں کی طرف سے قرأت کا کفیل ہے۔

قرأت خلف الامام

یہ سمجھنا چاہیے کہ امام نے ایک شرعی مسئلہ کو صرف عقلی طور پر طے کر دیا۔ بلکہ حقیقت میں یہ اس حدیث کی تشریح ہے جس کو خود امام صاحب نے بسند صحیح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا ہے کہ من صلی خلف الامام فقرأة الامام قرأة له یعنی جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرأت بھی اس کی قرأت ہے"۔ یہ امام صاحب کے مختصات میں ہے کہ وہ مشکل سے مشکل مسئلہ کو ایسے عام فہم طریقے سے سمجھا دیتے تھے کہ

[1] علامہ ابن الہمام نے اس مناظرہ کو فتح القدیر میں ذکر کیا ہے اور حجۃ اللہ البالغہ کے مختلف مقامات میں اس کے اشارے پائے جاتے ہیں ۱۲

ایک خارجی سے گفتگو

مخاطب کے ذہن نشین ہوجاتا تھا۔ اور بحث نہایت جلد اور آسانی سے طے ہوجاتی تھی ایکدفعہ ضحاک خارجی جو خارجیوں کا ایک مشہور سردار تھا اور بنوامیہ کے زمانہ میں کوفہ پر قابض ہوگیا تھا امام صاحب کے پاس آیا اور تلوار دکھا کر کہا کہ "توبہ کرو" اُنھوں نے پوچھا کس بات سے۔ ضحاک نے کہا تمہارا عقیدہ ہے کہ علی علیہ السلام نے معاویہ کے جھگڑے میں ثالثی مان لی تھی۔ حالانکہ جب وہ حق پر تھے تو ثالث ماننے کے کیا معنی؟ امام صاحب نے فرمایا کہ "اگر میرا قتل مقصود ہے تو اور بات ہے۔ ورنہ اگر تحقیق حق منظور ہے تو مجھ کو تقریر کی اجازت دو ضحاک نے کہا میں بھی مناظرہ ہی چاہتا ہوں۔ امام صاحب نے فرمایا اگر بحث آپس میں نہ طے ہو تو کیا علاج؟ ضحاک نے کہا ہم دونوں ایک شخص کو منصف قرار دیں چنانچہ ضحاک ہی کے ساتھیوں میں سے ایک شخص انتخاب کیا گیا کہ دونوں فریق کی صحت و غلطی کا تصفیہ کرے۔ امام صاحب نے فرمایا یہی تو حضرت علی علیہ السلام نے بھی کیا تھا پھر ان پر الزام کیا ہے" ضحاک دم بخود ہوگیا۔ اور چپکا اُٹھ کر چلا گیا اسی ضحاک نے ایک بار کوفہ پہنچکر قتل عام کا حکم دے دیا۔ امام صاحب کو خبر ہوئی۔ دوڑے گئے اور پوچھا کہ آخر ان لوگوں نے کیا جرم کیا ہے اُس نے کہا یہ سب مرتد ہوگئے ہیں امام صاحب نے فرمایا پہلے اُن لوگوں کا کچھ اور مذہب تھا جسکو اُنھوں نے چھوڑ دیا۔ یا ہمیشہ سے یہی مذہب رکھتے تھے جواب رکھتے ہیں؟ ضحاک نے کہا۔ کیا کہا پھر کہنا امام صاحب نے زیادہ صفائی سے بیان کیا ضحاک نے کہا بےشبہ میری خطا تھی اسیوقت حکم دیا کہ "تلواریں نیام میں کرلی جائیں۔

قتادہ بصری سے مناظرہ

قتادہ بصری جن کا مختصر حال امام صاحب کے اساتذہ کے ذکر میں ہم لکھ آئے ہیں کوفہ میں آئے اور اشتہار دیدیا کہ مسائل فقہ میں جسکو جو پوچھنا ہو تو پوچھے میں ہر مسئلہ کا جواب دونگا" چونکہ وہ مشہور محدث اور امام تھے بڑا مجمع ہوا جوق جوق لوگ آتے تھے اور مسئلے دریافت کرتے تھے امام ابوحنیفہ بھی موجود تھے کھڑے ہوکر پوچھا کہ "ایک شخص سفر میں گیا۔ برس دو برس کے بعد اُس کے مرنے کی خبر آئی۔ اُس کی بیوی نے دوسرا نکاح کرلیا اور اُس سے اولاد ہوئی۔ چندروز کے بعد وہ شخص واپس آیا۔ اولاد کی نسبت اُسکو انکار ہے کہ میری صلب سے نہیں ہے زوج ثانی دعویٰ کرتا ہے کہ میری ہی تو آیا دونوں اُس عورت پر زنا کا الزام لگاتے ہیں یا صرف وہ شخص جو ولدیت سے انکار کرتا ہے" قتادہ نے کہا "یہ صورت پیش آئی ہے" امام نے کہا نہیں لیکن علما کو پہلے تیار رہنا چاہیے کہ وقت پر تردد نہو قتادہ کو فقہ سے زیادہ تفسیر میں دعویٰ تھا بولے کہ ان مسائل کو رہنے دو تفسیر کے متعلق جو پوچھنا ہو پوچھو امام ابوحنیفہ نے کہا اس آیت کے کیا معنی ہیں قال الذی عندہٗ علم من الکتاب انا اٰتیک بہ قبل ان یرتد الیک طرفک یعنی قصہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے درباریوں سے بلقیس کے تخت لانے کی فرمائش کی اور ایک شخص نے جو غالباً آصف بن برخیا حضرت سلیمان کے وزیر تھے دعویٰ کیا کہ میں چشم زدن میں لا دونگا اہل کتاب کی روایت ہے کہ آصف بن برخیا اسم اعظم جانتے تھے جسکی تاثیر سے ایکدم میں شام سے یمن پہنچکر تخت اُٹھا لائے

یہی روایت عام مسلمانوں میں پھیل گئی تھی۔ اور اسی کے مطابق اس آیت کا مطلب لگایا جاتا تھا قتادہ نے بھی یہی معنی بیان کئے امام ابو حنیفہ نے کہا "حضرت سلیمان خود بھی اسم اعظم جانتے تھے یا نہیں" قتادہ نے کہا نہیں امام صاحب نے کہا "کیا آپ اس بات کو جائز رکھتے ہیں کہ نبی کے زمانے میں ایسا شخص موجود ہو جو خود نبی سے زیادہ علم رکھتا ہو" قتادہ کچھ جواب نہ دے سکے۔ اور کہا کہ عقائد کے متعلق پوچھو امام صاحب نے کہا آپ مومن ہیں" اکثر محدثین اپنے آپکو مومن کہتے ہوئے ڈرتے تھے اور اسکو احتیاط میں داخل سمجھتے تھے حسن بصری سے ایک شخص نے یہ سوال کیا تھا جس کے جواب میں انھوں نے کہا کہ "انشاء اللہ" پوچھنے والے نے کہا انشاء اللہ کا کیا محل ہے فرمایا کہ "میں اپنے تئیں مومن تو کہوں مگر ڈرتا ہوں کہ خدا یہ نہ کہدے کہ تو جھوٹ کہتا ہے" قتادہ نے بھی امام ابو حنیفہ کے سوال کا یہی جواب دیا لیکن حقیقت میں یہ ایک قسم کی وہمی حالت ہے۔ ایمان اعتقاد کا نام ہے جو شخص خدا اور رسول پر اعتقاد رکھتا ہے وہ قطعاً مومن ہے اور اس کو سمجھنا چاہیے کہ میں مومن ہوں البتہ اگر اس میں شک ہے تو قطعی کافر ہے اور پھر انشاء اللہ کہنا بیکار ہے امام ابو حنیفہ نے اس عام غلطی کو مٹانا چاہا قتادہ سے پوچھا آپ نے یہ قید کیوں لگائی انھوں نے کہا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا کہ مجھکو امید ہے کہ خدا قیامت کے دن میرے گناہوں کو معاف کر دے۔ امام ابو حنیفہ نے کہا خدا نے حضرت ابراہیم سے جب یہ سوال کیا کہ اولم تومن تو انھوں نے جواب میں "بلیٰ" کہا تھا یعنی ہاں میں مومن ہوں آپنے حضرت ابراہیم کے اس قول کی تقلید کیوں نہ کی قتادہ ناراض ہو کر اٹھے اور گھر میں چلے گئے۔

یحییٰ بن سعید سے مناظرہ

یحییٰ بن سعید انصاری کوفہ کے قاضی تھے اور منصور عباسی کے دربار میں بڑا جاہ اعتبار رکھتے تھے تاہم کوفہ میں ان کا وہ اثر قائم نہ ہو سکتا تھا جو امام ابو حنیفہ صاحب کا تھا اسپر ان کو تعجب ہوتا تھا اور لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ "کوفہ والے بھی عجب سادہ دل ہیں تمام شہر ایک شخص کے اشاروں پر حرکت کرتا ہے" امام ابو حنیفہ نے ابو یوسف و زفر اور چند شاگردوں کو بھیجا کہ قاضی یحییٰ سے مناظرہ کریں۔ امام ابو یوسف نے تقریر شروع کی مسئلہ یہ تھا کہ اگر ایک غلام دو شخصوں میں مشترک ہو اور صرف ایک شخص آزاد کرنا چاہے تو کر سکتا ہے یا نہیں قاضی یحییٰ نے کہا "نہیں کر سکتا کیونکہ حدیث میں آیا ہے لاضرر ولا ضرار یعنی وہ کام جس سے کسی شخص کو ضرر پہنچے جائز نہیں۔ صورت زیر بحث میں چونکہ دوسرے شریک کا ضرر ہے اس لئے شریک اول اپنے فعل کا مجاز نہیں ہو سکتا" امام ابو یوسف نے کہا اگر دوسرا شریک آزاد کرے؟ قاضی یحییٰ بولے تب جائز ہے اور غلام آزاد ہو جائے گا! امام ابو یوسف نے کہا "آپنے خود اپنے قول کی مخالفت کی کیونکہ آپکے نزدیک ایک شریک کے آزاد کرنے سے غلام آزاد نہیں ہوتا یعنی اسیطرح غلام کا غلام رہتا ہے صورت مذکورہ میں جب ایک شریک نے آزاد کیا تو آپ کے نزدیک اسکا یہ فعل بالکل بے اثر ہے یعنی وہ اسیطرح غلام باقی رہا جیسا پہلے تھا اب صرف دوسرے

شریک کے آزاد کر دینے سے کیونکر آزاد ہو سکتا ہے!!

محمد بن عبد الرحمن جو زیادہ تر ابن ابی لیلیٰ کے لقب سے مشہور ہیں بڑے مشہور فقیہ اور صاحب الرائے تھے ۳۳ برس کوفہ میں منصب قضا پر مامور رہے۔ امام ابوحنیفہ اور انہیں کسی قدر شکر رنجی تھی جس کی وجہ یہ تھی کہ فیصلوں میں وہ غلطی کرتے تھے تو امام صاحب اُس کی اصلاح کر دی چاہتے تھے یہ انکو ناگوار معلوم ہوتا تھا لیکن امام صاحب اظہار حق پر مجبور تھے قاضی صاحب مسجد میں بیٹھکر انفصال مقدمات کیا کرتے تھے ایکدن کام سے فارغ ہو کر مجلس قضا سے اُٹھے تو راہ میں ایک عورت کو دیکھا کہ کسی سے جھگڑ رہی ہے کھڑے ہو گئے اثنا گفتگو میں عورت نے اُس شخص کو یا ابن الزانیین کہدیا یعنی ایسے زانی اور زانیہ کے بیٹے قاضی صاحب نے حکم دیا کہ عورت گرفتار کر لیجائے۔ پھر مجلس قضا میں واپس آئے اور حکم دیا کہ عورت کو کھڑا کر کے دُرّے لگائیں اور دو حد ماریں امام ابوحنیفہ کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی فرمایا کہ قاضی صاحب نے اس فیصلہ میں چند غلطیاں کیں مجلس قضا سے اُٹھکر واپس آئے اور دوبارہ اجلاس کیا یہ آئین عدالت کے خلاف ہے مسجد میں حد مارنے کا حکم دیا حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا ہے عورت کو بٹھا کر حد مارنی چاہیئے قاضی صاحب نے اُس کے خلاف کیا ایک لفظ سے ایک ہی حد لازم آتی ہے اور دو حدیں لازم بھی آئیں تو ایکساتھ دونوں کا نفاذ نہیں ہو سکتا ایک حد کے بعد مجرم کو چھوڑ دینا چاہیئے کہ زخم بالکل بھر جائیں پھر دوسری حد کی تعمیل ہو سکتی ہے جسکو گالی دی گئی اُسنے جب دعویٰ نہیں کیا تو قاضی صاحب کو مقدمہ قائم کرنیکا کیا اختیار تھا[1] قاضی ابن ابی لیلیٰ نہایت برہم ہوئے اور گورنر کوفہ سے جا کر شکایت کی ابوحنیفہ نے مجھکو تنگ کر رکھا ہے گورنر نے حکم بھیجدیا کہ ابوحنیفہ فتویٰ نہ دینے پائیں امام صاحب اگرچہ حق کیخلاف کسی حاکم یا امیر کے حکم کی پروا نہیں کرتے تھے تاہم چونکہ فتویٰ دینا فرض کفایہ تھا اور کوفہ میں اور بہت سے علما موجود تھے اسلئے حاکم وقت کی اطاعت کو مقدم رکھا اور بغیر کسی عذر کے حکم کی تعمیل کی ایکدن گھر میں بیٹھے تھے اُنکی لڑکی نے مسئلہ پوچھا کہ میں آج روزے سے ہوں دانتوں سے خون نکلا اور تھوک کیساتھ گلے سے اُتر گیا روزہ جاتا رہا یا باقی رہا؟ امام صاحب نے فرمایا کہ جان پدر اپنے بھائی حماد سے پوچھ میں تو فتویٰ دینے سے منع کر دیا گیا ہوں[2] مورخ ابن خلکان نے اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ اطاعت حکم اور امانت کی اس سے بڑھ کر کیا مثال ہو سکتی ہے! چند روز کے بعد گورنر کوفہ کو اتفاق سے فقہی مسائل میں مشکلات پیش آئیں اور امام ابوحنیفہ کیطرف رجوع کرنا پڑا جسکی وجہ سے امام صاحب کو پھر فتویٰ دینیکی عام اجازت ہو گئی۔

دیانت

امام صاحب کے مناظرات میں کہیں کہیں ہم اس ادعا اور جوش مقابلہ کا اثر پاتے ہیں جو بظاہر ان کی تواضع اور بے نفسی کے خلاف ہے لیکن یہ انسانی جذبات ہیں جن سے کوئی شخص بری نہیں ہو سکتا۔ ہم نے امام شافعی۔ امام مالک امام بخاری امام مسلم اور بڑے بڑے ائمہ کے مناظرات کتابوں میں پڑھے ہیں۔ ان میں اس سے زیادہ ادعا میری

[1] ابن خلکان۔ ترجمہ محمد بن عبد الرحمان بن ابی لیلیٰ ۱۲ [2] اس مناظرہ کو خطیب نے تاریخ بغداد میں اور حافظ ابوالمحاسن نے عقود الجمان میں کسیقدر اختلاف کیساتھ نقل کیا ہے

حوصلہ مندی کا زور پایا جاتا ہے۔ اور سچ یہ ہے کہ اگر اس قسم کی باتیں بزرگوں کے حالات میں مذکور نہ ہوتیں تو ہم کو شبہ ہوتا کہ تذکرہ نویسوں نے ان بزرگوں کی اصلی تصویر نہیں دکھائی ہے بلکہ اپنی جوشِ اعتقاد یوں کا خاکہ کھینچا ہے۔ ایک حکیم نے نہایت سچ کہا ہے کہ کسی نامور یا مقتدا کے حالات لکھو تو اس کے وہ خصائل بھی ضرور دکھاؤ جن میں انسانی فطرت کی جھلک نظر آتی ہے۔ اس سے لوگوں کو اچھے کاموں میں اُن کی تقلید کی خواہش پیدا ہوگی۔ بخلاف اس کے اگر بالکل فرشتہ بنا کر پیش کروگے تو لوگ شاید اُن کی پرستش کرنے پر آمادہ ہو جائیں لیکن ان کی ریس کرنے کا خیال ہرگز نہ پیدا ہوگا۔ وہ سمجھیں گے کہ یہ شخص دائرہ انسانی سے باہر تھا ہم انسان ہو کر کیونکر اس کی تقلید کر سکتے ہیں۔

استفتا

ایک دن حسن اتفاق سے امام سفیان ثوری۔ قاضی ابن ابی لیلیٰ۔ شریک۔ امام ابوحنیفہ ایک مجلس میں جمع تھے شائقین علم کو اس سے عمدہ کیا موقع مل سکتا تھا۔ ایک شخص نے آکر مسئلہ پوچھا کہ چند آدمی ایک جگہ جمع تھے دفعۃً ایک سانپ نکلا اور ایک شخص کے بدن پر چڑھنے لگا اس نے گھبرا کر پھینک دیا وہ دوسرے شخص پر جا گرا۔ اس نے بھی اضطراب میں ایسا ہی کیا۔ یوں ہی ایک دوسرے پر پھینکتے رہے یہاں تک کہ اخیر شخص کو اس نے کاٹا اور وہ مر گیا دیت کس پر لازم آئے گی،، یہ فقہ کا ایک دقیق مسئلہ تھا۔ سب کو تامل ہوا کسی نے کہا سب کو دیت دینی ہوگی۔ بعضوں نے کہا صرف پہلا شخص ذمہ دار ہوگا سب کے سب مختلف الرائے تھے اور باوجود بحث کے کچھ تصفیہ نہیں ہوتا تھا۔

امام ابوحنیفہ چپ تھے اور مسکراتے جاتے تھے۔ آخر سب نے اُن کی طرف خطاب کیا کہ آپ بھی تو اپنا خیال ظاہر کیجئے۔ امام صاحب نے فرمایا جب پہلے شخص نے دوسرے پر پھینکا اور وہ محفوظ رہا تو پہلا شخص بری الذمہ ہو چکا اسی طرح دوسرا اور تیسرا بھی۔ بحث اگر ہے تو صرف اخیر شخص کی نسبت ہے اس کی دو حالتیں ہیں اگر اس کے پھینکنے کے ساتھ ہی سانپ نے اس شخص کو کاٹا تو اس پر دیت لازم آئے گی۔ اور اگر کچھ وقفہ ہوا تو یہ شخص بھی بری الذمہ ہو چکا اگر سانپ نے اس شخص کو کاٹا تو اس کی خود غفلت ہے کہ اس نے اپنی حفاظت میں جلدی اور تیز دستی کیوں نہ کی،، اس رائے سے سب نے اتفاق کیا اور امام کی جودتِ طبع کی تعریف کی

رائے و تدبیر
ذہانت و طباعی

رائے و تدبیر، عقل و فراست۔ ذہانت و طباعی امام صاحب کے وہ مشہور اوصاف ہیں جن کو موافق و مخالف سب نے تسلیم کیا ہے۔ محمد انصاری کہا کرتے تھے کہ وہ امام ابوحنیفہ کی ایک ایک حرکت یہاں تک کہ بات چیت۔ اٹھنے بیٹھنے چلنے پھرنے میں دانشمندی کا اثر پایا جاتا تھا۔ علی بن عاصم کا قول تھا کہ اگر آدھی دنیا کی عقل ایک پلہ میں اور ابوحنیفہ کی عقل دوسرے پلہ میں رکھی جاتی تو ابوحنیفہ کا پلہ بھاری رہتا۔ خارجہ بن مصعب کہا کرتے تھے کہ میں کم و بیش ایک ہزار عالموں سے ملا ہوں جن میں عاقل صرف تین چار شخص دیکھے ایک امام

ابوحنیفہ تھے ہمارے تذکروں اور رجال کی کتابوں میں علماء کے وہ اوصاف ہیں جن کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ تیزی ذہن، قوت حافظہ، بے نیازی، تواضع، قناعت، زہد۔ الغرض اس قسم کے اوصاف ہوتے ہیں لیکن عقل و دانائی، فراست و تدبیر کا ذکر تک نہیں آتا۔ گویا یہ باتیں دنیاداروں کے ساتھ مخصوص ہیں اسی بات کو علامہ ابن خلدون نے اس پیرایہ میں لکھا ہے کہ "علماء کا گروہ انتظام اور ریاست سے بالکل مناسبت نہیں رکھتا" اور یہ بالکل سچ ہے حالانکہ اگر سچ پوچھئے تو علماء میں ان اوصاف کی زیادہ ضرورت ہے اسلام بخلاف اور مذہبوں کے دین کے ساتھ دنیاوی انتظامات کا بھی متقنن ہے خلفائے اولین کے حالات پڑھو سیاست اور انتظام ملکی کے لحاظ سے تمام دنیا کے سلاطین اور فرمارواؤں میں کون شخص ان کا ہمعصر کہا جا سکتا ہے۔ بے شبہ اس خصوصیت کے اعتبار سے امام ابوحنیفہ تمام فرقہ علماء میں ممتاز ہیں کہ وہ مذہبی امور کے ساتھ دنیوی ضرورتوں کے بھی اندازہ دان تھے یہی بات ہے کہ ان کا مذہب سلطنت و حکومت کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتا ہے اسلام میں سلطنت و حکومت کے جو بڑے بڑے سلسلے قائم ہوئے۔ مذہباً اکثر حنفی تھے۔

امام ابوحنیفہ اگرچہ شاہی تعلقات سے آزاد رہے لیکن قوم اور ملک کے ساتھ ان کے جو تعلقات تھے وہ خود ایک ملکی حیثیت رکھتے تھے جس کے فرائض کو انھوں نے اس دانائی اور ہوشمندی کے ساتھ انجام دیا جو ایک مدبر سلطنت کے شایاں تھا وہ اپنے ہمعصروں کی طرح اپنے تلامذہ کو یہ نہیں سکھاتے تھے کہ زندگی کی ضروریات میں امیروں اور رئیسوں کی فیاضیوں کا منہ تکتے رہیں۔ وہ خود کسی کے دست نگر نہیں ہوئے اور شاگردوں کو بھی اسی کی تعلیم کی ہم نے ان کے شاگردوں کی مفصل فہرست دیکھی ہے ان میں اکثر ایسے لوگ ہیں جو حلقۂ درس سے اُٹھ کر ملکی عہدوں پر پہنچے اور نہایت دیانت اور قابلیت سے اپنی خدمتوں کو انجام دیا قاضی ابویوسف صاحب جو ہارون الرشید کے عہد میں صیغہ قضا کے وزیر تھے اور جنکی حسن تدبیر و انتظام نے اس صیغہ کو اس قدر وسیع۔ باقاعدہ مرتب کر دیا۔ کہ اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ اور زمانہ مابعد میں بھی اس سے بڑھ کر نہ ہو سکا۔ یہ امام ابوحنیفہ کی ہی صحبت کا فیض تھا۔ یہ ضرور ہے کہ ملکی تعلقات کے ساتھ مذہب اور اخلاق کے فرائض کو سنبھالنا نہایت مشکل ہوتا ہے۔ لیکن امام صاحب اس سے بےخبر نہ تھے۔ وہ ہمیشہ شاگردوں کو ایسی ہدایتیں کرتے جن کی پابندی سے دنیا و دین دونوں حاصل ہوں جو اس آیت کی تفسیر ہے آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ قاضی ابویوسف کو امام صاحب کی تعلیم نے جو لیاقت ان میں پیدا کر دی تھی اس کے جوہر صاف نظر آتے تھے اسی لحاظ سے امام صاحب نے ان کو کچھ ہدایتیں لکھ کر دیں۔ جو تمام مہمات دینی و دنیاوی کیلئے دستور العمل تھیں۔ یہ تحریر کتابوں میں منقول ہے افسوس ہے کہ تطویل کے لحاظ سے ہم اس کو تمامہا نہیں نقل کر سکتے تاہم موقع اور مقام کی رعایت سے اسکا انتخاب دکھانا ضرور ہے۔

اس تحریر میں پہلے سلطان وقت کے تعلقات کا ذکر کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں کہ "بادشاہ کے پاس بہت کم آمد و رفت رکھنا اس سے ہر وقت اس طرح پرخطر رہنا جیسا انسان آگ سے احتیاط رکھتا ہے جب تک کوئی خاص ضرورت نہ ہو دربار میں نہ جانا کہ اپنا اعزاز و وقار قائم رہے۔ مگر اتفاق سے دربار میں ایسے لوگ موجود ہوں جن سے تم کو واقفیت نہ ہو تو اور بھی پرہیز کرنا کیونکہ جب اُن کا رتبہ معلوم نہیں تو ممکن ہے کہ مخاطبت اور گفتگو میں اُن سے جو برتاؤ کیا جاوے اُن کی شان کے مناسب نہ ہو وہ اگر تم سے زیادہ بلند رتبہ ہیں اور تمنے اُس کا لحاظ نہیں کیا تو بے تمیزی سمجھی جائے گی۔ اگر معمولی آدمی ہیں اور تم نے زیادہ تعظیم و تکریم کی تو بادشاہ کی آنکھ میں تمہاری ذلت ہوگی۔ بادشاہ اگر تم کو عہدۂ قضا پر مقرر کرنا چاہے تو پہلے دریافت کر لینا کہ وہ تمہارے طریقہ اجتہاد سے موافق ہے یا نہیں ایسا نہ ہو کہ سلطنت کے دباؤ سے تم کو اپنی رائے کے خلاف عمل کرنا پڑے۔ جس عہدے اور خدمت کی تم میں قابلیت نہ ہو اُس کو ہرگز نہ قبول کرنا" ان ہدایتوں میں اگرچہ بادشاہ کی حرمت و توقیر کی بہت تاکید کی ہے لیکن اظہار حق کے موقع پر پوری آزادی سے کام لیا ہے چنانچہ اخیر میں لکھتے ہیں کہ "اگر کوئی شخص شریعت میں کسی بدعت کا موجد ہو تو علانیہ اُس کی غلطی کا اظہار کرنا کہ اور لوگوں کو اُس کی تقلید کی جرأت نہ ہو۔ اس بات کی کچھ پروا نہ کرنا کہ وہ شخص جاہ و وقت رکھتا ہے کیونکہ اظہار حق میں خدا تمہارا مددگار ہوگا۔ اور وہ اپنے دین کا آپ محافظ و حامی ہے خود بادشاہ سے اگر کوئی نامناسب حرکت صادر ہو تو صاف کہہ دینا کہ گو میں عہدہ و خدمت کے لحاظ سے آپ کا مطیع ہوں تاہم آپ کو آپ کی غلطی پر مطلع کر دینا میرا فرض ہے۔ پھر بھی نہ مانے تو تنہائی میں سمجھانا کہ آپ کا یہ فعل قرآن مجید اور احادیث نبوی کے خلاف ہے اگر سمجھ گیا تو خیر ورنہ خدا سے دعا کرنا کہ اُسکے شر سے خدا تمکو محفوظ رکھے"

زندگی کے معمولی کاروبار کے متعلق بھی نہایت عمدہ ہدایتیں کی ہیں چنانچہ تحریر فرماتے ہیں کہ "تحصیل علم کو سب پر مقدم رکھنا اس سے فراغت ہو چکے تو جائز ذریعوں سے دولت حاصل کرنا کیونکہ ایک وقت میں علم و دولت دونوں کی تحصیل نہیں ہو سکتی۔ پھر نکاح کرنا لیکن اُسوقت جب یہ یقین ہو کہ اہل و عیال کی تمام ذمہ واریاں اُٹھا سکو گے۔ ایسی عورت سے شادی نہ کرنا جو دوسرے شوہر سے اولاد رکھتی ہو۔ عام آدمیوں اور خصوصًا دولت مندوں سے کم میل جول رکھنا ورنہ اُن کو گمان ہوگا کہ تم اُن سے کچھ توقع رکھتے ہو اور اس خیال سے وہ رشوت دینے پر آمادہ ہونگے۔ بازار میں جانا۔ دوکانوں پر بیٹھنا راستہ یا مسجد میں کوئی چیز کھانا سقایات یا سقاؤں کے ہاتھ سے پانی پی لینا ان باتوں سے نہایت احتراز ہے کوئی شخص مسئلہ پوچھے تو صرف سوال کا جواب دو اپنی طرف سے کچھ نہ بڑھاؤ عقائد کے متعلق عوام سے گفتگو نہیں کرنی چاہیے شاگردوں کے ساتھ ایسے خلوص اور محبت سے پیش آؤ کہ کوئی غیر دیکھے تو سمجھے کہ تمہاری اولاد ہیں عام اور معمولی رتبہ کے لوگ

مناظرہ کرنا چاہیں تو احتراز کرو۔ کسی شہر میں جانا ہو تو وہاں کے علماء و فضلاء سے اسطرح ملو کہ اُنکو رقابت کا خیال نہ ہو علمی تذکرہ آئے تو جو بات کہو خوب سمجھ بجھ کر کہو اور وہی کہو جس کا کافی ثبوت دے سکتے ہو۔ مناظرہ کے وقت نہایت جرأت و استقلال سے کام لو۔ ورنہ دل میں ذرا بھی خوف ہوگا تو خیالات مجتمع نہ رہ سکیں گے اور زبان میں لغزش ہوگی جو لوگ آداب مناظرہ سے واقف نہیں یا مکابرہ کرنا چاہتے ہیں۔ ان سے ہرگز گفتگو نہیں کرنی چاہیے۔ مناظرہ کے وقت غصہ نہ کرنا چاہئیے ہنسنا کم چاہیئے۔ زیادہ ہنسی سے دل افسردہ ہوتا ہے۔ جو کام کرو اطمینان اور وقار کے ساتھ کرو۔ کوئی شخص جبتک سامنے سے نہ پکارے کبھی جواب نہ دو۔ کیونکہ پیچھے سے پکارنا جانوروں کے لئے مخصوص ہے۔ راستہ چلو تو دائیں بائیں نہ دیکھو حمام میں جاؤ تو عام آدمیوں کی نسبت زیادہ اُجرت دو صبح اور دوپہر کے وقت حمام میں نہ جاؤ گفتگو میں سختی نہ ہو آواز بلند نہ ہونے پائے۔ کوئی چیز خریدنی ہو تو خود بازار نہ جاؤ بلکہ نوکر کو بھیجکر منگوالو۔ خانگی کاروبار دیانتدار نوکروں کے ہاتھ میں چھوڑ دینا چاہئیے۔ کہ تم کو اپنے مشاغل کے لئے کافی وقت اور فرصت ہاتھ آئے بادشاہ کے قریب سکونت نہ اختیار کرو ہر بات سے بے پروائی اور بے نیازی ظاہر ہو اور فقر کی حالت میں بھی وہی استغنا قائم رہے۔ عام آدمیوں میں بیٹھ کر وعظ نہ کہو۔ کیونکہ ایسے موقع پر واعظ اکثر جھوٹ بولنے پر مجبور ہوتا ہے۔ شاگردوں میں کسی کو فقہ کے درس کی اجازت دو تو خود بھی اس کی درس گاہ میں میں شریک ہو کہ اس کے متعلق رائے قائم کرسکو وہ اگر کبھی غلطی کرجائے تو بتادو ورنہ تمہارے چپ رہنے سے لوگوں کو گمان ہوگا کہ اُس نے جو کہا صحیح کہا۔ فقہ کے سوا اور علوم کی مجلس ہو تو خود نہ جاؤ بلکہ اپنے ہمدم دوستوں یا شاگردوں کو بھیجو کہ وہ آکر تم سے پورے حالات بیان کریں یا ہر بات میں تقویٰ اور امانت کو پیش نظر رکھو۔ خدا کے ساتھ دل سے وہی معاملہ رکھو۔ جو لوگوں کے سامنے ظاہر کرتے ہو جس وقت اذان کی آواز آئے فوراً نماز کے لئے تیار ہو جاؤ ہر مہینے میں دو چار دن روزہ کیلئے مقرر کرلو۔ نماز کے بعد ہر روز کسی قدر وظیفہ پڑھا کرو۔ قرآن کی تلاوت قضا نہ ہونے پائے۔ دُنیا پر بہت نہ مائل ہو اکثر قبرستان میں نکل جایا کرو لہو ولعب سے پرہیز کرو۔ ہمسائے کی کوئی برائی دیکھو تو پردہ پوشی کرو۔ اہل بدعت سے بچتے رہو۔ نماز میں جب تک تم کو لوگ خود امام نہ بنائیں امام نہ بنو۔ جو تم سے ملنے آئیں۔ اُن کے سامنے علمی تذکرہ کرو۔ اگر وہ اہل علم ہوں گے تو فائدہ اُٹھائیں گے ورنہ کم از کم اِن کو تم سے محبت پیدا ہوگی ۔

عبد العزیز بن رواد کو خلیفہ نے دربار میں بلایا۔ وہ امام صاحب کے شاگرد تھے۔ مشورہ کے لئے اُن کے پاس آئے اور کہا کہ خلیفہ نے طلب کیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اُس کے سامنے وعظ کہوں مگر کیا کہوں اور کس طریقہ سے کہوں اِس میں آپ کی ہدایت چاہتا ہوں۔

امام صاحب نے فرمایا یہ کہنا کہ "اے امیرالمومنین دنیا کے طلب کرنے کی تین غرضیں ہو سکتی ہیں۔ عزت۔ ملک۔ مال یہ سب آپ کو حاصل ہیں۔ اب تقویٰ اور عمل صالح بھی اختیار کیجئے کہ دنیا و آخرت دونوں دولتیں حاصل ہوں۔

اس موقع پر امام صاحب کے حکیمانہ مقولے بھی سننے اور یاد رکھنے کے قابل ہیں فرمایا کرتے تھے کہ جس شخص کو علم نے بھی معاصی اور فواحش سے نہ باز رکھا اس سے زیادہ زیاں کار کون ہوگا" "جو شخص علم دین میں گفتگو کرے اور اس کو یہ خیال نہ ہو کہ ان باتوں کی باز پرس ہوگی وہ مذہب اور خود اپنے نفس کی قدر نہیں جانتا" "اگر علماء خدا کے دوست نہیں ہیں تو عالم میں خدا کا کوئی دوست نہیں" "جو شخص قبل از وقت ریاست کی تمنا کرتا ہے ذلیل ہوتا ہے" "جو شخص علم کو دنیا کیلئے سیکھتا ہے علم اُسکے دل میں جگہ نہیں پکڑتا" "سب سے بڑی عبادت ایمان اور سب سے بڑا گناہ کفر ہے۔ پس جو شخص افضل ترین عبادت کا پابند اور بدترین معاصی سے محترز رہے اس کی مغفرت کی بہر حال اُمید کی جا سکتی ہے" "جو شخص حدیث سیکھتا ہے اور اس سے استنباط مسائل نہیں کرتا وہ ایک عطار ہے جس کے پاس دوائیں ہیں لیکن یہ نہیں جانتا کہ کون کس مرض کے لئے ہے" "جو شخص علم کا مذاق نہیں رکھتا اس کے آگے علمی گفتگو کرنی اُس کو اذیت دینی ہے" "اپنے دوست (نفس) کے لئے گناہ جمع کرنے اور دشمن (ورثا) کے لئے مال فراہم کرنا کیسی غلطی ہے"

ایک شخص نے پوچھا فقہ کے حاصل ہونے میں کیا چیز معین ہو سکتی ہے۔ امام صاحب نے فرمایا "دلجمعی" اُس نے عرض کی کہ دلجمعی کیونکر حاصل ہو۔ ارشاد ہوا کہ تعلقات کم کئے جائیں۔ پوچھا کہ تعلقات کیونکر کم ہوں جواب دیا کہ "انسان ضروری چیزیں لیلے اور غیر ضروری چھوڑ دے۔

ایک بار کسی نے سوال کیا کہ حضرت علی اور امیر معاویہ کی لڑائیوں کی نسبت آپ کیا کہتے ہیں فرمایا کہ قیامت میں جن باتوں کی پرسش ہوگی مجھ کو ان کا ڈر لگا رہتا ہے ان واقعات کو خدا مجھ سے نہ پوچھے گا اس لئے اس پر توجہ کرنے کی چنداں ضرورت نہیں" اس سے یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ وہ اس بحث کے متعلق اپنی ذاتی رائے نہیں رکھتے تھے، خود اُن کا قول ہے۔ کہ حضرت علی کی نظیر اگر ہمارے سامنے موجود نہ ہوتی تو ہم نہ بتا سکتے کہ باغیوں کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیئے۔ امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔ البتہ ان باتوں کو اسلام کا ایک ضروری مسئلہ قرار دینا۔ اور اس پر بحثوں کا دفتر تیار کرنا۔ ایک فضول کام ہے اور اسی کی طرف امام صاحب نے اشارہ کیا ہے۔

ایک دفعہ ایک شخص تحصیل علم کی غرض سے امام صاحب کے پاس حاضر ہوا اور سفارشی خط پیش کیا۔ امام صاحب نے فرمایا "علم میں سعی سفارش کا کام نہیں۔ علماء کا خود فرض ہے۔ کہ ان کو جو کچھ آتا ہو تو دوسروں کو بھی بتائیں۔ علم کے دربار میں خاص و عام کی کوئی تفریق نہیں۔

ایک دن گورنر کوفہ نے کہا آپ ہم سے الگ کیوں رہتے ہیں۔ فرمایا "روٹی کا ایک ٹکڑا اور معمولی کپڑا امن و عافیت سے مل جائے تو اُس عیش سے بہتر ہے جس کے بعد ندامت اُٹھانی پڑے" اسی مضمون کو ایک شاعر نے نہایت خوبی اور سادگی سے ادا کیا ہے۔ وہ کہتا ہے ؎

دو قرص نان اگر گندم است یا از جو	ستا نے جامہ اگر کہنہ است یا خود نو
بچار گوشۂ دیوار خود بخاطر جمع	کہ کس نگوید از ین جا بخیز و آنجا رو
ہزار بار فزوں تر ز ابن یمین	ز فر مملکت کیقباد کے خسرو

امام صاحب کبھی شعر بھی کہتے تھے۔ لیکن تشبیب و غزل کی حیثیت سے نہیں بلکہ وعظ و پند کے طور پر چنانچہ فرماتے ہیں۔

امام صاحب کے اشعار

و من المروۃ للفتے	ما عاش دار فاخرۃ
فاشکر اذا اوتیتھا	واعمل لدار الاخرۃ

یعنی انسان جب تک زندہ ہے عزت و آبرو کے لئے اس کو اچھا مکان چاہیے۔ ایسا مکان نصیب ہو تو شکر کرنا چاہیے اور عاقبت کے مکان کیلئے کوشش کرنی چاہئے۔

ذہانت طباعی

امام صاحب کی ذہانت اور طباعی عموماً ضرب المثل ہے یہاں تک کہ اُن کا اجمالی ذکر بھی کہیں آجاتا ہے تو ساتھ ہی یہ صفت بھی ضرور بیان کی جاتی ہے۔ علامہ ذہبی نے عبر فی اخبار من غبر میں ان کا ترجمہ نہایت اختصار کے ساتھ لکھا ہے۔ تاہم اس فقرے کو نہ چھوڑ سکے۔ کہ کان من اذکیاء بنی آدم یعنی "اولاد آدم میں جو نہایت ذکی گذرے ہیں۔ امام ابوحنیفہ ان میں شمار کئے جاتے ہیں" مشکل سے مشکل مسئلوں میں ان کا ذہن اس تیزی سے لڑتا تھا کہ لوگ حیران رہ جاتے تھے۔ اکثر موقعوں پر اُن کے ہمعصر جو معلومات کے لحاظ سے ان کے ہمسر تھے۔ موجود ہوتے تھے اُنکو اصل مسئلہ بھی معلوم ہوتا تھا۔ لیکن جو واقعہ درپیش ہوتا تھا اُس سے مطابق کرکے فوراً جواب دینا امام صاحب ہی کا کام تھا۔

ایک شخص کسی بات پر اپنی بیوی سے ناراض ہوا اور قسم کھا کر کہا کہ جب تک تو مجھ سے نہ بولے گی میں تجھ سے کبھی نہ بولوں گا۔ عورت تند مزاج تھی۔ اُس نے بھی قسم کھائی اور وہی الفاظ دوہرائے جو شوہر نے کہے تھے۔ اُس وقت تو غصہ میں کچھ نہ سوجھا مگر پھر خیال آیا تو دونوں کو نہایت افسوس ہوا۔ شوہر امام سفیان ثوری کے پاس گیا اور صورت واقعہ بیان کی۔ سفیان نے کہا قسم کا کفارہ دینا ہوگا۔ اس سے چارہ نہیں۔ وہ مایوس ہو کر اٹھا اور امام ابوحنیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا

کہ للہ آپ کوئی تدبیر بتائیے۔ امام صاحب نے فرمایا جاؤ شوق سے باتیں کرو۔ کسی پر کفارہ نہیں ہے۔ امام سفیان ثوری کو معلوم ہوا تو نہایت برہم ہوئے[1] اور امام ابوحنیفہ سے جاکر کہا کہ آپ لوگوں کو غلط مسئلے بتا دیتے ہیں۔ امام صاحب نے اُس شخص کو بلا بھیجا اور کہا کہ تم دوبارہ صورت واقعہ بیان کر جاؤ اُس نے اعادہ کیا۔ امام صاحب سفیان کی طرف مخاطب ہوئے۔ اور کہا میں نے جو پہلے کہا تھا اب بھی کہتا ہوں۔ سفیان نے کہا کیوں؟ فرمایا جب عورت نے شوہر کو مخاطب کر کے وہ الفاظ کہے تو عورت کی طرف سے بولنے کی ابتدا ہو چکی۔ پھر قسم کہاں باقی رہی[1] سفیان نے کہا حقیقت میں بات آپکو عین وقت پر سوجھ جاتی ہے۔ ہم لوگوں کا وہاں تک خیال بھی نہیں پہنچتا۔

کوفہ میں ایک شخص نے بڑی دھوم دھام سے ایک ساتھ دو بیٹوں کی شادی کی۔ ولیمہ کی دعوت میں شہر کے تمام اعیان و اکابر کو مدعو کیا۔ مسعر بن کدام۔ حسن بن صالح۔ سفیان ثوری۔ امام ابوحنیفہ شریک دعوت تھے۔ لوگ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ کہ دفعتاً صاحب خانہ بدحواس گھر سے نکلا۔ اور کہا غضب ہو گیا۔ لوگوں نے کہا خیر ہے؟ بولا کہ زفاف کی رات عورتوں کی غلطی سے شوہر اور بیبیاں بدل گئیں۔ جو لڑکی جس کے پاس رہی وہ اُس کا شوہر نہ تھا۔ اب کیا کیا جائے۔ سفیان نے کہا امیر معاویہ کے زمانہ میں بھی ایسا ہی اتفاق ہوا تھا۔ اس سے نکاح میں کچھ فرق نہیں آتا البتہ دونوں کو مہر دینا لازم ہوگا۔ مسعر بن کدام امام ابوحنیفہ کی طرف مخاطب ہوئے۔ کہ آپ کی کیا رائے ہے۔ امام صاحب نے کہا شوہر خود میرے سامنے آئیں تو جواب دوں۔ لوگ جا کر بلا لائے۔ امام صاحب نے دونوں سے الگ الگ پوچھا کہ رات کو جو عورت تمہارے ساتھ رہی وہی تمہارے نکاح میں رہے تو تم کو پسند ہے۔ دونوں نے کہا ہاں[1] امام صاحب نے کہا کہ تو اپنی بیبیوں کو جن سے تمہارا نکاح بندھا تھا طلاق دیدو اور ہر شخص اُس عورت سے نکاح پڑھا لے جو اُس کے ساتھ ہمبستر رہ چکی[1] سفیان نے جو جواب دیا اگرچہ فقہ کی رو سے وہ بھی صحیح تھا۔ کیونکہ یہ صورت وطی بالشبہ کی ہے۔ جس سے نکاح نہیں ٹوٹتا۔ لیکن امام صاحب نے مصلحت کو پیش نظر رکھا۔ وہ جانتے تھے کہ موجودہ صورت میں نکاح کا قائم رہنا غیرت و حمیت کے خلاف ہوگا۔ کسی مجبوری سے زوجین نے تسلیم بھی کر لیا تو دونوں میں خلوص و اتحاد پیدا نہ ہوگا۔ جو تزویج کا مقصود اصلی ہے۔ اس کے ساتھ مہر کی بھی تخفیف ہے کیونکہ خلوت صحیحہ سے پہلے طلاق دیجائے تو صرف آدھا مہر لازم آتا ہے۔

لیث بن سعد جو مصر کے مشہور امام تھے ان کا بیان ہے کہ میں ابوحنیفہ کا ذکر اکثر سنا کرتا تھا اور

---

[1] اس واقعہ کو امام رازی نے تفسیر کبیر میں نقل کیا ہے۔ ۱۲

اُن کے دیکھنے کا نہایت مشتاق تھا حج کی تقریب سے مکہ معظمہ جانا ہوا۔ اتفاق سے ایک مجلس میں پہنچا دیکھا تو بڑا ہجوم ہے ایک شخص صدر کی جانب بیٹھا ہے اور لوگ اس سے مسئلے پوچھ رہے ہیں۔ ایک شخص نے بڑھ کر کہا "یا ابا حنیفہ" (یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے اُن کو پہچانا) امام ابوحنیفہ اُس کی طرف متوجہ ہوئے اُس نے کہا "میرا ایک بدمزاج بیٹا ہے اس کی شادی کر دیتا ہوں تو بیوی کو طلاق دے دیتا ہے لونڈی خریدتا ہوں تو آزاد کر دیتا فرمائیے کیا تدبیر کروں" امام ابوحنیفہ نے برجستہ کہا کہ "تم اِس کو ساتھ لے کر بازار میں جہاں لونڈیاں بکتی ہیں جاؤ اور جو لونڈی پسند آئے خرید کر اُس کا نکاح پڑھا دو اب اگر وہ آزاد کر دیگا تو نہیں کر سکتا۔ کیونکہ لونڈی اس کی ملک نہیں طلاق دے گا تو تمہارا کچھ نقصان نہیں تمہاری لونڈی کہیں نہیں گئی" یاسعد کہتے ہیں کہ مجھ کو جواب پر تو کم لیکن حاضر جوابی پر بہت تعجب ہوا۔ ربیع جو خلیفہ منصور کا عرض بیگی تھا امام ابوحنیفہ سے عداوت رکھتا تھا۔ ایک دن امام صاحب حسب الطلب دربار میں گئے۔ ربیع بھی حاضر تھا۔ منصور سے کہا کہ حضور! یہ شخص امیر المومنین کے جد بزرگوار (عبد اللہ بن عباس) کی مخالفت کرتا ہے۔ اُن کا قول ہے کہ اگر کوئی شخص کسی بات پر قسم کھائے اور دو ایک روز کے بعد انشاءاللہ کہہ لے تو وہ قسم میں داخل سمجھا جاوے گا اور قسم کا پورا کرنا کچھ ضرور نہ ہوگا۔ ابوحنیفہ اِس کے خلاف فتویٰ دیتے ہیں اور کہتے ہیں۔ کہ انشاءاللہ کا لفظ قسم کے ساتھ ہو تو البتہ جزوِ قسم سمجھا جائے گا ورنہ لغو اور بے اثر ہے" امام صاحب نے کہا۔ امیر المومنین! ربیع کا خیال ہے کہ لوگوں پر آپ کی بیعت کا کچھ اثر نہیں۔ منصور نے کہا یہ کیوں کر؟ امام ان کا گمان ہے کہ جو لوگ دربار میں آپ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کیا کرتے ہیں اور قسم کھاتے ہیں۔ گھر پر جا کر انشاءاللہ کہہ لیا کرتے ہیں جس سے قسم بے اثر ہو جاتی ہے اور ان پر شرعاً کچھ مواخذہ نہیں رہتا۔ منصور ہنس پڑا۔ اور ربیع سے کہا کہ تم ابوحنیفہ کو نہ چھیڑو۔ ان پر تمہارا داؤ نہیں چل سکتا" امام صاحب دربار سے نکلے تو ربیع نے کہا۔ آج تو آپ میری جان لے ہی چکے تھے۔ فرمایا "یہ تو تمہارا ارادہ تھا میں نے صرف مدافعت کی"

ایک دفعہ بہت سے خارجی امام صاحب کے گھر پر چڑھ آئے اور کہا کہ کفر سے توبہ کرو۔ امام صاحب نے کہا "ہاں میں تمہارے کفر سے توبہ کرتا ہوں" خارجیوں کا اعتقاد ہے کہ گناہ کرنے سے انسان کافر ہو جاتا ہے یعنی گناہ اور کفر ایک چیز ہے۔ امام صاحب کا مطلب یہ تھا کہ جس چیز کو تم کفر سمجھتے ہو میں اُس سے توبہ کرتا ہوں کسی نے ان خارجیوں سے کہا کہ ابوحنیفہ نے تم لوگوں کو دھوکا دیا ان کا مطلب اور تھا خارجیوں نے امام صاحب کو پکڑا کہ تم نے تاویل کیوں کی۔ امام صاحب نے کہا تم کو یقین ہے۔ یا محض گمان کی بنا پر میری نسبت ایسا خیال کرتے ہو بولے کہ نہیں۔ گمان ہی گمان ہے" امام نے کہا "تو تم کو خود توبہ کرنی چاہیے کیونکہ خدا فرماتا ہے ان بعض الظن اثم

ایک دن مسجد میں تشریف رکھتے تھے شاگردوں کا مجمع تھا۔ دفعۃً خارجیوں کا ایک گروہ مسجد میں گھس آیا لوگ بھاگ چلے امام صاحب نے روکا اور تسلی دی کہ ڈرو نہیں اطمینان سے بیٹھ جاؤ۔ ایک خارجی جو سب کا سردار تھا امام صاحب کے پاس آیا اور کہا تم کون لوگ ہو امام صاحب نے فرمایا مستجیر ہیں اور خدا نے فرمایا ہے کہ وان احد من المشرکین استجارك فاجرہ حتی یسمع کلام اللہ ثم ابلغہ مامنہ۔ یعنی مشرکین میں سے کوئی شخص اگر پناہ مانگے تو اسے پناہ دو تاکہ وہ خدا کا کلام سنے پھر اُس کو اُسکے امن تک پہنچا دو۔ خارجی اپنے سوا مسلمانوں کے تمام فرقوں کو مشرک اور کافر سمجھتے ہیں اور واجب القتل جانتے ہیں۔ اس موقع پر وہ اس نیت سے آئے تھے کہ امام ابوحنیفہ اپنا عقیدہ بیان کریں تو کفر کا الزام لگا کر اس کو قتل کردیں۔ لیکن امام صاحب کے الزامی جواب نے اُن کو بالکل مجبور کردیا چنانچہ اُن کے سردار نے ساتھیوں سے کہا کہ اُنکو قرآن پڑھ کر سناؤ اور انکے گھر انکو پہنچا آؤ۔ ابوالعباس جو منصور کے دربار میں ایک معزز درجہ رکھتا تھا امام صاحب کا دشمن تھا۔ اور ہمیشہ اُن کو ضرر پہنچانے کی فکر میں رہتا تھا ایکدن امام صاحب کسی ضرورت سے دربار میں گئے۔ اتفاق سے ابوالعباس بھی حاضر تھا لوگوں سے کہا آج ابوحنیفہ میرے ہاتھ سے بچکر نہیں جاسکتے۔ امام صاحب سے مخاطب ہوا اور کہا ابوحنیفہ امیر المومنین کبھی کبھی ہم لوگوں کو بلا کر حکم دیتے ہیں کہ اس شخص کی گردن مارو۔ ہمکو مطلق معلوم نہیں ہوتا کہ وہ شخص واقعی مجرم ہے یا نہیں ایسی حالت میں ہمکو اس حکم کی تعمیل کرنی چاہیے یا انکار کرنا چاہیئے۔ امام صاحب نے کہا تمہارے نزدیک خلیفہ کے احکام حق ہوتے ہیں یا باطل؟ منصور کے سامنے کس کی تاب تھی کہ احکام خلافت کی نسبت ناجائز ہونے کا احتمال ظاہر کرسکتا۔ ابوالعباس کو مجبوراً کہنا پڑا کہ حق ہوتے ہیں۔ امام صاحب نے فرمایا پھر حق کی تعمیل میں پوچھنا کیا۔

ایک شخص نے قسم کھائی کہ آج اگر میں غسل جنابت کروں تو میری بیوی کو تین طلاق ہے۔ تھوڑی دیر بعد کہا کہ آج کی کوئی نماز قضا ہو تو میری زوجہ مطلقہ ہے۔ پھر کہا کہ اگر آج میں اپنی بیوی کے ساتھ صحبت نہ کروں تو اُس کو طلاق ہے"۔ لوگوں نے امام صاحب سے آکر مسئلہ پوچھا امام صاحب نے فرمایا کہ نماز عصر کو پڑھ کر بیوی سے ہم صحبت ہو اور غروب کے بعد غسل کرکے فوراً مغرب کی نماز پڑھ لے اس صورت میں سب شرطیں پوری ہوگئیں۔ بیوی سے ہم صحبت بھی ہوا۔ نماز بھی قضا نہیں کی غسل جنابت کیا تو اُس وقت کیا کہ دن گزر چکا تھا۔

ایک دفعہ ایک شخص امام صاحب کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے کچھ روپیے ایک جگہ احتیاط سے رکھ دیئے تھے اب یاد نہیں آتا کہ کہاں رکھے تھے۔ مجکو سخت ضرورت درپیش ہے کوئی تدبیر بتائیے۔ امام نے فرمایا بھائی! یہ مسئلہ تو فقہ میں مذکور نہیں مجھ سے کیا پوچھنے آئے ہو"۔ اُس نے زیادہ لجاجت کی تو کہا کہ آج ساری رات نماز پڑھو"۔ اُس نے جاکر نماز پڑھنی شروع کی۔ اتفاق یہ کہ تھوڑی ہی دیر بعد اُس کو یاد آگیا کہ روپئے فلاں جگہ

رکھے تھے دوڑتا ہوا امام صاحب کے پاس آیا اور عرض کی کہ آپکی تدبیر راست آئی۔ فرمایا کہ "ہاں شیطان کب گوارا کرتا کہ تم رات بھر نماز پڑھتے رہو اس لئے اُس نے جلد یاد دلا دیا تاہم تم کو مناسب تھا کہ اُس کے شکریہ میں شب بیداری کرتے اور نمازیں پڑھتے۔

ایک اور دن ایک شخص نے آکر کہا کہ "میں نے کچھ اسباب گھر کے کسی کونے میں گاڑ دیا تھا اب یاد نہیں آتا ہے کہ کہاں گاڑا تھا کیا کروں" امام صاحب نے کہا "تمکو یاد نہیں تو مجھ کو اور بھی یاد نہ ہونا چاہیئے" وہ رونے لگا امام صاحب کو رحم آیا چند شاگرد ساتھ لئے اور اس کے گھر پر گئے شاگردوں سے کہا کہ یہ اگر تمہارا گھر ہوتا اور تم حفاظت کیلئے کوئی چیز چھپا کر رکھتے تو کہاں رکھتے" سب نے اپنے اپنے قیاس سے مختلف موقعے بتائے امام صاحب نے فرمایا کہ انہیں تین چار جگہوں میں سے کہیں نہ کہیں گاڑا ہوگا۔ اُن کے کھدوانے کا حکم دیا خدا کی شان تیسری جگہ کھودی تو اسباب بجنسہ مدفون ملا۔ امام صاحب اگرچہ نہایت ثقہ۔ متین۔ باوقار تھے تاہم ذہانت کی شوخیاں کبھی کبھی ظرافت کا رنگ دکھاتی تھیں۔ ایک دن اصلاح بنوا رہے تھے حجام سے کہا کہ سفید بالوں کو چن لینا" اُس نے عرض کی کہ جو بال چنے جاتے ہیں اور زیادہ نکلتے ہیں۔ امام صاحب نے کہا "یہ قاعدہ ہے تو سیاہ بالوں کو چن لو کہ وہ اور زیادہ نکلیں!! قاضی شریک نے یہ حکایت سنی تو کہا کہ ابو حنیفہ نے حجام کے ساتھ بھی قیاس کو نہ چھوڑا"

امام صاحب کے محلہ میں ایک پسنہارا رہتا تھا جو نہایت متعصب شیعہ تھا اُس کے پاس دو خچر تھے تعصب سے ایک کا ابوبکر اور دوسرے کا عمر نام رکھا تھا۔ اتفاق سے ایک خچر نے لات ماری کہ اُس کا سر پھٹ گیا اور اسی صدمہ سے مرگیا۔ محلہ میں اُس کا چرچا ہوا امام صاحب نے سنا تو کہا دیکھنا اُسی خچر نے مارا ہوگا جس کا نام اُس نے عمر رکھا تھا لوگوں نے دریافت کیا تو واقعی ایسا ہوا تھا۔

کوفہ میں ایک غالی شیعی تھا جو حضرت عثمان کی نسبت کہا کرتا تھا کہ یہودی تھے" امام صاحب ایک دن اُس کے پاس گئے اور کہا کہ تم اپنی بیٹی کی نسبت ڈھونڈتے تھے ایک شخص موجود ہے جو شریف بھی ہے اور دولت مند بھی ہے۔ اُس کے ساتھ پرہیزگار قائم اللیل حافظ قرآن ہے" شیعی نے کہا تو اس سے بڑھ کر کون ملیگا ضرور آپ شادی ٹھہرا دیجئے۔ امام صاحب نے کہا "صرف اتنی بات ہے کہ مذہباً یہودی ہے" وہ نہایت برہم ہوا اور کہا سبحان اللہ آپ یہودی سے رشتہ داری کرنے کی رائے دیتے ہیں" امام صاحب نے فرمایا "کیا ہوا خود پیغمبر خدا نے جب یہودی کو (تمہارے اعتقاد کے موافق) داماد بنایا تو تم کو کیا عذر ہے" خدا کی قدرت اتنی سی بات سے اُسکو تنبیہ ہوگئی اور اپنے عقیدے سے توبہ کی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حصّہ دوم

امام صاحب کی تصنیفات

فقہ اکبر

امام صاحب کی طرف جو کتابیں منسوب ہیں اُن کے یہ نام ہیں۔ فقہ اکبر۔ العالم والمتعلم۔ مسند۔ فقہ اکبر عقاید کا ایک مختصر سا رسالہ ہے۔ مسائل اور ترتیب قریب قریب وہی ہے جو عقاید نسفی وغیرہ کی ہے یہ رسالہ چھپ گیا ہے اور ہر جگہ مل سکتا ہے۔ لوگوں نے اُسپر شرحیں بھی لکھی ہیں مثلاً محی الدین محمد بہاؤالدین المتوفی ۹۵۶ھ مولی الیاس بن ابراہیم السینوبی۔ مولی احمد بن محمد بن المغنساوی۔ حکیم اسحٰق شیخ اکمل الدین ملا علی القاری کی۔ ملا علی قاری کی شرح متداول ہے بعض اور شرحوں کے نسخے بھی جا بجا قلمی پائے جاتے ہیں حکیم اسحٰق کی شرح کو ابوالبقاء احمدی نے ۹۱۸ھ میں نظم کیا اور اصل کتاب کو ابراہیم بن حسام نے جو شریفی کے نام سے مشہور ہیں العالم والمتعلم۔ سوال وجواب کے طور پر ایک مختصر سا رسالہ ہے لیکن ہماری نظر سے نہیں گذرا۔

العالم والمتعلم

مسند کے متعدد نسخے ہیں جنکو ابوالموید محمد بن محمود الخوارزمی المتوفی ۶۶۵ھ نے یکجا جمع کر دیا ہے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ بلاد شام میں بعض جاہلوں کو میں نے یہ کہتے سنا کہ امام ابو حنیفہ کو فن حدیث میں کچھ دخل نہ تھا اور اسی وجہ سے حدیث میں اُن کی کوئی کتاب نہیں ہے اِس پر مجھکو حمیت مذہبی کا جوش ہوا اور میں نے چاہا کہ اُن تمام مسندوں کو یکجا کر دوں جو علما نے امام ابو حنیفہ کی حدیثوں سے مرتب کئے ہیں اور جن کی تفصیل حسب ذیل ہے (۱) مسند حافظ ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن یعقوب الحارثی البخاری المعروف بعبد اللہ الاستاد (۲) مسند امام ابوالقاسم طلحہ بن محمد بن جعفر الشاہد (۳) مسند حافظ ابوالحسن محمد بن المظفر بن موسےٰ بن عیسےٰ (۴) مسند حافظ ابو نعیم الاصفہانی (۵) مسند شیخ ابوبکر محمد بن عبد الباقی محمد الانصاری (۶) مسند امام ابو احمد عبد اللہ بن عدی الجرجانی (۷) مسند امام حافظ عمر بن حسن الاشنانی (۸) مسند ابوبکر احمد بن محمد خالد الکلاعی (۹) مسند امام ابو یوسف قاضی (۱۰) مسند امام محمد (۱۱) مسند حماد بن امام ابو حنیفہ (۱۲) آثار امام محمد (۱۳) مسند امام ابوالقاسم عبد اللہ بن العوام العدی۔ ابوالموید الخوارزمی نے جن مسندوں کے نام لئے ہیں اُنکے سوا اور بھی

مسند

مسانید ہیں مثلاً مسند حافظ ابو عبد اللہ حسین بن محمد بن خسرو البلخی المتوفی ۵۲۲ھ مسند حصکفی جس کی شرح ملا علی قاری نے لکھی۔ مسند ماوردی۔ مسند ابن البزازی المتوفی ۶۲۲ھ ان مسندوں کی شرحیں بھی لکھی گئیں۔

جو لوگ امام صاحب کے سلسلہ کمالات میں تصنیف و تالیف کا وجود بھی ضروری سمجھتے ہیں وہ انہیں مفصلہ بالا کتابوں کو شہادت میں پیش کرتے ہیں۔ لیکن انصاف یہ ہے کہ ان تصنیفات کو امام صاحب کی طرف منسوب کرنا نہایت مشکل ہے اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ امام صاحب کی زندگی میں ایک مجموعہ فقہ مرتب ہو گیا تھا جس کے حوالے عقود الجمان وغیرہ میں جا بجا ملتے ہیں۔ لیکن قیاس غالب یہ ہے کہ وہ نسخہ معدوم ہو گیا اُس زمانہ کی ہزاروں تصنیفات کے نام تراجم کی کتابوں میں مذکور ہیں لیکن دو تین کے سوا ایک کا بھی دنیا کے کسی کتب خانہ میں پتہ نہیں چلتا۔ خود امام صاحب کے ہمعصروں میں سے سفیان ثوری امام اوزاعی۔ حماد بن سلمہ۔ ہشیم۔ معمر جریر بن عبد الحمید۔ عبد اللہ بن المبارک نے حدیث و فقہ میں بڑی بڑی کتابیں لکھیں لیکن آج اُن کا نام ہی نام رہ گیا ہے اور ایک کا بھی وجود نہیں۔ امام رازی نے مناقب الشافعی میں تصریح کی ہے کہ امام ابو حنیفہ کی کوئی تصنیف باقی نہیں رہی۔

مسند خوارزمی کو امام صاحب کا مسند کہنا مجازی اطلاق ہے۔ خوارزمی خود ساتویں صدی میں تھے جن مسندوں کو جمع کیا ہے وہ بھی اکثر تیسری چوتھی صدی یا اس سے بھی بعد کی ہیں۔ حماد۔ قاضی ابو یوسف البتہ امام صاحب کے ہمعصر ہیں اور اُن کا مسند بے شبہ امام ابو حنیفہ کا مسند کہا جا سکتا ہے لیکن خوارزمی کے سوا اور کسی نے اُن مسندوں کا نام نہیں لیا ہے۔ حالانکہ حدیث کی کتاب جب تک مشہور اور مستند روایتوں سے ثابت ہو اُس کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ ہمارے نزدیک اس بحث میں شاہ ولی اللہ صاحب کا فیصلہ کافی ہے۔ وہ حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں کہ طبقہ رابعہ کی وہ کتابیں ہیں جن کے مصنفوں نے ایک مدت دراز کے بعد اُن روایتوں کو جمع کرنا چاہا جو وہ پہلے طبقوں میں موجود نہ تھیں اور گمنام مسندوں اور مجموعوں میں پائی جاتی تھیں۔ ان لوگوں نے اُن کو بلند نام کرنا چاہا حالانکہ وہ حدیثیں لوگوں کی زبانوں پر تھیں جن کا محدثین اعتبار نہیں کرتے مثلاً زیادہ گو واعظین اور اہل بدعت اور ضعیف الروایۃ یا وہ صحابہ اور تابعین کے آثار یا بنی اسرائیل کے قصے تھے یا حکما اور واعظین کے مقولے تھے۔ جن کو راویوں نے رسول اللہ کے کلام سے مخلوط کر دیا تھا۔ یا قرآن اور حدیث کے محتمل مضامین تھے جن کو اُن نیک آدمیوں نے بالمعنی روایت کیا جو فن روایت کی باریکیوں سے ناواقف تھے۔ ان لوگوں نے ان باتوں کو رسول اللہ کی طرف منسوب کر دیا یا ایسے مضامین تھے جو قرآن اور حدیث سے مستنبط ہوتے تھے اُن کو قصداً حدیث نبوی بنا دیا۔ یا مختلف حدیثوں کے ٹکڑے تھے جو ایک عبارت میں مرتب کر دیئے گئے اس قسم کی حدیثیں کتاب الضعفاء ابن حبان کامل ابن عدی۔ تصنیفات خطیب ابو نعیم و جوزقانی و ابن عساکر و ابن نجار و دیلمی میں مل سکتی ہے۔ مسند خوارزمی بھی قریباً اسی طبقہ میں داخل ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے ذرا سختی کی بات اتنی کی ہے کہ جن مسندوں کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ امام صاحب کے شاگردوں نے لکھے اُن کا نہ تاریخوں سے ثبوت ملتا ہے نہ وہ خود کہیں پائے جاتے ہیں جو مسند امام صاحب کے زمانہ سے بہت پیچھے لکھے گئے وہ البتہ موجود ہیں لیکن اُن کی حدیثوں کا امام صاحب تک بسند صحیح متصل پہنچنا نہایت مشتبہ ہے اس سے بڑھ کر یہ کہ بعض بعض مسانید میں بے اعتباری کی اندرونی شہادتیں موجود ہیں۔ مسند حصفکی میں کئی روایتیں امام صاحب کی طرف منسوب ہیں جن کو انہوں نے خود صحابہ سے سُنا اور روایت کیا ہے حالانکہ امام صاحب کا صحابہ سے روایت کرنا محدثانہ تحقیقات کی رو سے ہرگز ثابت نہیں ہوسکتا۔ خوارزمی نے آثار محمد کو بھی امام کی مسانید میں داخل کیا ہے بے شبہ اس کتاب میں اکثر روایتیں امام صاحب ہی سے ہیں۔ اسلئے ناظرین کو اختیار ہے کہ اُس کو امام صاحب کا مسند کہیں یا آثار امام محمد کے نام سے پکاریں لیکن یاد رہے کہ امام محمد نے اس کتاب میں بہت سے آثار اور حدیثیں دوسرے شیوخ سے بھی روایت کی ہیں اس لحاظ سے اس مجموعہ کا انتساب امام محمد کی طرف زیادہ موزوں ہے۔

فقہ اکبر

فقہ اکبر کو اگرچہ فخر الاسلام بزدوی۔ عبد العلی بحر العلوم۔ و شارحین فقہ اکبر نے امام صاحب کیطرف منسوب کیا ہے لیکن ہم مشکل سے اُسپر یقین کرسکتے ہیں۔ یہ کتاب جس زمانہ کی تصنیف بیان کیجاتی ہے اُس وقت تک یہ طرز تحریر پیدا نہیں ہوا تھا۔ وہ بطور ایک متن کے ہے اور اس اختصار و ترتیب کیساتھ لکھی گئی ہے جو متاخرین کا خاص انداز ہے ایک جگہ اُس میں جوہر و عرض کا لفظ آیا ہے۔ حالانکہ یہ فلسفیانہ الفاظ اُس وقت تک زبان میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ بے شبہ منصور عباسی کے زمانے میں فلسفہ کی کتابیں یونانی زبان سے عربی میں ترجمہ کی گئیں تھیں۔ لیکن یہ زمانہ امام صاحب کی آخری زندگی کا زمانہ ہے کسی طرح قیاس نہیں کیا جاسکتا کہ ترجمہ ہوتے ہی یہ الفاظ اس قدر جلد شایع ہوجائیں کہ عام تصنیفات میں اُن کا رواج ہوجائے فلسفہ کے الفاظ نے مذہبی دائرہ میں اُسوقت بار پایا ہے جب کثرت استعمال کیوجہ سے زبان کا جزبن گئے اور عام بول چال میں بھی اُن کے استعمال کے بغیر چارہ نہ رہا لیکن یہ دور امام صاحب کے زمانہ کے بعد شروع ہوا ہے۔

یہ بحث تو درایت کی حیثیت سے تھی۔ اصول روایت کے لحاظ سے بھی یہ امر ثابت نہیں ہوتا دوسری تیسری بلکہ چوتھی صدی کی تصنیفات میں اس کتاب کا پتہ نہیں چلتا۔ قدیم سے قدیم تصنیف جس میں اس رسالہ کا ذکر کیا گیا ہے (جہانتک ہمکو معلوم ہے) فخر الاسلام بزدوی کی کتاب الاصول ہے۔ جو پانچویں صدی کی تصنیف ہے۔ امام ابوحنیفہ کے ہزاروں شاگرد تھے جنمیں سے اکثر بجائے خود اُستاد تھے اور بواسطہ و بلاواسطہ اُن کے ہزاروں لاکھوں شاگرد ہوئے۔ نہایت خلاف قیاس ہے کہ امام صاحب کی کوئی تصنیف موجود ہوتی اور اتنے بڑے گروہ میں اُس کا نام تک نہ لیا جاتا۔ علم عقائد اور اُس کے متعلقات پر بڑی بڑی کتابیں مثلاً

صحائف، شرح مقاصد، شرح مواقف، ملل ونحل وغیرہ تصنیف ہوئیں اُنہیں کہیں اُس کا ذکر تک نہیں ہی اس کتاب کی جس قدر شرحیں ہوئیں سب آٹھویں صدی ہجری اور اُس کے بعد ہوئیں اِسکے علاوہ ابومطیع بلخی جو اس کتاب کے راوی ہیں حدیث وروایت میں چنداں مستند نہیں ہیں۔ کتب رجال میں اُن کی نسبت محدثین نے نہایت سخت ریمارک کئے ہیں اگرچہ میں اُن کو کلیتہً تسلیم نہیں کرتا تاہم ایک ایسی منتمیہ کتاب جس کا ثبوت صرف ابومطیع بلخی کی روایت پر منحصر ہو محدثانہ اصول پر قابل تسلیم نہیں ہوسکتی۔

میرا خیال ہی کہ ابومطیع بلخی نے ایک رسالہ میں بطور خود عقاید کے مسائل قلمبند کئے تھے رفتہ رفتہ وہ امام صاحب کی طرف منسوب ہوگیا۔ اس خیال کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ علامہ ذہبی نے عبرفی اخبار من غبر میں ابومطیع کا جہاں ذکر کیا ہے ان لفظوں سے کیا ہے کہ صاحب الفقہ الاکبر جسکے متبادر معنی یہی ہیں کہ خود ابومطیع اُس کے مصنف ہیں۔ میرا خیال یہ بھی ہے کہ فقہ اکبر کا موجودہ ترتیب وعبارت۔ ابومطیع کے زمانہ سے بھی بہت بعد کی ہے اور یہ کچھ نئی بات نہیں جامع صغیر جو امام محمد کی تالیف ہے اُسکی موجودہ ترتیب امام ابوالطاہر دباس نے کی ہے جو چوتھی صدی میں تھے۔ فرق یہ ہی کہ جامع صغیر کی عبارت وہی اصلی ہی صرف ترتیب بدل دی گئی ہی برخلاف اس کے فقہ اکبر کا انداز عبارت بھی زمانہ بعد کا معلوم ہوتا ہے۔

ہمنے اس بحث میں اپنی رائے اور قیاسات کو بہت دخل دیا ہے لیکن تمام واقعات بھی لکھدیئے ہیں ناظرین کو ہم اپنی رائے کے قبول کرنے پر مجبور نہیں کرتے اصلی واقعات اور ہماری رائیں دونوں اُن کے سامنے ہیں۔ وہ جو چاہیں خود فیصلہ کرلیں بے شبہ ہماری فی الحال رائے یہی ہی کہ آج امام صاحب کی کوئی تصنیف موجود نہیں ہی۔

عقائد وکلام

امام صاحب ابتدائی تحصیل میں علم کلام کی طرف زیادہ مائل تھے صحابہ کے آخیر زمانہ میں نئے نئے فرقے پیدا ہوچلے تھے۔ معبد جہنی نے جو صحابہ کا صحبت یافتہ تھا مسئلہ قدر کو چھیڑا۔ واصل بن عطاء نے جو علوم عربیہ وعلم کلام کا بہت بڑا عالم اور امام حسن بصری کا شاگرد تھا اعتزال کی بنیاد قائم کی۔

جہم بن صفوان فرقہ جہمیہ کا بانی ہوا۔ خوارج کے متعدد فرقے اس سے پہلے پیدا ہوچکے تھے امام ابوحنیفہ کے زمانہ میں ان مسائل کے جابجا چرچے تھے اور ہر جگہ بحث ومناظرہ کا بازار گرم تھا امام صاحب کو بھی ان کی رد وقدح کی طرف التفات ہوا۔ اس میں شک نہیں کہ اُن کی بے نظیر ذہانت سے ان مسائل میں نہایت دقیق بحثیں پیدا ہوئی ہونگی لیکن چونکہ یہ شغل تھوڑے زمانہ تک رہا اور بالآخر وہ فقہ کے مہمات میں مصروف ہوگئے اسلئے ان مباحث کا آج پتہ نہیں چلتا تاہم چند مسائل جو بتواتر اُن کی طرف منسوب ہیں اُنکی دقت نظر جدت ذہن وسعت خیال کے شاہد عادل ہیں اُن میں سی ہم بعض مسائل کا ذکر کرتے ہیں جو محدثین کے نزدیک بڑے معرکۃ الآرا

اعمال جزو ایمان نہیں۔

مسئلے ہیں۔ پہلا مسئلہ یہ ہے کہ امام صاحب فرائض اور اعمال کو جزو ایمان نہیں سمجھتے۔ آج تو اسکی نسبت بحث کرنی گویا تحصیل حاصل ہے ایک معمولی سمجھ کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ ایمان اعتقاد کا نام ہے جو دل سے متعلق ہے فرائض اور اعمال جوارح کے کام ہیں اسلئے نہ ان دونوں سے کوئی حقیقت مرکب ہو سکتی ہے نہ انمیں سے ایک دوسرے کا جزو ہو سکتا ہے لیکن اس زمانہ میں یہ ایک بڑا بحث طلب مسئلہ تھا اور اکثر ارباب ظاہر بلکہ بعض مجتہدین بھی اسکے خلاف تھے۔

صحابہ کے زمانہ تک اسلامی عقائد کی سطح نہایت ہموار اور غیر متحرک رہی۔ اہل عرب کو ان موشگافیوں اور باریک بینیوں سے سروکار نہ تھا۔ بنو امیہ کے وسط زمانہ میں جب فوجی قوت کو زوال ہوا تو تمدن و معاشرت کی وسعت نے اور قسم کے اشتغال پیدا کر دیئے۔ جبر و قدر۔ تشبیہ و تنزیہ۔ عدل و جور کی بحثیں چھڑ گئیں ان بحثوں کی ابتدا ان لوگوں نے کی جو عجم کی خاک سے تھے یا ان پر عجم کا پرتو پڑا تھا۔ چونکہ یہ نامانوس صدائیں تھیں ان باتوں پر مذہبی گروہ میں جو زیادہ تر عرب سے تعلق رکھتا تھا برہمی پیدا ہو گئی اور محدثین و فقہاء نہایت سختی سے بدعتیوں کے مقابلے کو اٹھے اس مقابلہ کی بنا پر ان بزرگوں کو خود بھی ان مسائل میں نفی یا اثبات کا پہلو اختیار کرنا پڑا۔ لیکن جوش مخالفت نے اکثروں کو اعتدال کی حد پر نہ رہنے دیا۔ معتزلہ کا مذہب تھا کہ قرآن مجید خدا کا ایک جدید کلام ہے جو رسول اللہ کی نبوت کے ساتھ وجود میں آیا۔ لوگوں نے اس کی یہانتک مخالفت کی کہ بعض محدثین نے تلفظ بالقرآن کو بھی قدیم ٹھہرایا امام ذہلی جو امام بخاری کے اساتذہ میں سے تھے اور صحیح بخاری میں انکی سند سے اکثر روایتیں ہیں۔ اسی بات پر امام بخاری سے ایسے ناراض ہوئے کہ انکو حلقہ درس سے نکلوا دیا اور عام حکم دیدیا کہ جو شخص بخاری کے پاس آمد و رفت رکھے وہ ہمارے حلقہ میں نہ آنے پائے[1] امام بخاری خود قرآن قدیم کے قائل تھے لیکن قرارت قرآن کو حادث کہتے تھے۔ ذہلی کو اصرار تھا کہ یہ بھی قدیم ہیں۔

اور مسائل میں بھی اس قسم کی بے اعتدالیاں ہوئیں جنکی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ امام ابو حنیفہ نے ان تمام بحثوں میں وہی پہلو اختیار کیا جو مغز سخن تھا اور جو عقل کے ساتھ نقل کے بھی مطابق تھا انہیں مسائل میں ایمان و عمل کا بھی مسئلہ تھا مرجیہ کا مذہب ہے کہ ایمان اور عمل دو مختلف چیزیں ہیں اور ایمان اور تصدیق کامل ہو تو عمل کا نہ ہونا کچھ ضرر نہیں کرتا ایک شخص اگر دل سے توحید و نبوت کا معترف ہے اور فرائض نہیں ادا کرتا تو وہ مواخذہ سے بری ہے۔ اس رائے کا پہلا حصہ گو صحیح تھا مگر محدثین نے کچھ تفریق نہ کی اور کلیۃً اس مذہب کے مخالف ہو گئے۔ چونکہ قرآن کی بعض آیتیں بھی بظاہر اس کے موید تھیں ان کی رائے کو اور بھی قوت و شدت ہو گئی یہ ایک اجتہادی رائے تھی اور یہیں تک رہتا تو چنداں مضائقہ نہ تھا لیکن افسوس یہ ہے کہ ان بزرگوں نے یہانتک شدت کی کہ جو شخص ان کی رائے کے ساتھ متفق نہ ہوتا تھا اس کو فاسق یا کافر سمجھتے تھے قاضی ابو یوسف ایک بار شریک کی عدالت میں گواہ ہو کر گئے تو انہوں نے کہا میں اس شخص کی شہادت قبول نہیں کرتا جس کا یہ قول ہو کہ نماز جزو ایمان نہیں ہے۔

[1] ان واقعات کو حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں تفصیل کے ساتھ لکھا ہے

امام ابو حنیفہ کو اس سے کچھ بحث نہ تھی کہ مسئلہ فلاں شخص یا فلاں فرقہ کا ہے وہ اصل حقیقت کو دیکھتے تھے اور مغز سخن کو پہنچتے تھے جب یہ بحث اُن کے سامنے پیش کی گئی تو انہوں نے علانیہ کہا کہ ایمان اور عمل دو جدا گانہ چیزیں ہیں اور دونوں کا حکم مختلف ہے اسپر بہت سے لوگوں نے اُنھیں بھی مرجیہ کہا لیکن وہ ایسا مرجیہ ہونا خود پسند کرتے تھے۔ محدثین اور فقہا میں سے جو لوگ امام صاحب کے ہمزبان تھے اُنکو بھی یہی خطاب عنایت ہوا محدث ابن قتیبہ نے اپنی مشہور اور مستند کتاب المعارف میں مرجیہ کے عنوان سے بہت سے فقہا اور محدثین کے نام گنائے ہیں جنمیں سے چند یہ ہیں ابراہیم تیمی۔ عمرو بن مرۃ۔ طلق الحبیب۔ حماد بن سلیمان۔ عبد العزیز بن ابی داؤد خارجہ بن مصعب عمر بن قیس الاصر۔ ابو معاویۃ الضریر یحیی بن زکریہ۔ مسعر بن کدام۔ حالانکہ ان میں سے اکثر حدیث و روایت کے امام ہیں اور صحیح بخاری و مسلم میں ان لوگوں کی سینکڑوں روایتیں موجود ہیں۔ ہمارے زمانہ کے بعض کوتاہ بین جو اس سے بحث ہیں کہ امام صاحب کو بعض محدثین نے مرجیہ کہا ہے ابن قتیبہ کی فہرست دیکھتے تو شاید اُن کو تسلی ہوتی محدث ذہبی نے میزان الاعتدال میں مسعر بن کدام کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ ارجاء (مرجیہ ہونا) بہت سے علمائے کبار کا مذہب ہے اور اس مذہب کے قائل پر مواخذہ نکرنا چاہیئے یہ اُسی ارجا کی طرف اشارہ ہے جو امام ابو حنیفہ کا مذہب تھا۔

یہ مسئلہ اگرچہ بظاہر چنداں مہتم بالشان نہ تھا لیکن اُسکے نتائج بہت بڑا اثر رکھتے تھے اسی لحاظ سے امام صاحب نے نہایت آزادی سے اسکا اظہار کیا۔ عمل کو جزو ایمان قرار دینا اس بات کو مستلزم ہے کہ جو شخص اعمال کا پابند نہ ہو وہ مومن بھی نہ ہو جیسا کہ خارجیوں کا مذہب ہے جو مرتکب کبائر کو کافر سمجھتے ہیں۔ اگرچہ اکثر محدثین ایسے شخص کو کافر نہیں سمجھتے تھے لیکن یہ نہ سمجھنا اس وجہ سے تھا کہ وہ لزوم سے ناواقف تھے حالانکہ لزوم قطعی اور یقینی ہے جس سے انکار نہیں ہو سکتا۔

امام رازی نے جو امام شافعی کے بہت بڑے حامی ہیں کتاب مناقب الشافعی میں لکھا ہے کہ لوگوں نے امام شافعی پر یہ اعتراض کیا ہے کہ وہ متناقض باتوں کے قائل ہیں۔ کیونکہ ایک طرف تو وہ یہ کہتے ہیں کہ ایمان تصدیق و عمل کے مجموعہ کا نام ہے۔ ساتھ ہی اس بات کے بھی قائل ہیں کہ ترک عمل سے کوئی شخص کافر نہیں ہوتا حالانکہ مرکب چیز کا جب ایک جزو نہ رہا تو مرکب بھی من حیث المرکب نہ رہا۔ اسی لیئے معتزلہ جو اس بات کے قائل ہیں کہ عمل جزو ایمان ہے اس بات کے بھی قائل ہیں کہ عمل نہ ہو تو ایمان بھی نہیں لیکن امام شافعی کی طرف سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اصل ایمان اقرار اور اعتقاد کا نام ہے۔ باقی اعمال تو وہ ایمان کے ثمرات اور توابع ہیں لیکن چونکہ توابع پر بھی کبھی کبھی مجازاً اصل شے کا اطلاق ہوتا ہے اس لئے مجازاً اعمال پر بھی ایمان کا اطلاق ہوا اور یہ مسلم ہے کہ توابع کے فوت ہونے سے اصل شے فوت نہیں ہوتی۔

لیکن یہ جواب توجیہ القول بما لا یرضی بہ قائلہ ہے اور خود امام رازی کو اس کا اعتراف کرنا پڑا چنانچہ جواب کے

بعد فرماتے ہیں فیہ ترک ھذا المذھب یعنی اس جواب سے یہ مذہب باطل ہوا جاتا ہے۔ امام رازی گو شافعی المذہب اور اپنے امام کے نہایت طرفدار ہیں لیکن چونکہ صاحب نظر اور نکتہ شناس ہیں ان کو تسلیم کرنا پڑا کہ یا عمل کو ایمان کے توابع سے شمار کرنا چاہیئے یا مان لینا چاہیئے کہ جو شخص پابند عمل نہیں مومن بھی نہیں۔

اس بحث کے متعلق امام ابوحنیفہ کی ایک تحریر موجود ہے۔ جس کی طرز استدلال و استنباط نتائج سے امام صاحب کی وقت نظر کا اندازہ ہو سکتا ہے اور اصل مسئلہ کی حقیقت کھلتی ہے اس لئے اس موقع پر ہم اس کا حوالہ دینا مناسب سمجھتے ہیں یہ تحریر عثمان بتی کے ایک خط کا جواب ہے جو انہوں نے امام صاحب کو لکھا تھا عثمان اس زمانہ کے ایک مشہور محدث تھے عام لوگوں میں جب امام ابوحنیفہ کے ان خیالات کے چرچے ہوئے تو انہوں نے امام صاحب کو ایک دوستانہ خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ "لوگ آپ کو مرجیہ کہتے ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ آپ مومن کا ضال (گمراہ) ہونا جائز قرار دیتے ہیں مجھ کو ان باتوں کے سننے سے نہایت رنج ہوتا ہے کیا یہ باتیں صحیح ہیں؟" اس خط کے جواب میں امام صاحب نے ایک طولانی خط لکھا ہے جس کے فقرے ہم کہیں کہیں سے انتخاب کرتے ہیں حمد و نعت کے بعد عثمان بتی کی دوستانہ نصیحت اور خیر خواہی کا شکریہ ادا کر کے اصل مضمون اس طرح شروع کیا ہے میں آپ کو بتاتا ہوں کہ رسول اللہ کے مبعوث ہونے سے پہلے تمام لوگ مشرک تھے۔ رسول اللہ جب مبعوث ہوئے تو لوگوں کو اس بات کی طرف دعوت کی کہ خدا کو ایک مانیں اور رسول اللہ جو کچھ لائے اس کو تسلیم کریں۔ پس جو شخص اسلام میں داخل ہوتا تھا اور شرک چھوڑ دیتا تھا اس کی جان اور مال حرام ہو جاتا تھا پھر خاص ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاچکے تھے فرائض کے احکام آئے پس اس کا پابند ہونا عمل ٹھہرا اور خدا نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے الذین امنوا و عملوا الصلحت ومن یؤمن باللہ ویعمل صالحا اس قسم کی اور آیتیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ عمل کے نہ ہونے سے ایمان نہیں جاتا رہتا۔ البتہ اگر تصدیق و اعتقاد نہ ہو تو مومن کا اطلاق نہیں ہو سکتا اور عمل و تصدیق کا دو جداگانہ چیز ہونا اس سے بھی ظاہر ہے کہ تصدیق کے لحاظ سے سب مسلمان برابر ہیں لیکن اعمال کے لحاظ سے مراتب میں فرق ہوتا ہے کیونکہ دین و مذہب سب کا ایک ہی ہے خدا نے خود کہا ہے شرع لکم ما وصی به نوحا والذی اوحینا الیك وما وصی به ابراھیم وموسی وعیسی ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیه یعنی تمہارے لئے اسی دین کو مشروع کیا جس کی وصیت نوح کو کی تھی اور جو تجھ پر وحی بھیجی اور جس کی وصیت ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ کو کی وہ یہ کہ دین کو قائم رکھو اور اس میں متفرق نہ ہو۔

آپ کو جاننا چاہیئے کہ تصدیق میں ہدایت اور اعمال میں ہدایت یہ دونوں دو چیزیں ہیں آپ ایک شخص کو جو فرائض سے ناواقف ہو مومن کہہ سکتے ہیں۔ پس ایسا شخص فرائض کے لحاظ سے جاہل اور تصدیق کے لحاظ سے مومن ہے خود خدا نے قرآن پاک میں یہ اطلاقات کئے ہیں کیا آپ اس شخص کو جو خدا اور رسول خدا کے پہچاننے میں

گمراہ ہو اُس شخص کی برابر قرار دیں گے جو مومن ہو لیکن اعمال سے ناواقف ہو خدا نے جہاں فرائض بتلائے ہیں اُس موقع پر ارشاد فرمایا ہے کہ یبین اللہ لکم ان تضلوا یعنی خدا نے اس لئے بیان کیا کہ تم گمراہ نہ ہو دوسری آیت میں ہے ان تضل احدھما فتذکر احدھما الاخریٰ (یعنی ایک گمراہ ہو تو دوسری یاد دلا دے) حضرت موسیٰ کی زبان سے فرمایا فعلتہا اذا وانا من الضالین (یعنی میں نے جب وہ کام کیا تب میں گمراہ تھا) اِن آیتوں کے علاوہ اور بہت سی آیتیں ہیں جو اس دعوی کے ثبوت کیلئے دلائل قاطعہ ہیں اور حدیثیں تو اور بھی واضح اور صاف ہیں۔ حضرت عمرؓ اور حضرت علی رضؓ امیرالمومنین کے لقب سے پکارے جاتے تھے تو کیا اس کے یہ معنی تھے کہ وہ صرف اُن لوگوں کے امیر تھے جو فرائض اور اعمال کے پابند تھے حضرت علی رضؓ نے شام والوں کو جو اُن سے لڑتے تھے مومن کہا کیا قتل سے بڑھ کر کوئی گناہ ہے پھر جو لوگ قتل کے مرتکب ہوئے کیا آپ قاتلین اور مقتولین دونوں کو برسرحق قرار دیتے ہیں اگر آپ صرف ایک کو یعنی حضرت علی رضؓ اور طرفداران علی کو برسرحق تسلیم کریں گے تو دوسرے فریق کو کیا کہیں گے اُس کو خوب سمجھ لیجئے اور غور کیجئے میرا یہ قول ہے کہ اہل قبلہ سب مومن ہیں اور فرائض کے ترک سے کافر نہیں ہو سکتے جو شخص ایمان کے ساتھ تمام فرائض بجا لاتا ہے وہ مومن اور جنتی ہے جو ایمان اور اعمال دونوں کا تارک ہے وہ کافر اور دوزخی ہے۔ جو شخص ایمان رکھتا ہے اور فرائض اُس سے ترک ہو جاتے ہیں وہ مسلمان ضرور ہے لیکن گنہگار مسلمان ہے خدا کو اختیار ہے اُس پر عذاب کرے یا معاف کر دے۔

امام صاحب نے جس خوبی سے اس دعویٰ کو ثابت کیا ہے۔ انصاف یہ ہے کہ اس سے بڑھ کر نہیں ہو سکتا فرائض اور ایمان کے باہمی امتیاز کی اس سے عمدہ تر کیا دلیل ہوگی کہ آغاز اسلام میں ایمان کی دعوت ہوتی تھی اور فرائض کا وجود نہ تھا۔ امام صاحب نے قرآن کی جو آیتیں استدلال میں پیش کی ہیں اُن سے بداہتہً ثابت ہوتا ہے کہ دونوں دو چیزیں ہیں کیونکہ ان تمام آیتوں میں عمل کو ایمان پر معطوف کیا ہے اور ظاہر ہے کہ جزو کل پر معطوف نہیں ہو سکتا من یومن باللہ فیعمل صالحا میں حرف تعقیب آیا ہے جس سے اس بحث کا قطعی فیصلہ ہو جاتا ہی ان دلائل قاطعہ کے مقابلہ میں دوسری طرف بعض آیتیں اور حدیثیں ہیں لیکن ان میں سے کوئی اثبات مدعا کے لئے کافی نہیں بڑا استدلال اس حدیث پر ہے کہ مومن مومن ہو کر زنا اور چوری نہیں کرتا حالانکہ یہ کلام کے زور دینے کا ایک پیرایہ ہے ہم اپنی زبان میں کہتے ہیں کہ بھلا آدمی ہو کر تو ایسا کام نہیں کر سکتا۔ جس کا صرف یہ مطلب ہوتا ہے کہ وہ کام شان شرافت کے خلاف ہے۔ بے شبہ زنا اور سرقہ بھی ایمان کی شان کے خلاف ہیں اور حدیث کا مقصد اسی قدر ہے۔ ورنہ ابوذر کی حدیث میں صراحتہً یہ الفاظ موجود ہیں کہ جو شخص لا الٰہ الا اللہ کا قائل ہے جنت میں جائیگا گو زانی اور چور ہو۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ الایمان لا یزید ولا ینقص یعنی ایمان کم و بیش نہیں ہو سکتا۔ بے شبہ یہ امام صاحب کا قول ہے لیکن اس کی تعبیر میں لوگوں نے غلطی کی ہے۔ نہ صرف محدثین اور شافعیہ نے بلکہ خود احناف نے بھی۔ ایمان کی کمی و زیادتی دو لحاظ سے ہو سکتی ہے ایک اس اعتبار سے کہ وہ مقولۂ کیف سے ہے جس میں شدت اور ضعف ممکن ہے یا دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ ایمان یقین کا نام ہے اور یقین کے مراتب متفاوت ہوتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب خدا سے کہا کہ اے خدا تو مردوں کو کیونکر جلاتا ہے تو ارشاد ہوا اولم تومن، یعنی کیا اب تک تجھ کو یقین نہیں آیا۔ عرض کیا کہ یقین ضرور ہے لیکن لیطمئن قلبی اور زیادہ اطمینان خاطر چاہتا ہوں خدا نے متعدد آیتوں میں صاف تشریح کر دی ہے کہ ایمان میں ترقی ہوتی ہے زادتہم ایمانا۔ اس مسئلہ میں نص صریح ہے۔ لیکن امام ابو حنیفہ کو بلحاظ اس معنی کے نہ انکار ہے نہ یہ امر اس وقت زیر بحث تھا۔ امام صاحب کے دعوے کا اور منشا ہے اور وہ بالکل صحیح ہے۔ جن لوگوں نے عمل کو جزو ایمان قرار دیا۔ ان کا مذہب ہے کہ ایمان بلحاظ مقدار کے زیادہ کم ہوتا ہے جو شخص اعمال کا زیادہ پابند ہے وہ زیادہ مومن ہے جو گنہگار ہے۔ وہ کم مومن ہے محدثین صراحۃً اس کے مدعی ہیں اور اس پر دلیلیں لاتے ہیں۔ علامہ قسطلانی صحیح بخاری کی شرح میں لکھتے ہیں۔ فاعلم ان الایمان یزید بالطاعات وینقص بالمعصیۃ یعنی "ایمان ثواب کے کام کرنے سے زیادہ ہوتا ہے اور گناہ سے گھٹ جاتا ہے" اور محدثین نے بھی جا بجا اس کی تصریح کی ہے امام ابو حنیفہ اس اعتبار سے ایمان کی زیادت و نقصان کے منکر تھے اُن کے نزدیک جب اعمال جزو ایمان نہیں تو اعمال کی کمی بیشی سے ایمان میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی اور یہ بالکل صحیح ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ ابو بکر کو تم لوگوں پر جو ترجیح ہے وہ کثرت صوم و صلوٰۃ کی وجہ سے نہیں بلکہ اس چیز کی وجہ سے ہے جو اس کے دل میں ہے" غرض امام صاحب کا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ ایمان بلحاظ کیفیت یعنی شدت و ضعف کے زیادہ و کم نہیں ہو سکتا بلکہ اُن کا یہ دعویٰ ہے کہ ایمان مقدار کے اعتبار سے کم و بیش نہیں ہوتا۔ یہ دعویٰ اس بات کی فرع ہے کہ اعمال جزو ایمان نہیں ہیں اور اس کو ہم ابھی ثابت کر چکے ہیں۔

متعلق ایمان میں سب برابر ہیں۔

امام صاحب اس بات کے بھی قائل تھے کہ متعلق ایمان میں کچھ تفاوت نہیں ہے یعنی معتقدات کے لحاظ سے سب مسلمان برابر ہیں۔ ایمان کے لئے جن مسائل پر اعتقاد رکھنا ضروری ہے وہ سب کیلئے یکساں ہیں صحابہ اور عام مسلمان اس لحاظ سے برابر ہیں کہ دونوں ایک ہی چیز یعنی توحید و نبوت کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ فرق ہے تو اعتقاد کی شدت اور ضعف میں ہے۔ اسی مطلب کو امام صاحب نے عثمان بتی کے جواب میں ان الفاظ سے بیان کیا ہے کہ دین اھل السماء والارض واحد یعنی آسمان و زمین والوں کا ایک ہی دین ہے پھر اس دعوے پر آیت قرآنی سے استدلال کیا ہے شرع لکم من الدین ما وصینا بہ نوحا یعنی ہم نے تمہارے لئے وہی دین

شروع کیا جس کی وصیت نوح کو کی تھی" مخالفین نے بڑے زور شور سے امام صاحب پر یہ الزام لگایا کہ وہ اس بات کے قائل تھے کہ میرا ایمان اور ابوبکر صدیقؓ کا ایمان برابر ہے" اگرچہ امام صاحب کیطرف اس قول کی اسناد ثابت نہیں لیکن اگر ثابت ہو تو کیا نقصان ہے۔ جس اعتبار سے وہ مساوات کے مدعی ہیں اس سے کس کو انکار ہو سکتا ہی تعجب اور سخت تعجب ہے کہ ایسا صاف مسئلہ معترضوں کی سمجھ میں نہ آیا خطیب بغدادی نے صفحے کے صفحے سیاہ کر دیئے اور یہ نہ سمجھے کہ امام صاحب کا دعویٰ کیا ہے اُن کو یہ الفاظ نہایت گراں گذرتے ہیں کہ ہمارا اور صحابہ کا ایمان برابر ہی وہ یہ نہیں سمجھتے کہ بہت سی چیزوں میں ہم اور صحابہ برابر ہیں تاہم ہم میں اور صحابہ میں زمین آسمان کا فرق ہی

اگرچہ اس قسم کے تمام مسائل میں امام صاحب اپنی خاص رائیں رکھتے تھے لیکن وہ مخالف رایوں پر کفر و فسق کا الزام نہیں لگاتے تھے۔ یہ فیاض دلی امام صاحب کا خاصہ ہی اور قرون اولیٰ کے بعد اسلام میں اُس کی بہت کم نظیریں ملتی ہیں۔ اسلام کو ان مشاجرات نے زیادہ نقصان نہیں پہنچایا جو اختلاف آرا کی بنا پر قائم ہو گئیں ان اختلافات کی بنیاد اگرچہ خود صحابہ کے زمانہ میں شروع ہو چکی تھی۔ عبد اللہ بن عباس اور بہت سے صحابہ کا اعتقاد تھا کہ رسول اللہ نے معراج میں خدا کو آنکھوں سے دیکھا۔ حضرت عائشہ رضؓ نہایت اصرار سے اُس کے مخالف تھیں" امیر معاویہ کو معراج جسمانی سے انکار تھا۔ حضرت عائشہ رضؓ سماع موتیٰ کی قائل نہ تھیں لیکن اُس زمانہ تک ان اختلافات پر ہدایت و گمراہی کا مدار نہ تھا۔ جو لوگ مختلف رائیں رکھتے تھے اُن میں کسی نہ کسی کی تکفیر یا تفسیق نہیں کی۔ حضرت عبد اللہ بن عمر سے ایک شخص نے پوچھا کہ "کچھ لوگ پیدا ہوئے ہیں جو قرآن کی غلط تاویل کرتے ہیں اور ہم کو کافر قرار دیتے ہیں وہ خود کافر ہیں یا نہیں" حضرت عبد اللہ نے فرمایا کہ اُس وقت تک کوئی شخص کافر نہیں ہو سکتا جب تک خدا کو دو نہ کہے" صحابہ کے بعد یہ اختلافات زور پکڑتے گئے اور رفتہ رفتہ مستقل فرقے قائم ہو گئے۔ اعتقادی اور فقہی مسائل اکثر ایسے ہیں جن میں نص قاطع موجود نہیں اور ہیں تو متعارض ہیں اس لئے استنباط اور رفع تعارض کی ضرورت نے اجتہاد کو بہت وسعت دی اور سیکڑوں رائیں قائم ہو گئیں بے شبہ ان میں بہت سی رائیں صحیح نہیں لیکن یہ ضرور نہیں کہ وہ سب کفر ہوں۔

افسوس ہے کہ سرگرم طبیعتیں جو مذہبی جوش اور تقدس کے نشہ میں سرشار تھیں۔ اختلاف رائے کے صدمہ کی تاب نہ لا سکیں اور نہایت بے صبری سے مخالفت پر آمادہ ہو گئیں۔ بات بات پر کفر کے فتوے دینے لگے جو لوگ جس قدر زیادہ مذہبی حرارت رکھتے تھے اُسی قدر کفر کے اطلاق میں کم احتیاط کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ یہاں تک نوبت پہنچی کہ ہر فریق نے دوسرے کی ضلالت و گمراہی ثابت کرنے کیلئے حدیثیں گھڑ لیں روایتوں سے اعانت لی اور اس قسم کی حدیثیں ایجاد ہونے لگیں کہ میری امت میں ۷۳ فرقے پیدا ہونگے جنمیں صرف ایک جنتی ہوگا باقی سب دوزخی اس فرضی تعداد کو بھی پورا کرنا ضرور تھا اسلیئے کھینچ تان کر ۷۳ فرقے قرار دئے اور سب کے الگ الگ نام رکھے اس

لے آثار امام محمد صفحہ ۱۲۶۵

پر بھی تسکین نہ ہوئی تو ہر ہر فرقے کے لئے جدا جدا روایتیں گھڑیں مثلاً القدریہ مجوس ھذہ الامۃ وغیرہ وغیرہ۔

ان تعصبات اور جھگڑوں نے جماعت اسلامی کے تمام اجزا پراگندہ کر دیئے اور مذہب اخلاق حکومت تمدن معاشرت سب کا نقشہ بگڑ گیا۔ اس عالمگیر آشوب میں صرف ایک امام ابو حنیفہ تھے جن کی صدا سب سے الگ تھی اور جو پکار کر کہتے تھے لا نکفر احدا من اھل القبلۃ یعنی اہل قبلہ میں سے ہم کسی کو کافر نہیں سمجھتے" اُس وقت تو اس صدا پر چنداں توجہ نہیں ہوئی لیکن زمانہ جس قدر ترقی کرتا گیا اس جملہ کی قدر بڑھتی گئی یہاں تک کہ وہ علم کلام کا ایک بیش بہا اصول بن گیا اگرچہ افسوس ہے کہ اس پر عمل کم کیا گیا اور تکفیر کے غلغلے اب بھی پست نہ ہوتے۔

امام صاحب کی یہ رائے نہایت غور و تحقیق و تجربہ کے بعد قائم ہوئی تھی بڑے بڑے مشہور بانیان مذہب انہیں کے زمانہ میں پیدا ہوئے تھے اور امام صاحب کو اُن سے ملنے کا موقع حاصل ہوا تھا خارجیوں کا صدر مقام بصرہ تھا جو امام صاحب کے شہر سے نہایت قریب تھا واصل بن عطاء و عمرو بن عبید جو مذہب اعتزال کے بانی اور مروج تھے بصرہ ہی کے رہنے والے اور امام صاحب کے ہمعصر تھے جہم بن صفوان جس کے نام پر فرقہ جہمیہ مشہور ہے اسی زمانہ میں تھا۔ امام صاحب ان میں سے اکثروں سے ملے اور ان کے خیالات سے مطلع ہوئے تھے ان فرقوں کی نسبت جو اقوال مشہور تھے کچھ تو سرے سے غلط اور افترا تھے بعض کی تعبیر غلط طور پر کی گئی تھی۔ بعض دراصل لغو و باطل تھے لیکن کفر کی حد تک نہ پہنچے تھے اس لئے امام ابو حنیفہ نے یہ عام حکم دیا کہ "اہل قبلہ سب مومن ہیں" وہ دیکھ رہے تھے کہ جن مسائل پر قیامتیں برپا ہیں جو کفر و اسلام کی معیار قرار دی گئی ہیں وہ صرف لفظی بحثیں اور فرضی اصطلاحیں ہیں سب سے بڑا مسئلہ قدم قرآن کا تھا جس کو لوگوں نے کلمۂ توحید کی برابر قرار دیا تھا بڑے بڑے علماء کا قول ہے کہ "اسلام کو دو شخصوں نے نہایت نازک وقتوں میں محفوظ رکھا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضؓ جنہوں نے رسول اللہ کی وفات کے بعد مرتدین عرب کا استیصال کیا اور امام احمد حنبل جو مامون رشید کے زمانہ میں حدوث قرآن کے منکر رہے بلکہ ایک اعتبار سے امام احمد حنبل کو ترجیح ہے کیونکہ صحابہ حضرت ابو بکر کے معاون اور انصار تھے لیکن امام حنبل کا کوئی مددگار نہ تھا۔ رجال کی کتابوں میں جب کسی شخص کو ثقہ اور مستند ثابت کیا جاتا ہے سب سے بڑی دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ وہ حدوث قرآن کو کفر سمجھتا تھا" حالانکہ یہ صرف ایک لفظی بحث ہے جو لوگ قرآن کو حادث کہتے تھے اُن کی غرض ان الفاظ اور اصوات سے تھی جن کا ظہور رسول کی زبان سے ہوا یا جس پر عام طور سے قرآن کا اطلاق کیا جاتا ہے جو قدیم مانتے تھے وہ کلام سے کلام نفسی کو مراد لیتے تھے جو خدا کی صفات میں سے ہے امام ابو حنیفہ سے اس بارے میں مختلف اقوال ہیں اور وہ اسی تفصیل کی بنا پر ہیں ایک شخص نے اُن سے پوچھا کہ قرآن حادث ہے یا قدیم۔ فرمایا کہ حادث کیونکہ قرآن خدا نہیں اور جو خدا نہیں وہ حادث ہے۔ غرض اس قسم کے مسائل نفیاً یا اثباتاً تھی نہیں ہیں اور اس وجہ سے وہ کفر و اسلام کے معیار نہیں ہو سکتے امام

ملہ کتاب الاوائل ابو ہلال عسکری ۱۲

ابوحنیفہ کی نکتہ شناسی کی بڑی دلیل یہ ہی کہ اُنھوں نے اسلام کے دائرہ کو من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ کی وسعت رکھتا تھا اصلی وسعت پر قائم رکھا۔ افسوس ہی کہ اِن کی اس رائے پر بہت کم لحاظ کیا گیا ورنہ امام غزالی محی الدین عربی حضرت غوث الاعظم۔ ابن تیمیہ و ابوطالب مکی کو ہم فقہا کی زبان سے کافر نہ سنتے۔

حدیث اور اصول حدیث

یہ خیال اگرچہ غلط اور بالکل غلط ہے کہ امام ابوحنیفہ علم حدیث میں کم پایہ تھے تاہم اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ عام طور پر وہ محدث کے لقب سے مشہور نہیں۔ بزرگان سلف میں سینکڑوں ایسے گذرے ہیں جو اجتہاد و روایت دونوں کے جامع تھے لیکن شہرت اسی صفت کیساتھ ہوئی جو اُن کا کمال غالب تھا امام ابوحنیفہ کی تو حدیث پر کوئی تصنیف نہیں تعجب ہے کہ امام مالکؒ امام شافعی بھی اس لقب کیساتھ مشہور نہ ہوئے نہ اُنکی حدیثوں کو وہ قبول عام حاصل ہوا جو صحاح ستہ کو ہوا امام احمد حنبل ان لوگوں کی نسبت علم حدیث میں زیادہ نام آور ہیں اُنکی مسند کو یہ خصوصیت حاصل ہی کہ صحیح حدیثوں کا اتنا بڑا مجموعہ اور کوئی نہیں ملسکتا لیکن جسقدر حدیث و روایت میں اُن کا زیادہ اعتبار ہی اسیقدر سِتنا اور اجتہاد میں اُنکی نام آوری کم ہے۔ علامہ طبری نے جو خود بھی محدث اور مجتہد تھے مجتہدین میں اُن کا شمار نہیں کیا قاضی ابن عبد البر نے کتاب الانتہائی الثلثۃ الفقہا میں جو مجتہدین کے حالات میں ہی۔ امام ابوحنیفہ و امام مالکؒ امام شافعی پر اکتفا کی امام رازی مناقب الشافعی میں لکھتے ہیں کہ امام شافعی کے بعد کوئی مجتہد مطلق پیدا نہیں ہوا اگرچہ امام احمد حنبل کی نسبت گروہ کثیر علما کی یہی رائے تھی کہ وہ اجتہاد کامل کا منصب رکھتے تھے تاہم اُنکے اجتہاد پر اتفاق عام نہوا۔

حقیقت یہ ہی کہ مجتہد و محدث کی حیثیتیں الگ الگ ہیں۔ محدث مواعظ قصص۔ فضائل۔ سیر ہر ایک قسم کی روایتوں کا استقصا کرتا ہے بخلاف اس کے مجتہد کو زیادہ تر صرف اُن احادیث سی غرض ہوتی ہی جس سے کوئی حکم شرعی مستنبط ہو ہے یہی سبب ہی کہ محدثین کی بہ نسبت مجتہدین ہمیشہ قلیل الروایت ہوئے مؤطا میں جو امام مالک کی تمام روایتوں کا مجموعہ ہے زیادہ سے زیادہ ہزار حدیثیں ہیں جن میں صحابہ اور تابعین کے اقوال بھی شامل ہیں۔ امام شافعی نے امام احمد حنبل کے سامنے اکثر اعتراف کیا ہے کہ تم لوگ بہ نسبت ہمارے احادیث سے زیادہ واقف ہو۔ قاضی یحییٰ بن اکثم جو ترمذی کے شیخ ہیں حسرت سے کہا کرتے تھے کہ اگر امام شافعی نے علم حدیث کی طرف پوری توجہ کی ہوتی تو ہم لوگوں کو سب سے بے نیاز کر دیا ہوتا حافظ ابن حجر نے توالی التاسیس میں جو امام شافعی کے حالات میں ایک مختصر اور مفید رسالہ ہے جہاں امام شافعی کے شیوخ نے حدیث سے بحث کی ہی خاتمہ پر لکھا ہی کہ ولم یکثر من الشیوخ کعادۃ اهل الحدیث لاقباله علی الاشتغال بالفقہ یعنی وہ بہت سے شیوخ سی نہیں ملے جیسا کہ اہل حدیث کی عادت ہی کیونکہ اُن کو فقہ کا شغل رہتا تھا۔ حافظ ابن حجر نے امام شافعی کی بہ وجہ قلت شیوخ

؎ طبقات المفسرین حافظ حافظ جلال الدین سیوطی ترجمہ علامہ طبری ؎ توالی التاسیس لحافظ ابن حجر صفحہ ۱۰۵-۱۲

کا جو سبب بیان کیا۔ امام ابوحنیفہ کی قلت روایت کا بھی وہی سبب ہے لیکن افسوس ہے کہ بعض لوگوں نے اس دائرہ کو زیادہ وسیع کیا۔ اور عموماً اُن کی قلت روایت کے قائل ہوئے۔ یہ خیال کچھ نیا نہیں ہے اگلے زمانہ میں بھی بعض بعض لوگوں کی یہ رائے تھی اور وہی غلط فہمی آجتک چلی آتی ہے۔

اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ امام ابوحنیفہ کے وہ واقعات جو منظر عام پر نمایاں ہیں اُن سے ایک ظاہر بین شخص ایسی ہی رائے قائم کر سکتا ہے۔ حدیث میں اُن کی کوئی تصنیف موجود نہیں صحاح میں بجز ایک دو روایت کے اُن کا نام تک نہیں پایا جاتا۔ سب سے زیادہ یہ کہ اُن کی شہرت اہل الرائے کے لقب سے ہے جس سے متبادر ہوتا ہے کہ حدیث سے اُن کو کم تعلق تھا۔ اس قدر ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ مغازی قصص سیر وغیرہ میں اُن کی نظر چنداں وسیع نہ تھی امام مالک و امام شافعی کا بھی یہی حال تھا۔ لیکن احکام و عقائد کے متعلق امام ابوحنیفہ کو جو واقفیت اور تحقیق حاصل تھی اس سے انکار کرنا صرف کم نظری اور ظاہر بینی کا نتیجہ ہے اُن کی تصنیف یا روایتوں کا مدون نہ ہونا قلت نظر کی دلیل نہیں ہو سکتا۔ حضرت ابوبکرؓ صدیق سے زیادہ کسی صحابی کو رسول اللہؐ کے ساتھ جلوت و خلوت میں رہنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ رسول اللہؐ کے اقوال و افعال سے جس قدر واقف

خلفائے اربعہ کی قلت روایت

تھے اور کون ہو سکتا تھا۔ لیکن حدیث کی تمام کتابوں میں اُن کی روایت سے جسقدر صحیح حدیثیں ہیں اُن کی تعداد سترہ سے زیادہ نہیں کون شخص کہہ سکتا ہے کہ اُن کو صرف اسی قدر حدیثیں معلوم تھیں۔ حضرت ابوبکرؓ صدیق کے بعد عمرؓ فاروق کا درجہ ہے۔ اُن سے بھی صرف پچاس حدیثیں مروی ہیں جن میں سے بعض کا کافی ثبوت نہیں۔ حضرت عثمانؓ و جناب امیرؓ کا بھی یہی حال ہے بخلاف اُن کے حضرت ابوہریرہ سے ۵۳۷۴۔ انس سے ۲۲۸۶۔ عبد الرحمان بن عباس سے ۲۶۶۰۔ جابر سے ۱۵۴۰۔ عبد اللہ بن عمر سے جو رسول اللہؐ کے زمانہ میں نوجوان تھے ۲۶۳۰ حدیثیں مروی ہیں۔ اگر روایتوں کا موجود ہونا ہی معیار ہے تو خلفائے اربعہ کی نسبت تسلیم کرنا پڑیگا یا اُن کا حافظہ ضعیف اور نہایت ضعیف تھا یا دانستہ اُن کو رسول اللہؐ کے اقوال و افعال کی طرف التفات اور توجہ نہ تھی وحاشا عن ذلک۔ یہ سچ ہے کہ صحاح ستہ کے مصنفین نے امام صاحب سے روایت نہیں کی (دو ایک روایتیں مستثنےٰ ہیں) لیکن اس الزام میں اور ائمہ بھی شریک ہیں۔ امام شافعی نے جن کو بڑے بڑے محدثین مثلاً امام احمد حنبل اسحٰق بن راہویہ۔ ابو ثور حمیدی۔ ابو زرعہ الرازی ابو حاتم نے حدیث اور روایت کا مخزن تسلیم کیا ہے اُن کی سند سے صحیحین میں ایک بھی موجود نہیں بلکہ بخاری و مسلم نے کسی اور تصنیف میں بھی امام شافعی کی سند سے کوئی روایت نہیں کی۔ امام رازی نے بخاری و مسلم کی اس

بخاری و مسلم نے امام شافعی کی سند سے کوئی حدیث روایت نہیں کی

لہ مناقب الشافعی اللامام الرازی خلفائے اربعہ کی نسبت یہ تعداد میں نے امام شافعی کے قول کے مطابق لکھے ہیں ورنہ محدثین کے نزدیک اس سے زیادہ حدیثیں ان لوگوں سے مروی ہیں تاہم اس سے زیادہ تعداد نہیں پہنچی جس پر کثرت روایت کا اطلاق کیا جاتا ہے ۱۲

بے اعتنائی کی بہت سی تاویلیں کی ہیں مگر کوئی معقول بات نہیں بتا سکے صحیحین پر موقوف نہیں ترمذی۔ ابوداؤد ابن ماجہ۔ نسائی میں بھی بہت کم ایسی حدیثیں ہیں جن کے سلسلہ رواۃ میں امام شافعی کا نام آیا ہو حقیقت یہ ہے کہ بعض محدثین نے اعتماد اور استنباط کا جو معیار قرار دیا تھا اُس میں اہل نظر بلکہ اکثر لوگوں کے لئے کم گنجائش تھی علامہ قسطلانی نے شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ امام بخاری فرمایا کرتے تھے کہ میں نے کسی ایسے شخص سے حدیث نہیں لکھی جس کا یہ قول نہ تھا کہ الایمان۔ قول و عمل[1] اگر یہ صحیح ہے تو امام ابوحنیفہ کو اُنکے دربار میں پہنچنے کی کیوں کر امید ہو سکتی ہے۔ امام بخاری نے تاریخ کبیر میں امام شافعی کا ذکر کیا ہے لیکن جس بے پروائی سے کیا ہے اُس کے لحاظ سے امام رازی نے یہی غنیمت سمجھا کہ تضعیف نہیں کی۔ چنانچہ امام شافعی کے فضائل میں فرماتے ہیں واما الامام محمد بن اسمعیل البخاری فقد ذکر الشافعی فی تاریخہ الکبیر فقال باب محمد بن ادریس بن عبد اللہ محمد الشافعی القرشی مات سنۃ اربع ومائتین ثم انہ ما ذکرہ فی باب الضعفاء مع علمہ بانہ کان قد روی شیئا کثیرا من الحدیث ولو کان من الضعفاء فی ھذا الباب الذکر[2] یعنی امام بخاری نے شافعی کا ذکر تاریخ کبیر میں کیا ہے چنانچہ فلاں باب میں لکھا ہے کہ محمد بن ادریس بن عبد اللہ محمد الشافعی القرشی نے ۲۰۴ھ میں وفات پائی لیکن اُن کو ضعفا کے باب میں ذکر نہیں کیا۔ حالانکہ امام بخاری جانتے تھے کہ شافعی نے بہت سی حدیثیں روایت کی ہیں اور اگر وہ اس باب میں ضعیف ہوتے تو امام بخاری ضرور اُنکو ضعیف لکھتے۔ امام اوزاعی جو محدث اور مجتہد مستقل تھے اور بلاد شام میں اُن کا وہی اعزاز و اعتبار تھا جو عرب و عراق میں امام مالک و شافعی کا اُن کی نسبت کسی نے امام احمد حنبل سے رائے پوچھی۔ فرمایا حدیث ضعیف رائے ضعیف لطف یہ ہے کہ مجتہدین جس چیز پر فخر کر سکتے ہیں وہ وُسعت نظر قوت استنباط۔ استخراج مسائل۔ تفریع احکام ہے لیکن محدثین کے ایک گروہ کے نزدیک یہی باتیں عیب و نقص میں داخل ہیں علامہ ابوجعفر محمد بن جریر طبری۔ قاضی ابو یوسف کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ اہل حدیث میں سے ایک گروہ نے اُن کی روایت سے اِس بنا پر احتراز کیا ہے کہ اُن پر رائے غالب تھی اور فروع احکام کی تفریع کرتے تھے اِن باتوں کے ساتھ بادشاہ کی صحبت میں رہتے تھے اور منصب قضا پر مامور تھے[3] اگر فروع اور احکام کا استنباط بھی جرم ہے تو بے شبہ امام ابوحنیفہ قاضی ابو یوسف سے زیادہ مجرم ہیں۔

البتہ یہ بات غور کے قابل ہے کہ امام ابوحنیفہ اور اُن کے اتباع کو کیوں اہل الرائے کہا جاتا تھا۔ اِس باب میں اکثر لوگوں نے غلطی کی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے شہرت عام کے مقابلے میں تحقیق کی پروا نہ کی۔

اس بحث کے تصفیہ کیلئے سب سے پہلے یہ پتا لگانا چاہیئے کہ یہ لقب کب ایجاد ہوا۔ اور کن لوگوں پر اطلاق کیا گیا

جس شخص کے عمل کو ایمان کی حقیقت میں داخل نہیں سمجھا امام بخاری ان سے روایت نہیں کرتے تھے۔

[1] حافظ ابن حجر نے فتح الباری کے مقدمہ میں امام بخاری کا یہ قول نقل کیا ہے ۱۲

[2] مناقب الشافعی امام الرازی باب رابع ۱۲ [3] تاریخ ابن خلکان ترجمہ فارسی ابو یوسف ۱۲

گیا۔ جہانتک ہم کو علم ہے اس لقب کیساتھ اوّل جسکو یہ امتیاز حاصل ہی وہ ربیعۃ الرائے ہیں جو امام مالک کی استاد اور شیخ الحدیث تھے۔ رائے کا لفظ اُنکے نام کا جزو بنگیا ہی اور تاریخ اور اسماء الرجال میں ہمیشہ اُن کا نام ربیعۃ الرائے لکھا جاتا ہے۔ یہ مشہور محدث اور فقیہہ تھے اور بہت سے صحابہ سے ملے تھے علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں اُن کا ذکر ان لفظوں سے کیا ہی "تمام اصحاب کتب (یعنی صحاح ستہ) نے اُن سے احتجاج کیا ہی۔ عبد العزیز ماجشون کا قول ہے کہ واللہ میں نے ربیع سے زیادہ کسی کو حافظ الحدیث نہیں دیکھا۔

اہل الرائے کی تحقیق ربیعۃ الرائے

اسی زمانہ میں اور اُس کے بعد اور لوگ بھی اس لقب سے پکارے گئے محدث ابن قتیبہ نے کتاب المعارف میں اہل الرائے کی سُرخی سے ایک باب باندھا ہی اور عنوان کے نیچے یہ نام لکھے ہیں۔ ابن ابی لیلیٰ۔ ابو حنیفہ ربیعۃ الرائے۔ زفر۔ اوزاعی۔ سفیان ثوری۔ مالک بن انس۔ ابو یوسف قاضی۔ محمد بن حسن"۔ ابن قتیبہ نے ۲۷۶ھ میں وفات پائی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کم از کم تیسری صدی تک مذکورہ بالا لوگ اہل الرائے کے لقب سے مشہور تھے اگرچہ یہ سب لوگ درحقیقت (زفر کے سوا) محدث ہیں لیکن امام مالک سفیان ثوری امام اوزاعی کی شہرت تو محتاج بیان نہیں۔ اصل یہ ہی کہ جو لوگ علم حدیث کی درس تدریس میں مشغول تھے ان میں دو فرقے قائم ہو گئے تھے ایک وہ جن کا کام صرف حدیثوں اور روایتوں کا جمع کرنا تھا وہ حدیث سے صرف من حیث الروایۃ بحث کرتے تھے یہانتک کہ اُنکو ناسخ و منسوخ سے بھی کچھ سروکار نہ تھا۔ دوسرا فرقہ حدیثوں کو استنباط احکام اور استخراج مسائل کے لحاظ سے دیکھتا تھا اور کوئی نص صریح نہیں ملتی تھی تو قیاس سے کام لیتا تھا اگرچہ یہ دونوں حیثیتیں دونوں فریق میں کسی قدر مشترک تھیں لیکن وصف غالب کے لحاظ سے ایک دوسرے سے ممتاز تھا پہلا فرقہ اہل الروایۃ اور اہل حدیث اور دوسرا فرقہ مجتہد اور اہل الرائے کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ امام مالک سفیان ثوری اوزاعی اس لئے اہل الرائے کہلائے کہ وہ محدث ہونے کیساتھ مجتہد مستقل اور بانی مذہب تھے لیکن چونکہ ان لوگوں میں بھی معلومات حدیث اور قوت اجتہاد کے لحاظ سے اختلاف مراتب تھا۔ اس لئے اضافی طور پر کبھی کبھی اس فرقے میں سے ایک کو اہل الرائے اور دوسرے کو اہل حدیث کہتے تھے مثلاً امام مالک کی بہ نسبت امام ابو حنیفہ پر مجتہد اور اہل الرائے کا لقب زیادہ موزوں تھا۔ امام احمد حنبل سے ایک بار نضر بن یحییٰ نے پوچھا کہ آپ لوگوں کو ابو حنیفہ پر کیا اعتراض ہی" اُنھوں نے جواب دیا کہ "رائے" نضر نے کہا کہ کیا امام مالک رائے پر نہیں عمل کرتے۔ امام احمد حنبل بولے کہ ہاں لیکن ابو حنیفہ رائے کو زیادہ دخل دیتے ہیں نضر نے کہا تو حصۂ رسدی کے موافق دونوں پر الزام آنا چاہیئے نہ صرف ایک پر امام احمد حنبل کچھ جواب نہ دے سکے اور چپ ہو گئے۔

جو لوگ اہل الرائے کے لقب سے مشہور تھے

امام صاحب کیوں اہل الرائے کے لقب سے مشہور ہوئے کی وجہ

امام ابو حنیفہ سے پہلے فقہ کوئی مستقل اور مرتب فن نہ تھا۔ امام صاحب نے اُس کی تدوین کی طرف توجہ

کی تو ہزاروں مسئلے ایسے پیش آئے جنمیں کوئی حدیث صحیح بلکہ صحابہ کا قول ہی موجود نہ تھا اس لئے انکو قیاس سے کام لینا پڑا قیاس پر پہلے بھی عمل تھا۔ خود صحابہ قیاس کرتے تھے اور اسکے مطابق فتوے دیتے تھے (اس کا مفصل بیان آگے آئیگا) لیکن اسوقت تک تمدن کو چنداں وسعت حاصل نہ تھی اس لیئے نہ کثرت سے واقعات پیش آتے تھے نہ چنداں قیاس کی ضرورت پڑتی تھی امام صاحب نے فقہ کو مستقل فن بنانا چاہا قیاس کی کثرت استعمال کے ساتھ اسکے اصول وقواعد بھی مرتب کرنے پڑے اسباب نے انکو رائے اور قیاس کے انتساب سے زیادہ شہرت دی چنانچہ تاریخوں میں جہاں ان کا نام لکھا جاتا ہے امام اہل الرائے لکھا جاتا ہے۔

ایک اور وجہ

اس شہرت کی ایک اور وجہ ہوئی۔ عام محدثین۔ حدیث و روایت میں درایت سے بالکل کام نہیں لیتے تھے امام ابوحنیفہ نے اس کی ابتدا کی اور اس کے اصول و قواعد منضبط کئے انھوں نے بہت سی حدیثیں اس بنا پر قبول نہ کیں کہ اصول و روایت کے موافق ثابت نہ تھیں اسلیئے اس لقب کو زیادہ شہرت ہوئی۔ کیونکہ درایت اور رائے مترادف سے الفاظ ہیں اور کم ازکم یہ کہ عام لوگ ان دونوں میں فرق کر سکتے تھے۔

امام ابوحنیفہ کا محدث اور حافظ الحدیث ہونا

ان عارضی بحثوں کے بعد ہم اصل مسئلہ پر متوجہ ہوتے ہیں یعنی یہ کہ امام ابوحنیفہ کو فن حدیث میں کیا رتبہ حاصل تھا اس بحث کے فیصلے کیلئے ان کی علمی زندگی کے واقعات پر نظر ڈالنی چاہئے تو نہایت صحیح اور مستند روایتوں سے ثابت ہیں اس کتاب کے پہلے حصہ میں ہم امام ابوحنیفہ کی تحصیل حدیث کے حالات ان کتابوں کی سند سے لکھ آئے ہیں جن پر فن رجال کا دارمدار ہے اب غور کرو کہ جس شخص نے بیس برس کی عمر سے جو فہم کی درستی اور پختگی کا زمانہ ہے علم حدیث پر توجہ کی ہو اور ایک مدت تک اس شغل میں مصروف رہا ہو جسنے کوفہ کے مشہور شیوخ حدیث سے حدیثیں سیکھی ہوں۔ جو حرم محترم کی درسگاہوں میں برسوں تحصیل حدیث کرتا رہا ہو جسکو مدینہ منورہ کے شیوخ نے سند فضیلت دی ہو جسکے ساتذہ حدیث۔ عطاء بن ابی رباح۔ نافع بن عمر۔ عمرو بن دینار۔ محارب بن دثار۔ اعمش کوفی۔ امام باقر۔ علقمہ بن مرثد۔ مکحول شامی۔ امام اوزاعی۔ محمد بن مسلم الزہری۔ ابواسحق السبیعی۔ سلیمان بن یسار۔ عبدالرحمن بن ہرمز الاعرج۔ منصور المعتمر۔ ہشام بن عروہ وغیرہ ہوں۔ جو فن روایت کے ارکان ہیں اور جنکی روایت سے بخاری و مسلم مالامال وہ حدیث میں کس رتبہ کا شخص ہوگا۔

اسکے ساتھ امام صاحب کے شاگردوں پر لحاظ کرو۔ یحییٰ بن سعید القطان جو فن جرح و تعدیل کے امام ہیں۔ عبدالرزاق بن ہمام جنکے جامع کبیر سے امام بخاری نے فائدہ اٹھایا ہے یزید بن ہارون جو امام احمد حنبل کے استاد تھے وکیع بن الجراح جنکی نسبت امام احمد حنبل کہا کرتے تھے کہ حفظ اسناد و روایت میں میں نے انکا ہمسر کسی کو نہیں دیکھا عبداللہ بن المبارک جو فن حدیث میں امیر المومنین تسلیم کیئے گئے ہیں یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ جنکو علی بن المدینی (استاد بخاری) منتہائے علم کہلاتے تھے یہ لوگ بڑے نامور امام صاحب کے شاگرد نہ تھے بلکہ برسوں ان کے

لہ ان لوگوں کا تذکرہ اس کتاب کے خاتمہ میں کسی قدر تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

دامن فیض میں تعلیم پائی تھی اور اس انتساب پر انکو فخر و ناز تھا۔ عبد اللہ بن المبارک کہا کرتے تھے کہ اگر خدا نے ابوحنیفہ وسفیان ثوری سے میری مدد نہ کی ہوتی تو میں ایک معمولی آدمی ہوتا۔[1] وکیع اور یحییٰ ابن ابی زائدہ امام صاحب کی صحبت میں اتنی مدت تک رہے تھے کہ صاحب ابی حنیفہ کہلاتے تھے کیا اس رتبہ کے لوگ، جو خود حدیث و روایت کے پیشوا اور مقتدا تھے کسی معمولی شخص کے سامنے سر جھکا سکتے تھے۔

اجتہاد کی شرط اور امام ابوحنیفہ کا مجتہد مطلق ہونا۔

ان باتوں کے علاوہ امام ابوحنیفہ کا مجتہد مطلق ہونا ایک ایسا مسلم مسئلہ ہی جس سے بارہ سو برس کی مدت میں شاید ایک آدھ ہی شخص نے انکار کیا ہو اجتہاد کی تعریف علمائے حدیث مثلاً بغوی رافعی علامہ نووی وغیرہ نے ان لفظوں میں کی ہی۔ "مجتہد وہ شخص ہے جو قرآن۔ حدیث۔ مذاہب سلف۔ لغت۔ قیاس ان پانچ چیزوں میں کافی دستگاہ رکھتا ہو۔ یعنی مسائل شرعیہ کے متعلق جس قدر قرآن میں آیتیں ہیں جو حدیثیں رسول اللہ سے ثابت ہیں جس قدر علم لغت درکار ہے سلف کے جو اقوال ہیں۔ قیاس کے جو طریق ہیں قریب کل کے جانتا ہو۔ اگر ان میں سے کسی میں کمی ہی تو وہ مجتہد نہیں ہے اور اُسکو تقلید کرنی چاہیے"[2]

اسی بنا پر علامہ ابن خلدون نے فصل علوم الحدیث میں مجتہدین کا ذکر کر کے لکھا ہے کہ بعض ناانصاف مخالفین کا قول ہے کہ ان مجتہدوں میں سے بعض فن حدیث میں کم مایہ تھے اسلئے اُن کی روایتیں کم ہیں لیکن یہ خیال غلط ہی ائمہ کبار کی نسبت یہ گمان نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ شریعت قرآن و حدیث سے ماخوذ ہی پس جو شخص حدیث میں کم مایہ ہے اُس کو تلاش اور کوشش کرنی چاہیئے تاکہ دین کو اُصول صحیحہ سے اخذ کر سکے اس کے بعد علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ فن حدیث میں امام ابوحنیفہ کا کبار مجتہدین میں ہونا اس سے ثابت ہوتا ہی کہ ان کا مذہب محدثین میں معتبر خیال کیا جاتا ہے اور رداً و قبولاً اُس سے بحث کی جاتی ہے[3] علامہ موصوف نے اُس کا سبب بھی فرمایا ہی کہ امام ابوحنیفہ کی روایتیں کم کیوں ہیں ہم خود اُسکو نقل لکھیں گے۔

محدثین میں بھی اکثروں نے اس کا اعتراف کیا ہے۔ علامہ ذہبی نے جو زمانہ مابعد کے تمام محدثین کے پیشوا اور امام ہیں، حفاظ حدیث کے حالات میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ یہ اُن لوگوں کا تذکرہ ہے جو علم نبوی کے حامل ہیں اور جنکے اجتہاد پر توثیق اور تضعیف تصحیح میں رجوع کیا جاتا ہے علامہ موصوف نے تمام کتاب میں اس اصول کو ملحوظ رکھا ہے اور کسی ایسے شخص کا حال نہیں لکھا جو علم حدیث کا بڑا ماہر نہ ہو چنانچہ خارجہ بن زید بن ثابت کا ضمناً ایک موقع پر ذکر آگیا ہے تو لکھتے ہیں کہ میں نے اُن کو حفاظ حدیث میں

---

[1] تہذیب التہذیب ترجمہ امام ابوحنیفہ ۱۲ [2] عقد الجید شاہ ولی اللہ صاحب بحث حقیقت اجتہاد ۱۲ [3] اس تصریح کے ہوتے ہوئے بعض کوتاہ بینوں نے امام صاحب کی ناواقفیت حدیث پر ابن خلدون کے ایک ضمنی قول سے استدلال کیا ہی۔ جس کو خود ابن خلدون نے ایسے لفظوں سے بیان کیا ہے جو ضعف اور عدم وثوق پر دلالت کرتا ہے ۱۲

ذہبی نے امام ابوحنیفہ کو حفاظ حدیث میں محسوب کیا

اسلئے ذکر نہیں کیا کہ وہ قلیل الحدیث تھے امام ابوحنیفہ کے محدث ہونیکا اس سے زیادہ کیا ثبوت درکار ہے کہ علامہ ذہبی نے اس کتاب میں اُن کا ترجمہ لکھا ہے اور اُن کو حفاظ حدیث شمار کیا ہے۔

حافظ ابوالمحاسن دمشقی شافعی نے عقود الجمان میں ایک خاص باب باندھا ہے جسکے یہ الفاظ ہیں الباب الثالث والعشرون فی بیان کثرۃ حدیثہ وکونہ من اعیان الحفاظ المحدثین یعنی تئیسواں باب اس بیان میں کہ وہ (امام ابوحنیفہ) کثیر الحدیث اور اعیان الحفاظ سے تھے" قاضی ابویوسف صاحب جن کو یحییٰ بن معین صاحب الحدیث کہتے تھے اور علامہ ذہبی نے اُن کو حفاظ حدیث میں محسوب کیا ہے اُن کا بیان ہے کہ ہم لوگ امام ابوحنیفہ سے مسائل میں بحث کرتے ہوتے تھے جب اُنکی رائے قائم ہو جاتی تھی تو میں حلقہ درس سے اُٹھکر کوفہ کے محدثین کے پاس جاتا۔ اور اُنسے مسئلہ کے متعلق حدیثیں دریافت کرکے امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ امام صاحب اُن حدیثوں میں سے بعض کو قبول کرتے تھے اور بعض کو فرماتے تھے کہ صحیح نہیں میں پوچھتا کہ آپ کو کیونکر معلوم ہوا۔ فرماتے کہ کوفہ میں جو علم ہے میں اُس کا عالم ہوں۔

یہ تمام باتیں اسبات کی شاہد ہیں کہ علم حدیث میں امام ابوحنیفہ کا کیا پایہ تھا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان باتوں نے امام ابوحنیفہ کو امام ابوحنیفہ نہیں بنایا۔ اگر وہ حافظ الحدیث تھے تو اور لوگ بھی تھے اگر اُن کے شیوخ حدیث کئی سو تھے تو ائمہ سلف کے شیوخ کئی کئی ہزار تھے۔ اگر اُنھوں نے کوفہ وحرمین کی درسگاہوں میں تعلیم پائی تھی۔ تو اوروں نے بھی یہ شرف حاصل کیا تھا۔ امام ابوحنیفہ کو جس بات نے تمام ہمعصروں میں امتیاز کیا وہ اور جیزہے جو ان سب باتوں سے بالاتر ہے لیکن احادیث کی تنقید اور بلحاظ ثبوت احکام اُن کے مراتب کی تفریق امام ابوحنیفہ نے۔ بعد علم حدیث کو بہت ترقی ہوئی۔ غیر مرتب اور پریشان حدیثیں یکجا کی گئیں صحاح کا التزام کیا گیا۔ اصول حدیث کا مستقل فن قائم ہوگیا جس کے متعلق سینکڑوں بیش بہا کتابیں تصنیف ہوئیں زمانہ اسقدر ترقی کرگیا ہے کہ باریک بینی اور روقت آفرینی کی کوئی حد نہیں رہی تجربہ اور دقت نظر نے سیکڑوں نئے نکتے ایجاد کئے لیکن تنقید احادیث اصول درایت امتیاز مراتب میں امام ابوحنیفہ کی تحقیق کی جو حد ہے آج بھی ترقی کا قدم اس سے آگے نہیں بڑھتا۔

اس اجمال کی تفصیل اُس وقت سمجھ میں آسکتی ہے کہ فن حدیث کی آغاز اور طرز ترقی کا اجمالی نقشہ کھینچا جائے جس سے ظاہر ہو کہ روایتوں کا سلسلہ کیونکر پیدا ہوا اور کس کس دور میں اُسکی کیا کیا حالتیں بدلیں اسی سے اس بات کا اندازہ ہوسکے گا کہ احادیث کی تنقید میں اجتہاد رائے کا کس قدر کام ہے اور امام ابوحنیفہ کو اس لحاظ سے اپنے تمام ہمعصروں میں کیا خاص امتیاز حاصل ہے۔

اسناد و روایت کا سلسلہ اگرچہ رسول اللہ کے عہد مبارک ہی میں شروع ہوچکا تھا۔ لیکن اُسوقت تک جس قدر تھا نہایت سادہ اور قدرتی صورت میں تھا۔ آغاز نبوت سے تیرہ برس کا زمانہ تو ایسا پُر آشوب

سلسلہ حدیث کی مختصر تاریخ

زمانہ تھا کہ صحابہ کو اپنی جان کی پڑی تھی اسناد و روایت کا کہاں موقع تھا اسی ضرورت سے احکام و فرائض بھی کم تھے یعنی نماز کے سوا اور کچھ فرض نہ ہوا تھا۔ کیونکہ اس زحمت میں اور فرائض کی تکلیف تکلیف مالایطاق سے کم نہ تھی نمازیں بھی مختصر تھیں یعنی ظہر عصر عشا سب میں صرف دو دو رکعتیں فرض تھیں جمعہ و عیدین سرے سے مامور بہ نہ تھے ۲ھ میں یعنی نبوت سے تیرھویں برس روزے فرض ہوئے۔ زکوٰۃ کی نسبت اختلاف ہے علامہ ابن الاثیر نے لکھا ہے کہ ۹ھ میں فرض ہوئی حج کا حکم بھی اسی سن میں ہوا غرض آغاز نبوت سے ایک مدت تک نماز کے سوا نہ اور احکام صادر ہوئے تھے نہ اُنکے متعلق حدیثیں اور روایتیں پیدا ہوئی تھیں صحابہ مسائل و احکام کے متعلق زیادہ پرسش جو نہیں کرتے تھے خود قرآن میں حکم آچکا تھا۔ لا تسئلوا عن اشیاء ان تبد لکم تسؤکم عبداللہ بن عباس فرمایا کرتے تھے کہ میں نے رسول اللہ کے اصحاب سے کسی قوم کو بہتر نہیں دیکھا تمام زمانہ نبوت میں صرف تیرہ مسئلے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھے جو سب قرآن میں مذکور ہیں[1] اور صحابہ سے بھی اسی قسم کے اقوال منقول ہیں جو احکام اور واقعات پیش آتے تھے انہیں بھی روایت کا سلسلہ کم جاری ہوا تھا۔ صحابہ خود رسول اللہ سے پوچھ لیا کرتے تھے اور واسطہ و روایت کی کم ضرورت پڑتی تھی حدیثوں کے قلمبند کرنیکی اجازت نہ تھی صحیح مسلم میں روایت ہے کہ لا تکتبوا عنی شیئا الا القرآن ومن کتب عنی شیئا غیر القرآن فلیمحہ

حضرت عمر کثرت روایت کو روکتے تھے

رسول کے بعد حضرت ابوبکر کی خلافت شروع ہوئی ابتدا ہی میں عرب کی بغاوت عام کا مقابلہ کرنا پڑا اس سے فارغ ہو کر روم و ایران کی مہمیں شروع ہوگئیں اور انکی مختصر خلافت میں حدیثوں کی چنداں اشاعت نہ ہوسکی حضرت عمر نے سات برس خلافت کی اور ملک میں نہایت امن و امان رہا۔ لیکن وہ دانستہ حدیثوں کی کثرت کو روکتے رہے علامہ ذہبی نے طبقات الحفاظ میں لکھا ہے کہ حضرت عمر اس خوف سے کہ حدیث بیان کرنے والا رسول اللہ کیطرف غلط روایت منسوب نہ کردے۔ صحابہ کو ہمیشہ حکم دیتے تھے کہ حدیثیں کم بیان کیا کریں[2] ایک بار انصار کے ایک گروہ کو کوفہ بھیجا چلتے وقت اُنسے فرمایا کہ تم لوگ کوفہ جاتے ہو وہاں ایک قوم سے ملوگے جو بڑی قوت سے قرآن تلاوت کرتے ہیں وہ تمہاری آمد سُنکر مشتاق ہونگے کہ رسول اللہ کے اصحاب آئے ہیں لیکن جب وہ تمہارے پاس آئیں اور حدیثیں سُننی چاہیں تو زیادہ حدیثیں نہ بیان کرنا[3] اسی طرح عراق کو صحابہ جانے لگے تو حضرت عمر نے خود اُنکی مشایعت کی اور اُن سے پوچھا کہ جانتے ہو میں کیوں تمہارے ساتھ آرہا ہوں لوگوں نے کہا تکرمۃ علینا "یعنی ہماری عزت افزائی کیلئے" فرمایا کہ ہاں لیکن ایک اور مقصد ہے وہ یہ کہ جہاں جاتے ہو وہاں لوگ اکثر قرآن کی تلاوت کیا کرتے ہیں انکو حدیثوں میں نہ پھنسا لینا اور رسول اللہ سے کم روایت کرنا چنانچہ جب لوگ قرظہ پہنچے تو لوگ یہ سُنکر کہ صحابہ تشریف لائے ہیں زیارت کو آتے اور حدیثوں کی خواہش ظاہر کی۔ ان لوگوں نے

---

[1] مسند دارمی ۱۲ [2] طبقات الحفاظ ترجمہ حضرت عمر ۱۲ [3] مسند دارمی ۱۲

اسی بنا پر انکار کیا کہ حضرت عمرؓ نے منع کیا ہے[۱] حضرت ابوہریرہ سے ابوسلمہ نے پوچھا کہ آپ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی اسطرح حدیثیں روایت کیا کرتے تھے بولے کہ نہیں ورنہ عمرؓ درے مارتے[۲]

حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ کی مجموعی خلافت چوبیس برس تک رہی اس میں احادیث کی زیادہ اشاعت ہوئی صحابہ دور دور پہنچ گئے تھے ضرورتیں بڑھتی جاتی تھیں نئے نئے مسئلے پیش آتے تھے ان اسباب سے حدیث اور روایت کے سلسلے کو بہت وسعت دی حضرت عثمان کے اخیر زمانہ میں بغاوت ہوئی جسکا خاتمہ خلیفہ وقت کی شہادت پر ہوا اور یہ پہلا موقع تھا کہ جماعت اسلام میں فرقہ بندیاں قائم ہوئیں حضرت علیؓ کی خلافت شروع ہی سے پر آشوب رہی ان اختلافات اور فتن کے ساتھ وضع احادیث کی ابتدا ہوئی اور اگرچہ کثرت اور انتشار زیادہ تر زمانہ ما بعد میں ہوا لیکن خود صحابہ کے عہد میں اہل بدعت نے سینکڑوں ہزاروں حدیثیں ایجاد کرلی تھیں مقدمہ صحیح مسلم میں ہے کہ ایک بار بشیر عدوی حضرت عبداللہ بن عباس کے پاس آیا اور حدیث بیان کرنی شروع کی انھوں نے کچھ خیال نہ کیا بشیر نے کہا ابن عباس میں رسول اللہ سے روایت کر رہا ہوں اور تم متوجہ نہیں ہوتے" فرمایا کہ ایک زمانہ میں ہمارا یہ حال تھا کہ کسی کو قال رسول اللہ کہتے سنتے تھے تو فوراً ہماری نگاہیں اٹھ جاتی تھیں اور کان لگا کر سنتے تھے لیکن جب سے لوگوں نے نیک و بد میں تمیز نہیں رکھی ہم صرف اُن حدیثوں کو سنتے ہیں جنکو ہم خود بھی جانتے ہیں[۳]

حدیثوں کا وضع کیا جانا

زبانی روایت سے گزر کر تحریروں میں بھی جعل شروع ہوگیا تھا مسلم نے روایت کی ہے ایک دفعہ عبداللہ بن عباس حضرت علیؓ کے ایک فیصلہ کی نقل لے رہے تھے بیچ بیچ میں الفاظ چھوڑتے جاتے تھے اور کہتے تھے کہ واللہ علیؓ نے ہرگز یہ فیصلہ نہیں کیا ہوگا۔ اسیطرح ایک اور دفعہ عبداللہ بن عباس نے حضرت علی کی ایک تحریر دیکھی تو تھوڑے سے الفاظ کے سوا باقی سب عبارت مٹا دی۔

وضع حدیث اور روایت میں بے احتیاطی کے اسباب

لوگوں کو وضع حدیث کی زیادہ جرأت اس وجہ سے ہوتی تھی کہ اُس وقت تک اسناد و روایت کا طریقہ جاری نہیں ہوا تھا جو شخص چاہتا تھا قال رسول اللہ کہہ دیتا تھا اور اثبات سند کے مواخذہ سے بری رہتا تھا۔ ترمذی نے کتاب العلل میں امام ابن سیرین سے روایت کی ہے کہ "پہلے زمانہ میں لوگ اسناد نہیں پوچھا کرتے تھے جب فتنہ پیدا ہوا تو اسناد کی پوچھ کچھ ہوئی۔ تاکہ اہل سنت کی حدیثیں لیجائیں اور اہل بدعت کی ترک کیجائیں لیکن حدیث کی بے اعتباری اہل بدعت پر موقوف نہ تھی اس لئے یہ احتیاط چنداں مفید نہ ہوئی اور غلطیوں کا سلسلہ برابر جاری رہا۔

بنو امیہ کا دور شروع ہوا اور بڑے زور شور سے حدیث نے ترویج پائی۔ صحابہ کی تعداد جس قدر کم ہوتی جاتی تھی اُسی قدر اُن کی قدر اور انکی طرف التفات بڑھتا جاتا تھا۔ تمدن میں بہت کچھ ترقی ہوگئی تھی نئی نئی قومیں مسلمان ہوتی جاتی تھیں۔ ان نو مسلموں کو ادھر تو اسلام کا نیا نیا جوش تھا اُدھر قوم فاتح کے مجمع میں عزت و اثر پیدا

[۱] طبقات الحفاظ ترجمہ عمر فاروقؓ ۱۲ [۲] طبقات الحفاظ ترجمہ عمر فاروقؓ ۱۲

کرنے کی اِس سے بڑھکر کوئی تدبیر نہ تھی اِن باتوں نے اُنکو معلومات مذہبی کا اسقدر شائق بنا دیا تھا کہ خود عرب اُنکی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتے تھے غرض تمام ممالک اسلامیہ میں گھر گھر حدیث و روایت کے چرچے پھیل گئے اور سینکڑوں ہزاروں درسگاہیں قائم ہو گئیں لیکن جسقدر اشاعت کو وسعت حاصل ہوتی جاتی تھی اعتماد و صحت کا معیار کم ہوتا جاتا تھا ارباب روایت کا دائرہ اِس قدر وسیع تھا کہ اُس میں مختلف خیال مختلف عادات مختلف عقائد مختلف قوم کے لوگ شامل تھے۔ اہل بدعت جابجا پھیل گئے تھے اور اپنے مسائل کی ترویج میں مصروف تھے سب سے زیادہ یہ کہ پوری ایک صدی گزر جانے پر بھی کتاب کا طریقہ مروج نہیں ہوا تھا ان اسباب سے روایتوں میں اسقدر بے احتیاطیاں ہوئیں کہ موضوعات اور اغالیط کا ایک دفتر بے پایاں تیار ہو گیا۔ یہاں تک کہ امام بخاری نے اپنے زمانہ میں صحیح حدیثوں کو جدا کرنا چاہا تو کئی لاکھ میں سے انتخاب کر کے جامع صحیح لکھی جس میں کل ۷۲۹۵ حدیثیں ہیں اُس میں بھی اگر مکررات نکال ڈالی جائیں تو صرف ۲۷۶۱ حدیثیں باقی رہتی ہیں" سینکڑوں ہزاروں بلکہ لاکھوں حدیثیں دانستہ لوگوں نے وضع کر لیں حماد بن زید کا بیان ہے کہ چودہ ہزار حدیثیں صرف ایک فرقہ زنادقہ نے وضع کر لیں عبدالکریم وضاع نے خود تسلیم کیا تھا کہ چار ہزار حدیثیں اُسکی موضوعات سے ہیں بہت سے ثقات اور پارسا تھے جو نیک نیتی سے فضائل اور ترغیب میں حدیثیں وضع کرتے تھے حافظ زین الدین عراقی لکھتے ہیں کہ ان حدیثوں نے بہت ضرر پہنچایا کیونکہ ان واضعین کی ثقہ اور تورع و زہد کی وجہ سے یہ حدیثیں اکثر مقبول ہو گئیں اور رواج پا گئیں۔

زنادقہ نے چودہ ہزار حدیثیں وضع کیں ایک شخص نے چار ہزار حدیثیں وضع کیں

وضع کے بعد مساہلات غلط فہمیاں بے احتیاطیاں کا درجہ تھا جنکی وجہ سے ہزاروں اقوال رسول اللہ کی طرف بے قصد منسوب ہو گئے بعض محدثین کا قاعدہ تھا کہ حدیث کے ساتھ حدیث کی تفسیر بھی بیان کرتے جاتے تھے اور اکثر حروف تفسیر حذف کر دیتے تھے جس سے سامعین کو دھوکا ہوتا تھا اور اُن کے تفسیری جملوں کو بھی حدیث مرفوع سمجھ لیتے تھے تعجب ہے کہ اس قسم کے مسامحات بڑے بڑے آئمہ فن سے صادر ہوئے امام زہری جو امام مالک کے استاد اور حدیث کے ایک بڑے رکن تھے اُنکی نسبت علامہ سخاوی لکھتے ہیں۔ وکذا کان الزھری یفسر الحدیث کثیرا وربما اسقط اداۃ التفسیر یعنی اسی طرح زہری اکثر حدیث کی تفسیر کرتے تھے اور وہ حروف جنسے اُس عبارت کا تفسیر ہونا ظاہر ہو چھوڑ دیا کرتے تھے" وکیع کا بھی یہی حال تھا" وہ اکثر حدیث کے بیچ بیچ میں "یعنی" کہکر مطلب بیان کرتے جاتے تھے اور اکثر "یعنی" کا لفظ چھوڑ دیتے تھے جس سے سامعین کو اشتباہ ہوتا تھا کتب رجال و اصول حدیث میں اس قسم کی اور بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔

بڑی آفت تدلیس کی تھی جس کا ارتکاب بڑے بڑے آئمہ فن کرتے تھے اِس طریقے سے اسناد کے اتصال کو بالکل مشتبہ کر دیا تھا انکے سوا اور بہت سی بے احتیاطیاں تھیں جنکی تفصیل حدیث کی کتابوں میں مل سکتی ہے۔

غرض امام ابوحنیفہ کے زمانہ میں احادیث کا جو دفتر تیار ہو چکا تھا۔ ہزاروں موضوعات اغالیط مضاعف

مدرجات سے بھرا ہوا تھا اسوقت امام بخاری و مسلم نہ تھے۔ جو صحیح حدیثوں کے انتخاب کی کوشش کرتے امام ابوحنیفہ گو مہمات فقہ کی وجہ سے اسطرف متوجہ نہو سکے تاہم انھوں نے روایتوں کی تنقید کی بنیاد ڈالی اور اس کے ضوابط قرار دیئے اُن کے اصول تنقید نہایت سخت خیال کیے گئے ہیں یہانتک کہ محدثین نے انکو شدید فی الروایۃ کا لقب دیا ہے تمام اور محدثین کی بہ نسبت امام صاحب کے قلیل الروایۃ ہونیکی ایک یہ بھی وجہ ہے بلکہ تمام اور وجوہ کی نسبت یہ زیادہ قوی سبب ہے علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں۔ والامام ابوحنیفہ انما قلت روایتہ لما شدد فی شروط الروایۃ والتحمل یعنی امام ابوحنیفہ کی روایتیں اسلئے کم ہیں کہ انھوں نے روایت اور تحمل کی شروط میں سختی کی حدیث کے متعلق پہلا اجمالی خیال جو امام صاحب کے دل میں پیدا ہوا وہ یہ تھا کہ بہت کم حدیثیں ہیں جو صحیح ہیں یا یہ کہ بہت کم حدیثیں ہیں جنکی صحت کا کافی ثبوت موجود ہے یہ صدا اگرچہ جدت کی وجہ سے کسی قدر نا مانوس صدا تھی اور اسی وجہ سے بعض بعض ارباب حدیث نے نہایت سخت مخالفت کی لیکن امام صاحب اس خیال پر مجبور بلکہ معذور تھے۔ انھوں نے یہ رائے مقلدانہ نہیں قائم کی تھی وہ اپنے زمانہ کے اکثر شیوخ سے ملے تھے اور اُن کے سرمایہ حدیث سے متمتع ہوئے تھے حرمین کی بڑی بڑی درسگاہوں میں برسوں تعلیم پائی تھی کوفہ۔ بصرہ۔ حرمین میں ارباب روایت کا جو گروہ موجود تھا برسوں کے تجربے سے اُنکے ذاتی اوصاف اخلاق و عادات پر اطلاع حاصل کی تھی غرض اس مسئلہ کے متعلق اثباتاً یا نفیاً مجتہدانہ رائے قائم کرنیکے لیے جو شرطیں درکار تھیں سب اُن میں موجود تھیں۔

امام صاحب کا خیال تھا کہ بہت کم حدیثیں صحیح ہیں

اس خیال کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ یہ مسئلہ کسی نہ کسی پیرایہ میں اُنکے خاندان تعلیم میں وراثتاً چلا آتا تھا حدیث و فقہ میں اُنکے خاندان تعلیم کے مورث اول عبداللہ بن مسعود ہیں اور مذہب حنفی کی بنیاد زیادہ تر انہیں کی روایات و استنباطات پر ہے عبداللہ بن مسعود اگرچہ بہت ہی بڑے محدث تھے لیکن اور محدثین صحابہ کی نسبت قلیل الروایۃ تھے جسکی وجہ یہ تھی کہ وہ متشدد اور محتاط تھے۔ علامہ ذہبی اُن کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ ممن یتحری فی الاداء ویشدد فی الروایۃ وکان یقل من الروایۃ للحدیث یعنی عبداللہ ابن مسعود ادا میں تحری اور روایت میں تشدد کرتے تھے اور حدیث کی کم روایت کرتے تھے" ابراہیم نخعی جو عبداللہ بن مسعود کے بہ یک واسطہ شاگرد اور امام ابوحنیفہ کے بہ یک واسطہ استاد تھے اُن کا بھی یہی مذہب تھا اور اسی وجہ سے وہ صیرفی الحدیث کہلاتے تھے امام ابوحنیفہ نے گو اور بہت سی درسگاہوں میں تعلیم پائی تھی لیکن اُن کی معلومات اور خیالات کا اصلی مرکز یہی خاندان تھا۔ یہی خاندانی اثر تھا جس نے اُن کے دل میں یہ خیال پیدا کیا اور اسکو اُن کے ذاتی تجربہ اور وقت نظر نے اور بھی قوت دی۔

اس خیال کا ایک بڑا سبب

امام صاحب کے اس خیال نے اگرچہ قبول عام کی سند حاصل نہیں کی تاہم وہ بالکل بے اثر نہیں رہا امام مالک و امام شافعی جو اجتہاد میں امام ابوحنیفہ سے متاخر ہیں اُن کے اصول اجتہاد میں اس خیال کا صاف

امام مالک و امام ابوحنیفہ کی شرط روایت قریب قریب متحد ہیں۔

پرتو پایا جاتا ہے۔ امام مالک نے روایت کے متعلق جو قیداور شرطیں لگائی ہیں وہ امام ابوحنیفہ کے شرائط کے قریب قریب ہیں اور یہی وجہ ہے کہ متشددین فی الروایتہ میں امام ابوحنیفہ و امام مالک کا نام ساتھ ساتھ لیا جاتا ہے ابن الصلاح۔ مقدمہ میں لکھتے ہیں۔ ومن مذاہب التشدید مذہب من قال لاحجۃ الا فیما رواہ الراوی من وتذکرہ وذالک مروی عن مالک وابی حنیفہ۔ یعنی متشددین کا یہ مذہب ہے کہ صرف وہ حدیث قابل حجت ہے۔ جس کو راوی نے اپنی حفظ سے یاد رکھا ہو اور یہ قول مالک و ابوحنیفہ سے منقول ہے"۔ محدثین نے یہ لکھا ہے کہ امام مالک نے اوّل جب موطا لکھی تو اُس میں دس ہزار حدیثیں تھیں۔ پھر امام مالک زیادہ تحقیق کرتے گئے تو یہ تعداد کم ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ چھ سات سورہ گئیں امام شافعی نے صاف لفظوں میں امام ابوحنیفہ کے خیالات ظاہر کئے ہیں۔ امام بیہقی نے روایت کی ہے کہ ایک دن ہرم قرشی نے امام شافعی سے کہا کہ آپ وہ حدیثیں لکھوایئے جو رسول اللہ سے ثابت ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ وہ ارباب معرفت کے نزدیک صحیح حدیثیں کم ہیں۔ کیونکہ ابوبکر صدیق نے جو حدیثیں رسول اللہ سے روایت کیں اُن کی تعداد سترہ سے زیادہ نہیں ہے۔ عمر بن الخطاب باوجود اس کے کہ رسول اللہ کے بعد مدت تک زندہ رہے اُن کی روایت سے پچاس حدیثیں ہی ثابت نہیں۔ حضرت عثمان کا بھی یہی حال ہے۔ حضرت علی اگرچہ لوگوں کو حدیث سیکھنے کی ترغیب دلاتے تھے۔ لیکن اِن سے بھی کم حدیثیں مروی ہیں کیونکہ وہ مطمئن نہیں رہے اُن سے جو حدیثیں مروی ہیں اکثر حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت کی ہیں ان لوگوں کے سوا اور صحابہ سے بہت سی حدیثیں مروی ہیں لیکن اہل معرفت کے نزدیک وہ تمام روایتیں صحیح سند سے ثابت نہیں[1]"۔ ان باتوں سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ امام ابوحنیفہ معتزلیوں کیطرح احادیث کے منکر تھے یا صرف دس بیس حدیثوں کو تسلیم کرتے تھے اُن کے شاگردوں نے خود اُن سے سینکڑوں حدیثیں روایت کی ہیں موطا امام محمد۔ کتاب الآثار کتاب الحجج۔ جو عام طور پر متداول ہیں انہیں بھی امام صاحب سے بیسیوں حدیثیں مروی ہیں۔ البتہ محدثین کی نسبت اُن کی احادیث مسلمہ کی تعداد کم ہے اور اسکی وجہ وہی شروط روایت کی سختی ہے امام صاحب نے روایت کیمتعلق جو شرطیں اختیار کیں کچھ تو وہی ہیں جو اور محدثین کے نزدیک مسلم ہیں کچھ ایسی ہیں جنہیں وہ منفرد ہیں یا صرف امام مالک اور بعض اور مجتہدین اُنکے ہمزبان ہیں اُن میں سے ایک یہ مسئلہ ہے کہ صرف وہ حدیث حدیث حجت ہے جس کو راوی نے اپنے کانوں سے سُنا ہو اور روایت کیوقت تک یاد رکھا ہو۔ یہ قاعدہ بظاہر نہیں صاف ہے جس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا لیکن اسکی تفریعیں نہایت وسیع اثر رکھتی ہیں اور عام محدثین کو اُن سے اتفاق نہیں ہے محدثین کے نزدیک ان پابندیوں سے روایت کا دائرہ تنگ ہو جاتا ہے اور اس سے ہم کو بھی انکار نہیں۔ لیکن اس کا فیصلہ ناظرین خود کر سکتے ہیں کہ احتیاط مقدم ہے۔ یا روایت کی وسعت۔ ہم بعض تفریعات کو کسی قدر تفصیل کیساتھ ذکر کرتے ہیں جس سے

امام شافعی کا قول تھا کہ صحیح حدیثیں بہت کم ہیں

امام صاحب نے روایت کیلئے کیا شرطیں مقرر کیں

[1] مناقب الشافعی از امام رازی فصل ثامن شرح مذہب شافعی ۱۲-

ظاہر ہوگا کہ امام ابوحنیفہ کو کس خیال نے اس قسم کی سختیوں پر مجبور کیا تھا۔

اکثر شیوخ کا حلقۂ درس نہایت وسیع ہوتا تھا یہاں تک کہ ایک ایک مجلس میں دس دس ہزار سامعین جمع ہوتے تھے۔ اس وقت متعدد مستملی یعنی نائب جا بجا بٹھائے جاتے تھے کہ شیخ کے الفاظ کو دور والوں تک پہنچائیں بہت سے ایسے لوگ ہوتے تھے جن کے کانوں میں شیخ کا ایک لفظ بھی نہیں پہنچتا تھا۔ وہ صرف مستملی کے الفاظ سن کر حدیث روایت کرتے تھے اب بحث یہ پیدا ہوتی ہے کہ جس شخص نے صرف مستملی سے سنا وہ اصل شیخ کی نسبت حدثنا کہہ سکتا ہے یا نہیں۔ اکثر ارباب روایت کا مذہب ہے کہ کہہ سکتا ہے۔ امام ابوحنیفہ اس کے خلاف ہیں ائمہ محدثین میں سے حافظ ابونعیم۔ فضل بن وکیع۔ زائدہ بن قدامہ۔ امام صاحب کے ہمزبان[1] ہیں حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ مقتضائے عقل بھی (امام ابوحنیفہ کا) مذہب ہے لیکن عام مذہب میں آسانی ہے"

امام ابوحنیفہ کو اس احتیاط پر جس چیز نے مجبور کیا تھا وہ یہ تھی کہ اُن کے زمانہ تک روایت بالمعنی کا طریقہ نہایت عام تھا اور بہت کم لوگ تھے جو الفاظ حدیث کی پابندی کرتے تھے اسلئے روایت میں تغیر وتبدل کا احتمال ہر واسطہ میں بڑھتا جاتا تھا کم از کم یہ کہ ہر روایت پہلے واسطہ میں جس قدر قوی ہوتی تھی دوسرے واسطہ میں اسکا وہ پایہ نہیں قائم رہ سکتا تھا بے شبہ مستملی کے مقرر کرنیکا طریقہ قائم رکھنا ضرور تھا کیونکہ اکثر موقعوں پر بغیر مستملی کے کام نہیں چلسکتا تھا۔ لیکن نا انصافی تھی کہ جس شخص نے بلا واسطہ شیخ سے سنا ہو اور جس نے مستملی سے روایت کی ہو دونوں کا ایک ہی درجہ قرار دیا جائے مستملی کبھی کبھی نہایت غافل اور بے سمجھ ہوتے تھے اس لئے غلطیوں کا احتمال اور بھی قوی ہو جاتا تھا۔ اسطرح بلکہ اس سے زیادہ غیر محتاط طریقہ یہ تھا کہ اخبرنا وحدثنا کو بعض بعض محدثین نہایت عام معنوں میں استعمال کرتے تھے امام حسن بصری نے متعدد روایتوں میں لکھا ہے حدثنا ابوہریرہ حالانکہ وہ ابوہریرہ سے کبھی نہیں ملے تھے انھوں نے اس کی یہ تاویل کی تھی کہ ابوہریرہ نے جب وہ حدیث بیان کی تھی تو اس شہر میں وہ موجود تھے۔ اسی طرح اور شیوخ صحابہ کی نسبت حدثنا کا لفظ استعمال کرتے تھے اور معنی یہ لیتے تھے کہ اُن کے شہر والوں نے اُن شیوخ سے سنا تھا۔ محدث بزار نے لکھا ہے کہ حسن بصری نے اُن لوگوں سے روایت کی ہے جن سے وہ کبھی نہیں ملے۔ اور تاویل یہ کرتے تھے کہ اُنکی قوم نے وہ حدیث اُن لوگوں سے سُنی تھی غرض یہ امر علاوہ اس کے کہ ایک قسم کی غلط بیانی تھی۔ حدیث کی روایت کو مشتبہ کر دیتا تھا۔ کیونکہ راوی نے جب خود شیخ سے حدیث نہیں سُنی تو بیچ میں کوئی واسطہ ہوگا۔ اور چونکہ راوی نے اسکا نام نہیں بتایا اسلئے اُس کے ثقہ وغیرہ ہونے کا حال نہیں معلوم ہو سکتا۔ صرف حسن ظن پر مدار رہ گیا کہ ایسے شخص نے جس سے سُنا ہوگا وہ ضرور قابل استناد ہوگا۔ امام ابوحنیفہ نے اس طریقہ کو ناجائز قرار دیا۔ اور اُنکے بعد آئمہ حدیث نے بھی اُن کی متابعت کی۔ ارباب روایت کا ایک یہ طریقہ تھا کہ جب کسی شخص سے کچھ حدیثیں سنیں اور قلمبند کریں تو ان اجزا

اخبرنا و حدثنا کے مفہوم کی وسعت

[1] فتح المغیث صـ۱۷۱ ۱۲۔

سے روایت کرنی ہمیشہ جائز سمجھتے تھے۔ اس کو اسقدر وسعت دی گئی کہ گو راوی کو اُن حدیثوں کے الفاظ و معانی کچھ یاد نہ رہے ہوں تاہم اس بنا پر کہ اجزاء اُس کے پاس موجود ہیں اُن کی روایت کرسکتا ہے امام ابوحنیفہ نے اسطریقہ کو قائم رکھا لیکن یہ قید لگائی کہ حدیث کے دو مطالب محفوظ ہونے چاہئیں ورنہ روایت جائز نہیں۔

آزادیٔ روایت

یہ مسئلہ بھی اگرچہ عام طور پر نہیں تسلیم کیا گیا تاہم جیسا کہ محدث سخاوی نے تصریح کی ہے امام مالک اور بہت سے آئمہ فن نے اُس کی موافقت کی۔ امام بخاری و مسلم وغیرہ کے زمانہ میں اس قید کی چنداں ضرورت نہیں رہی تھی کیونکہ اُسوقت روایت باللفظ کا عام رواج ہو چکا تھا لیکن امام ابوحنیفہ کے عہد تک حدیثیں زیادہ تر بالمعنی روایت کی جاتی تھیں اسلئے اگر راوی کو الفاظ حدیث موقع حدیث شان نزول۔ وغیرہ یاد نہیں ہوتے تھے تو روایت کا بعینہٖ ادا کرنا قریباً ناممکن ہوتا تھا اسی ضرورت سے امام ابوحنیفہ نے اس طریقہ کو محدود کر دیا اور انصاف یہ ہے کہ ایسا کرنا ضروری تھا۔ سب سے زیادہ مہتمم بالشان اور قابل بحث مسئلہ یہ ہے کہ روایت بالمعنی جائز ہے یا نہیں۔ یا یہ کہ ایسی روایت قطعاً قابل حجت ہے یا نہیں۔ یہ مسئلہ ہمیشہ مختلف فیہ رہا ہے اور اب بھی ہے امام شافعی نے روایت کی ہے کہ بعض تابعین نے ایک حدیث متعدد صحابہ سے سُنی جب کہ سب نے مختلف لفظوں میں بیان کیا لیکن مطلب ایک تھا اُنھوں نے کسی صحابہ سے یہ حقیقت بیان کی صحابی نے جواب دیا کہ جب معنی مختلف نہیں تو کچھ مضائقہ نہیں" اگر امام شافعی نے تابعی کا نام نہ بتایا جس سے روایت کی قوت اور ضعف کا اندازہ ہو سکتا۔ تاہم اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ بعض صحابہ روایت بالمعنی جائز سمجھتے تھے اور اُسپر عمل کرتے تھے بخلاف اِس کے بعض صحابہ مثلاً عبداللہ بن مسعود کو روایت باللفظ پر اصرار تھا علامہ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں اُن کے حالات کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ وہ روایت میں سختی کرتے تھے الفاظ کے ضبط میں بے پروائی نہ کریں۔ عبداللہ بن مسعود جب کبھی بالمعنی روایت کرتے تھے تو ساتھ ہی یہ الفاظ استعمال کرتے تھے او مثلہ او نحوہ او شبیہ او مافوق ذلک او مادون ذلک او قریب من ذلک یعنے رسول اللہ نے اس طرح فرمایا تھا یا اس کے مثل یا اس کے مشابہ یا اس سے کچھ زیادہ یا کم یا اس کے قریب فرمایا تھا۔ ابودرداء کا بھی یہی حال تھا۔ وہ حدیث بیان کر کے کہا کرتے تھے۔ ہذا او نحو ہذا او شکلہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو لوگوں کو روایت سے منع کیا کرتے تھے اُن کا بھی غالباً یہی منشاء تھا وہ جانتے تھے کہ الفاظ کم یاد رہ سکتے ہیں اور معنی کی عام اجازت میں تغیر و تبدل کا احتمال بڑھتا جاتا ہے۔

روایت بالمعنی

صحابہ کے دور کے بعد بھی یہ مسئلہ یکسو نہ ہوا تابعین کے دو گروہ تھے اور خود امام ابوحنیفہ کے اُستاد الاستاد روایت بالمعنی کے قائل تھے۔ آگے چلکر تو گویا اُسپر اتفاق عام ہو گیا کہ روایت بالمعنی جائز ہے بخیال

اصول حدیث کی کتابوں میں جمہور کا یہی مذہب بیان کیا جاتا ہے۔ مجتہدین میں سے صرف امام مالک اُس کے خلاف ہیں۔ محدثین کا ایک گروہ جنمیں امام مسلم قاسم بن محمد محمد بن سیرین سید رجا بن حیوٰۃ۔ ابو زرعہ سالم بن ابی الجعد عبد الملک بن عمر داخل ہیں۔ روایت باللفظ پر عمل کرتا تھا۔ لیکن عام محدثین جواز ہی کے قائل ہیں اور درحقیقت ایک ایسا فرقہ جس کا عام میلان ہر حالت میں کثرت روایت کی طرف ہو جواز ہی کا قائل ہوسکتا ہے

اس میں شبہہ نہیں کہ اکثر تابعین اور صحابہ نے بالمعنی حدیثیں روایت کیں اور اگر شرع سے یہ قید لگائی جائے تو روایت کا دائرہ اس قدر تنگ ہو جاتا ہے کہ مسائل و احکام کیلئے کچھ باقی نہیں رہتا لیکن اس سے بھی انکار نہیں ہوسکتا کہ روایت بالمعنی میں اصل روایت کا اصلی حالت پر قائم رکھنا اس قدر مشکل ہے کہ قریباً ناممکن ہے زبان کے نکتہ شناس جانتے ہیں۔ کہ مرادف الفاظ بھی یکساں اثر نہیں رکھتے اور معنی کی حیثیت نہیں کچھ نہ کچھ فرق ضرور پیدا ہو جاتا ہے۔ حالانکہ مجوزین نے مرادف وغیرہ کی قید بھی نہیں رکھی۔

ورادائے مطلب کو نہایت عام وسعت دی ہے صحابہ سے زیادہ کوئی شخص رسول اللہ کے الفاظ و مطالب کا اندازہ داں نہیں ہوسکتا تھا اول تو وہ زبان داں اور زبان کے حاکم تھے۔ اس کے ساتھ شرف صحبت کی وجہ سے رسول اللہ کی طرز ادا۔ طریقہ گفتگو۔ انداز کلام محاورات سخن سے خوب واقف تھے۔ تاہم کتب حدیث میں اسکی متعدد نظیریں ملتی ہیں کہ خود صحابہ سے ادائے مطلب میں کمی یا زیادتی ہوگئی۔

صحابہ سے ادائے مطلب میں جو کمی یا زیادتی ہوگئی اسکی مثالیں

ابن ماجہ میں روایت ہے کہ ابو موسیٰ اشعری نے آنحضرت سے روایت کی ان المیت یعذب ببکاء الحی اذا قالوا واعضداہ واکاسباہ واناصرہ واجبلاہ یعنی جب مردہ پر یہ الفاظ کہکر رویا جاتا ہے۔ تو اس کو عذاب دیا جاتا ہے۔ کسی نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ ابن عمر یہ حدیث بیان کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ نے کہا میں یہ نہیں کہتی کہ ابن عمر جھوٹ کہتے ہیں۔ لیکن اُن کو سہو ہوا۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک یہودی عورت مرگئی اس کے گھر والے اس پر روتے تھے۔ آنحضرت نے سُنا تو فرمایا کہ اسکے گھر والے رو رہے ہیں اور اُس پر قبر میں عذاب ہو رہا ہے ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضہ نے قرآن کی یہ آیت پڑھی لاتزر وازرۃ وزر اخری جس سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ ایک شخص کے فعل کا دوسرا شخص ذمہ وار نہیں ہوسکتا۔ گھر والے روتے ہیں تو انکا قصور۔ مرنیوالے نے کیا گناہ کیا ہے کہ اُسپر عذاب کیا جاوے۔ دیکھو اس حدیث میں رسول اللہ نے یہودیہ عورت کا معذب ہونا بطور ایک واقعہ بیان کیا تھا۔ راوی نے روایت کو اُس کا سبب قرار دیا اور حدیث کے یہ الفاظ بیان کئے کہ ان المیت یعذب ببکاء الحی یعنی مردہ کو زندوں کے رونیکی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے۔

اسی طرح غزوہ بدر کے واقعہ میں عام روایت یہ ہے کہ رسول اللہ نے قلیب پر کھڑے ہو کر فرمایا ہل وجدتم ما وعد ربکم حقا۔ لوگوں نے عرض کی کہ آپ مردوں سے خطاب فرماتے ہیں۔ ارشاد ہوا کہ جو میں نے کہا ان لوگوں نے سُنا

لیا۔ لیکن یہ واقعہ حضرت عائشہؓ کے سامنے بیان کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہؐ نے یہ نہیں فرمایا تھا بلکہ یہ الفاظ کہے تھے لقد علموا ان ما دعوتھم حق[۵۱] یعنے ان لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ جس چیز کی میں نے دعوت کی تھی۔ وہ حق ہے دیکھو ان دونوں جملوں کے مفہوم میں کس قدر فرق ہے اور اس سے سماع موتیٰ کے مسئلہ پر کیا مختلف اثر پڑتا ہے۔ غرض جب صحابہ سے اس قسم کے مسامحات واقع ہوتے تھے تو دوسرے اور تیسرے دور کا کیا ذکر۔ لطف یہ ہے کہ جو لوگ روایت بالمعنی کے قائل ہیں انھوں نے چند الفاظ مثالاً بتائے ہیں کہ انکو دوسرے لفظوں میں اس طرح ادا کر سکتے ہیں اور معنی میں مطلق فرق نہیں پیدا ہوگا۔ حالانکہ غور سے دیکھئے تو ان لفظوں کے اثر میں صاف تفاوت نظر آتا ہے۔ محدث سخاوی لکھتے ہیں کہ حدیث میں آیا ہے اقتلوا الاسودین الحیۃ والعقرب لیکن بجائے اس کے یہ کہہ سکتے ہیں کہ امر بقتلہما۔ محدث سخاوی کے نزدیک اس مثال میں الفاظ کے اختلاف نے معنی میں کچھ فرق نہیں پیدا کیا حالانکہ اقتلوا اور امر بالقتل میں صریح تفاوت ہے اقتلوا اگرچہ امر کا صیغہ ہے لیکن اس میں وہ تحتم اور تاکید نہیں ہے جو امر کی

روایت بالمعنی کے متعلق امام ابوحنیفہ کے اصول

امام ابوحنیفہ نے ان مشکلات کا اندازہ کر کے نہایت معتدل طریقہ اختیار کیا جو حدیثیں ان کے زمانہ سے پہلے بالمعنی روایت ہو چکی تھیں اور محدثین میں شائع تھیں انکے قبول سے تو چارہ نہ تھا ورنہ روایت کا تمام دفتر بیکار ہو جاتا اس لئے امام صاحب نے ان حدیثوں کو قبول کیا۔ لیکن یہ قید لگائی کہ روایت حدیث فقیہ ہوں یعنی الفاظ کے اثر اور مطالب کی تعبیر سے واقف ہوں تاکہ تغیر مطالب کا احتمال اب بھی باقی رہتا ہے لیکن احادیث کا مدار (جیسا کہ محدثین نے بتصریح کر دی ہے) ظن غالب پر ہے اس لئے جبتک کوئی مخالف دلیل موجود نہ ہو روایت بالمعنی قابل عمل ہوگی۔ امام صاحب نے ان احادیث کو بھی قبول کیا جن کے رواۃ ثقہ ہوں اور فقیہ نہ ہوں لیکن ان کا درجہ پہلے کی بہ نسبت کم قرار دیا اور انھیں اصول درایت کی زیادہ ضرورت سمجھی امام صاحب کے ان اصول سے اور ائمہ نے بھی اتفاق کیا۔ التقیہ الحدیث میں ہے کہ جو شخص مدلول الفاظ کو اچھی طرح نہیں سمجھتا اس کو روایت باللفظ ضروری ہے۔ البتہ جو شخص مطالب کا اندازہ دان ہے اس کی نسبت اختلاف ہے کثرت رائے اس طرف ہے کہ وہ الفاظ کا پابند نہیں[۵۲] لیکن امام ابوحنیفہ نے اس اجازت کو صحابہ اور تابعین تک محدود کر دیا اور لوگوں کیلئے روایت باللفاظ کی قید لگائی اور امام طحاوی نے بسند متصل ان سے روایت کی ہے کہ صرف وہ حدیث روایت کرنی چاہیے جو روایت کرنے کے وقت اسی طرح یاد ہو جس طرح سننے کے وقت یاد تھی[۵۳]۔ ملا علی قاری اس روایت کو نقل کر کے لکھتے ہیں۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ روایت بالمعنی

---

(۵۱) تاریخ کبیر علامہ ابوجعفر جریر طبری صفحہ ۱۳۴۳۔۱۲

۵۲ یعنی کہا گیا کہ روایت بالمعنی مطلقاً جائز نہیں۔ محدثین و فقہا و اصولیین شافعیہ کا ایک گروہ اسی قول کا قائل ہے لعد قرطبی نے کہا کہ امام مالک کا صحیح مذہب یہی ہے ۱۲

کو جائز نہیں رکھتے تھے"[1] اس پابندی میں اگرچہ امام مالک اور بعض محدثین نے امام ابوحنیفہ سے اتفاق کیا۔ فتح المغیث میں ہے وقیل لا تجوز الروایۃ بالمعنی مطلقا قالہ طائفۃ من المحدثین والفقہاء الاصولیین من الشافعیۃ وغیرہم قال القرطبی وہو الصحیح من مذہب مالک۔ لیکن عام ارباب روایت اس سختی کے کیونکر پابند ہو سکتے تھے چنانچہ ایک بڑے فرقہ نے مخالفت کی اور امام صاحب کو متشدد فی الروایۃ ٹھہرایا۔ تاہم انصاف یہ ہے کہ جو اصول امام صاحب نے اختیار کیا وہ ضروری اور نہایت ضروری تھا خود حدیث میں آیا ہے کہ نضر اللہ امرأ اسمع منا شیئا فبلغہ کما سمعہ یعنی رسول اللہ نے فرمایا کہ خدا اُس شخص کو شاداب رکھے جس نے ہم سے سنا اور اُسکو اُسی طرح پہنچایا جیسا کہ ہم سے سنا تھا" اس سے زیادہ اس باب میں کسی دلیل کی کیا ضرورت ہے صحابہ میں سے جو لوگ روایت باللفظ کو غیر ضروری سمجھتے تھے ممکن ہے کہ یہ حدیث اُنکو نہ پہنچی ہو چنانچہ جن صحابہ کی نسبت ثابت ہے کہ اُنھوں نے اُس حدیث کو سنا تھا۔ مثلاً عبداللہ بن مسعود جو اس حدیث کے راوی ہیں وہ الفاظ کے پابند تھے۔ امام ابوحنیفہ کے زمانہ میں یہ حدیث عام ہو چکی تھی اس لئے اُن کو اس کی تعمیل میں کیا عذر ہو سکتا تھا۔

اصول درایت

فن حدیث میں سب سے بڑا کام امام ابوحنیفہ نے یہ کیا کہ درایت کے اُصول قائم کئے اور اُنکو احادیث کی تحقیق و تنقید میں برتا فن حدیث کی ایک شاخ یعنی روایت پر ہمارے علماء نے جسقدر توجہ کی اسکی کوئی نظیر دُنیا کی گذشتہ اور موجودہ تاریخ میں نہیں ملسکتی لیکن یہ افسوس ہے کہ اُصول درایت کے ساتھ چنداں اعتنا نہیں کیا گیا۔ حافظ ابن حجر کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فن میں بعض تصنیفیں لکھی گئیں۔ لیکن وہ اسقدر کم اور غیر متعارف ہیں کہ گویا نہیں ہیں اُصول حدیث ایک مستقل فن بنگیا ہے اور بڑی بڑی کتابیں جو اُس فن میں لکھی گئیں عموماً متداول ہیں لیکن اُن سے اُصول درایت کے متعلق بہت کم واقفیت حاصل ہوتی ہے حالانکہ یہی اصول فن حدیث کے نہایت ضروری اجزا ہیں یہ عزت صرف امام حنیفہ کو حاصل ہے کہ جب اس فن کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ اُس وقت اُنکی نگاہ ان باریک نکتوں تک پہنچی بے شبہ صحاح کی تاریخ میں جستہ جستہ اُصول درایت کے آثار نظر آتے ہیں اور درحقیقت وہی امام ابوحنیفہ کیلئے دلیل راہ بنے لیکن وہ باتیں عام مسائل کے ہجوم میں ایسی کم اور ناپید تھیں کہ اُنپر عام لوگوں کی نگاہ نہیں پڑ سکتی تھی۔

روایت کی صحت و عدم صحت کا مدار ہمیشہ راویوں کے اعتبار پر نہیں ہوتا اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک واقعہ کی روایت جس سند سے بیان کیجاتی ہے اُسکے تمام راوی ثقہ اور قابل اعتبار ہوتے ہیں لیکن واقعہ صحیح نہیں ہوتا احادیث میں بھی اسکی سیکڑوں مثالیں ملتی ہیں۔ اسلئے ضرور ہے کہ صرف رواۃ کی بنا پر احادیث کا فیصلہ نہ کیا جائے۔ بلکہ یہ بھی دیکھا جائے کہ وہ اُصول درایت کے مطابق ہیں یا نہیں۔

درایت سے یہ مطلب ہے کہ جب کوئی واقعہ بیان کیا جائے تو اُس پر غور کی جائے کہ وہ طبیعت انسانی

---

[1] شرح امام اعظم از ملا علی قاری

کے اقتضا۔ زمانہ کی خصوصیتیں منسوب الیہ کے حالات اور دیگر قرائن عقلی کے ساتھ کیا نسبت رکھتا ہے اگر اس معیار پر پورا نہیں اترتا تو اس کی صحت بھی مشتبہ ہوگی یعنی یہ احتمال ہوگا کہ روایت کے تغیرات نے واقعہ کی صورت بدل دی ہے اس قسم کے قواعد حدیث کی تحقیق و تنقید میں بھی استعمال کئے جاتے ہیں اور انہیں کا نام اصول درایت ہے۔ علامہ ابن جوزی۔ جو فن حدیث میں بڑا پایہ رکھتے تھے لکھتے ہیں[1]۔ کہ جس حدیث کو تم دیکھو کہ عقل کے مخالف یا اصول کے مناقض ہے تو یہ سمجھ لو کہ وہ موضوع ہے اس میں راویوں کے تحقیق حال کی کچھ ضرورت نہیں ہے اسی طرح وہ حدیث بھی موضوع ہے جو حس و مشاہدہ سے باطل ثابت ہو یا قرآن حدیث متواتر اجماع قطعی کے خلاف ہو اور قابل تاویل نہ ہو یا جس میں ایک معمولی سی بات پر سخت عذاب کی دھمکی ہو یا ذرا سے کام پر بڑے انعام کا وعدہ ہو اس طرح کی حدیثیں واعظوں اور صوفیوں کی روایتوں میں بہت پائی جاتی ہیں[1]۔

امام ابوحنیفہ نے درایت کے جو اصول قائم کئے اُن میں سے بعض ہم اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔

جو حدیث عقل قطعی کے مخالف ہو وہ اعتبار کے قابل نہیں[2]۔ یہ وہی قاعدہ ہے جس کو ابن جوزی نے تمام اصول درایت پر مقدم رکھا ہے۔ ابن جوزی چھٹی صدی میں تھے۔ اس وقت اسلامی علوم اوج کمال تک پہنچ گئے تھے اور فلسفیانہ خیالات کا اثر زیادہ عام ہوگیا تھا لیکن امام ابوحنیفہ کے زمانہ تک مذہب میں عقل کا نام لینا ایک جرم عظیم تھا امام صاحب نے اول اول جب یہ قاعدہ قرار دیا اور روایات میں برتا تو سخت مخالفت ہوئی۔ اس قسم کی حدیثیں جن میں ناممکن اور محال واقعات بیان کئے جاتے ہیں امام صاحب کے سامنے پیش کیجاتی تھیں تو وہ اُن سے انکار کرتے تھے۔ یہ امر عام لوگوں پر گراں گزرتا تھا۔ کیونکہ ان لوگوں کے خیال میں روایات کی تحقیق و تنقید کا مدار صرف رواۃ کی حالت پر تھا۔ اُصول درایت سے غرض نہ تھی۔ زمانہ مابعد میں اگرچہ یہ قاعدہ اُصول حدیث میں داخل کرلیا گیا لیکن ارباب روایت نے اس کو بہت کم برتا اور اسی کا نتیجہ ہے کہ آج بیسوں مخرافات اور دور دراز کار حدیثیں قبول عام کے شرف سے ممتاز ہیں۔

جو حدیث عقل قطعی کے مخالف ہو صحیح نہیں

تلک الغرانیق العلی کی حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ کی زبان سے (سورہ نجم کی تلاوت

---

[1] ابن جوزی کے الفاظ جیسا کہ فتح المغیث میں منقول ہے یہ ہیں کل حدیث رأیتہ یخالف المعقول او یناقض الاصول فاعلم انہ موضوع فلا یتکلف اعتبارہ ای لا تعتبر رواتہ ولا تنظر فی جرحہم او یکون مما یدفعہ الحس والمشاھدۃ او مباینا لنص الکتاب او السنۃ المتواترۃ والاجماع القطعی حیث لا یقبل شیئ من ذلک التاویل او یتضمن الافراط بالوعید الشدید علی الامر الیسیر او بالوعد العظیم علی الفعل الیسیر وھذا الاخیر کثیر موجود فی حدیث القصاص والطرقیۃ۔

[2] اس اصول کو علامہ ابن خلدون نے مقدمہ تاریخ میں امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب کیا ہے ۱۲۔

کے وقت بتوں کی تعریف میں یہ الفاظ ادا ہوئے تلک الغرانیق العلی وان شفاعتھن لترتجی یعنی یہ بت بہت معزز ہیں اور ان کی شفاعت کی امید کی جا سکتی ہو اور یہ الفاظ شیطان نے آنحضرت کی زبان میں ڈال دیئے تھے چنانچہ تلاوت کے بعد جبرئیل آئے اور انھوں نے شکایت کی کہ میں نے تو یہ الفاظ آپ کو نہیں سکھائے تھے۔ آپ نے کہاں سے پڑھ دیئے۔ اس حدیث کو امام صاحب کے موافق بعض محدثین مثلاً قاضی عیاض و ابوبکر بیہقی وغیرہ نے غلط کہا۔ لیکن محدثین کا ایک بڑا گروہ اس کو اب بھی صحیح تسلیم کرتا ہے۔ متاخرین میں حافظ ابن حجر سے زیادہ نامور کوئی نامور محدث نہیں گزرا۔ وہ بڑے زور و شور سے اس حدیث کی تائید کرتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں۔ کہ چونکہ اس کے رواۃ ثقہ ہیں اس لئے اس کی صحت سے انکار نہیں کیا جا سکتا اسی طرح رد الشمس کی حدیث کو جس میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت علی کی نماز عصر قضا ہو گئی تھی اس لئے انحضرت کی دعا سے آفتاب غروب ہونے کے بعد پھر طالع ہوا۔ محدث ابن جوزی نے جرأت کر کے موضوع کہا لیکن حافظ ابن حجر و جلال الدین سیوطی وغیرہ نے نہایت شدت سے مخالفت کی امام صاحب کے وقت میں اس سے زیادہ مخالفتیں ہوئیں۔ لیکن وہ ان باتوں کی کچھ پروا نہیں کرتے تھے۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ لفظ عقل سے امام صاحب کی مراد وہ وسیع معنی نہیں ہیں جو آج کل کے تعلیم یافتہ لوگوں نے قرار دیئے ہیں جسکی رو سے شریعت کے بہت سے اصلی مسائل برباد ہوئے جاتے ہیں۔

(۴) جو واقعات تمام لوگوں کو رات دن پیش آیا کرتے ہیں انکے متعلق اگر رسول اللہ سے کوئی ایسی روایت منقول ہو جو اخبار احاد کے درجہ سے زیادہ نہ ہو تو وہ روایت مشتبہ ہو گی۔ یہ اصول اس بنا پر ہے کہ جو واقعات تمام لوگوں سے متعلق تھے اسلئے صرف ایک دو شخص تک اس روایت کا محدود رہنا درایت کے خلاف ہے۔

مخالفت قیاس

اکثر مصنفین نے تصریح کی ہے کہ امام ابوحنیفہ اس روایت کو قبول نہیں کرتے جو قیاس کے مخالف ہو اگرچہ یہ قول محض بے اصل نہیں ہے۔ لیکن اسکی تعبیر میں لوگوں نے اکثر غلطی کی ہے اور انہیں غلط تعبیرات کا اثر ہے کہ امام ابوحنیفہ کی نسبت اربابِ ظاہر میں بہت سی بدگمانیاں قائم ہو گئیں۔ ان لوگوں نے امام صاحب کے مقصد و منشا پر کافی غور نہیں کی اور عام رائے قائم کر لی کہ وہ قیاس کو حدیث پر مقدم سمجھتے ہیں۔ امام صاحب سے اس مسئلہ کے متعلق جو اقوال منقول ہیں وہ صریح اس دعوی کے خلاف ہیں مسائل فقہ میں متعدد مثالیں موجود ہیں جن میں امام ابوحنیفہ نے حدیث و اثر کی وجہ سے قیاس کو مطلقاً ترک کر دیا ہے امام محمد اس بحث میں کہ قہقہہ نماز ناقض وضو ہے۔ امام ابوحنیفہ کی طرف استدلال کرتے ہیں اور لکھتے ہیں۔ لولا ما جاء من الآثار کان القیاس علی ما قال اہل المدینہ ولاکن لا قیاس مع اثر ولا ینبغی الا ان ینقاد الآثار۔ یعنی قیاس وہی ہے۔ جو اہل مدینہ کہتے ہیں۔ لیکن حدیث کے ہوتے قیاس کوئی

چیز نہیں اور صرف حدیث ہی کی پیروی کرنی چاہیے"! اس سے زیادہ اسباب میں کیا تصریح ہو سکتی ہے۔ عقود الجمان کے مصنف نے مختلف روایتوں سے امام ابوحنیفہ کے خاص اقوال نقل کیے ہیں کہ میں حدیث کے مقابلہ میں قیاس کو دخل نہیں دیتا۔ امام جعفر صادق سے امام صاحب نے جو گفتگو کی تھی اس میں بھی اس خیال کا اظہار کیا ہے۔

ان تصریحات کو دیکھ کر بعضوں نے اس انتساب میں تخصیص کی اور دعویٰ کیا کہ "جو حدیث قیاس جلی کے مخالف ہو اس کو امام صاحب قبول نہیں کرتے" عبدالکریم شہرستانی نے اصحاب الرائے کے بیان میں جہاں امام ابوحنیفہ اور ان کے تلامذہ کا ذکر آیا ہے لکھا ہے کہ وربما یقدمون القیاس الجلی علی احاد الاخبار یعنی یہ لوگ اکثر جلی کو اخبار احاد پر ترجیح دیتے ہیں۔ امام رازی نے بھی مناقب الشافعی میں اسکی جابجا تصریح کی ہے اور اس بنا پر امام ابوحنیفہ کے مقابلہ میں امام شافعی کی ترجیح کے وجوہ قائم کیے ہیں۔

میں نے بہت کچھ جد و جہد کی کہ اس مسئلہ کے متعلق امام صاحب کا کوئی صریح قول مل سکے لیکن نہ مل سکا جن لوگوں نے امام صاحب کی طرف اس قول کو منسوب کیا ہے غالباً صرف استنباط سے کام لیتے ہیں صریح قول نہیں پیش کر سکتے بے شبہ حنفیوں کے اصول فقہ میں یہ مسئلہ مذکور ہے کہ "وہ حدیث جس کے رواۃ فقیہ نہ ہوں اور ہر طرح قیاس کے مخالف ہو قابل حجت نہیں"! لیکن یہ حنفیوں کا مسئلہ اصول نہیں ہے بلکہ صرف عیسیٰ ابن ابان اور ان کے پیروؤں کی رائے ہے۔ ابوالحسن کرخی وغیرہ صریح اس کے مخالف ہیں اور صاحب مسلم الثبوت نے اس قول کو ترجیح دی ہے تعجب اور سخت تعجب ہے کہ بغیر کسی ثبوت کے امام ابوحنیفہ کی طرف یہ دعویٰ صرف اس اعتماد پر منسوب کر دیا گیا کہ فقہائے حنفیہ میں سے چند علما اسکے قائل ہیں بہت بڑی مثال بیع مصراۃ کی پیش کیجاتی ہے جس سے یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے اس مسئلہ میں صریح حدیث کے ہوتے ہوئے قیاس کو مقدم رکھا ہے لیکن ان مدعیوں کو معلوم نہیں کہ اس مثال میں قیاس کی تقدیم بعض علمائے حنفیہ کی ذاتی رائے ہے۔ امام صاحب سے اسکو کچھ واسطہ نہیں۔ امام رازی نے مناقب الشافعی میں اتنی احتیاط کی کہ اس موقع پر امام ابوحنیفہ کا نام نہیں لیا۔ بلکہ اصحاب ابی حنیفہ لکھا لیکن ہم اس احتیاط میں بھی ان کو معذور نہیں رکھتے۔ کیونکہ یہ رائے بعض حنفیوں کی ہے نہ سب کی۔ امام رازی نے اصحاب کے لفظ سے جو تعمیم ظاہر کی وہ صحیح نہیں۔

بیع مصراۃ کی حدیث کو امام ابوحنیفہ نے قیاس کی بنا پر رد نہیں کیا۔ بلکہ اس کے نسخ کا دعویٰ کیا ہے امام طحاوی نے معانی الآثار میں اس بحث کو نہایت تفصیل سے لکھا ہے وہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد کا مذہب لکھ کر لکھتے ہیں وذھبوا الی ان ماروی عن رسول اللہ فی ذالک مما تقدم ذکرنا لہ فی ھذا الباب منسوخ یعنی یہ لوگ اس بات کے قائل ہوئے ہیں کہ اس بارہ میں جو کچھ رسول اللہ سے روایت کیا گیا ہے وہ منسوخ ہے۔

لہ تعجب ہے کہ بڑے بڑے علما یہانتک کہ امام غزالی! امام رازی نے بھی امام ابوحنیفہ کی نسبت یہ الزام لگایا اور یہی بیع مصراۃ کی مثال پیش کی۔

اس موقع پر ہم اس بحث کی تفصیل نہیں کر سکتے صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس مسئلہ میں امام صاحب نے قیاس کو ترجیح نہیں دی بلکہ نسخ کا دعویٰ کیا ہے حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کے موقعوں پر نہایت دقیقہ بینی سے دیکھنا چاہیے کہ جو اقوال امام صاحب کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں وہ اُن سے ثابت بھی ہیں یا نہیں ہم متاخرین نے ان باتوں میں کم احتیاط کی ہے۔ اس لیے ہم کو نہایت غور و تحقیق سے کام لینا ہے۔ یہی بیع مصراۃ کی حدیث ہمیشہ اصول موضوعہ کے طور پر پیش کی جاتی ہے اور اس سے ثابت کیا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہ قیاس کو حدیث پر مقدم رکھتے تھے لیکن ذرا تحقیق سے کام لو تو معلوم ہوتا ہے کہ اس تمام شور و غل کی کچھ اصل نہیں بخلاف اس کے نہایت قوی ذریعہ سے امام ابوحنیفہ کی تصریحات ثابت ہیں کہ وہ حدیث صحیح کے مقابلہ میں قیاس کا مطلق اعتبار نہیں کرتے تھے۔ امام محمد اس بحث کے ذیل میں کہ جو شخص رمضان میں بھول کر کچھ کھا پی لے تو روزہ نہیں ٹوٹتا اور قضا نہیں لازم آتی۔ حدیث پر استدلال کر کے لکھتے ہیں کہ آثار کے ہوتے ہوئے رائے کچھ چیز نہیں۔ پھر امام ابوحنیفہ کا خاص قول نقل کرتے ہیں کہ لولا ما جاء فی ھذا من الآثار لامرت بالقضا یعنی اگر اس بارہ میں آثار موجود نہ ہوتے تو میں قضا کا حکم دیتا[1]۔

امام صاحب نے تصریح کی ہے کہ حدیث کے مقابلہ میں قیاس کا اعتبار نہیں کرنا چاہیے

ہاں ضرور ہے کہ احادیث کے ثبوت کے متعلق امام ابوحنیفہ کی شرطیں نہایت سخت ہیں جب تک وہ شرطیں پائی نہ جائیں وہ حدیث کو قابل استدلال نہیں سمجھتے لیکن اُن شرطوں کے ساتھ حدیث ثابت ہو تو اُنکے نزدیک پھر قیاس کوئی چیز نہیں۔

جس حد تک ہم تحقیق کر سکے امام ابوحنیفہ نے قیاس فقہی کو حدیث پر ہرگز مقدم نہیں رکھا لیکن اُنکے زمانہ تک قیاس کا لفظ نہایت وسیع معنوں میں مستعمل تھا اور اُن معنوں کے لحاظ سے امام صاحب نے قیاس کو حدیثوں میں دخل دیا ہے مسائل اور احکام شرعیہ کے متعلق اسلام میں شروع ہی سے دو فرقے قائم ہو گئے تھے ایک کا خیال تھا کہ شرعی احکام کسی مصلحت اور اقتضائے عقل پر مبنی نہیں ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ حسن و قبح اشیاء عقلی نہیں ہے۔ دوسرے فریق کی رائے تھی کہ تمام احکام مصالح پر مبنی ہیں۔ جن میں سے بعض کی مصلحتیں صاف نمایاں ہیں اور خود شارع کے کلام سے اُسکے اشارے پائے جاتے ہیں بعض ایسے ہیں جنکی مصلحت ہم کو معلوم نہیں۔ لیکن فی الواقع وہ مصالح سے خالی نہیں۔ اس اختلاف رائے نے حدیثوں کی روایت پر مختلف اثر پیدا کیے۔ بعض لوگ جب کسی حدیث کو سُنتے تھے تو صرف یہ دیکھ لیتے تھے کہ اُس کے راوی ثقہ ہیں یا نہیں۔ اگر اُن کے خیال کے موافق قابل حجت ہیں تو پھر اُنکو کوئی بحث نہیں ہوتی تھی اور بے تکلف اُس حدیث کو قبول کر لیتے تھے۔ دوسرا فریق بھی حسن و قبح عقلی کا قائل تھا۔ یہ بھی دیکھتا تھا کہ جو مسئلہ اور عقیدہ حدیث سے مستنبط ہوتا ہے وہ عقل و مصلحت کے موافق ہے یا نہیں۔ اگر نہیں ہوتا تو وہ حدیث کی زیادہ تحقیق و تنقید کی طرف مائل ہوتے تھے وہ دیکھتے تھے کہ راوی فہم و درایت

---

[1] کتاب الحج امام محمد ۱۲۔

کے لحاظ سے کیا یا یہ کہنے ہیں روایت باللفظ ہے یا بالمعنی۔ موقع حدیث کیا تھا کون لوگ مخاطب تھے کیا حالت تھی غرض اس قسم کے اسباب اور وجوہ پر غور کرتے تھے۔ ان باتوں سے اکثر اصل حقیقت کا پتہ لگ جاتا تھا۔

یہ طرز تحقیق خود صحابہ کے زمانہ میں قائم ہو چکا تھا۔ صحیح ابن ماجہ و ترمذی میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے رسول اللہ سے حدیث روایت کی کہ توضوء امما غیرت النار یعنی جس چیز کو آگ نے متغیر کر دیا ہو اس کے استعمال سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اسی بنا پر بعض مجتہدین قائل ہیں کہ گوشت کھانے سے وضو لازم آتا ہے۔ ابو ہریرہؓ نے جب یہ حدیث بیان کی تو عبداللہ بن عباس موجود تھے بولے کہ انتوضا من الحمیم یعنی اس بنا پر کہ تو گرم پانی کے استعمال سے بھی وضو لازم آتا ہے" ابو ہریرہ نے کہا اے برادر زادہ! جب رسول اللہ سے کوئی روایت سنو تو اس پر مثالیں نہ گھڑو" لیکن عبداللہ بن عباس اپنی رائے پر قائم رہے حضرت عائشہ نے ابن عمر کی اس حدیث پر ان المیت یعذب ببکاء اھلہ جو اعتراض کیا تھا اسی طرز تحقیق پر مبنی تھا۔ صحابہ کے حالات میں اس قسم کی متعدد مثالیں ملتی ہیں جن کا استقصا اس موقعہ پر ضروری نہیں۔

امام ابو حنیفہؒ کا بھی یہی مسلک تھا اور اسی کو لوگوں نے قیاس کے لفظ سے شہرت دی اس مسئلہ پر کہ احکام شریعت مصالح پر مبنی ہیں۔ اس موقع پر ہم تفصیلی گفتگو نہیں کر سکتے شاہ ولی اللہ صاحب کی بنیظیر کتاب حجۃ اللہ البالغہ اس بحث کیلئے کافی و وافی ہے۔ یہاں صرف اسقدر کہنا ضروری ہے کہ علمائے اسلام میں جو لوگ عقل و نقل دونوں کے جامع تھے مثلاً امام غزالی عزالدین عبدالسلام شاہ ولی اللہ وغیرہ ان لوگوں کا یہی مسلک تھا۔ امام ابو حنیفہ احادیث کی تنقید میں اس اصول کو ضروری طور پر ملحوظ رکھتے تھے و متعارض حدیثیں جو روایت کی حیثیت سے یکساں نسبت رکھتی تھیں ان میں وہ اس حدیث کو ترجیح دیتے تھے جو اصول مذکور کے موافق ہو۔

امام صاحب نے بعض موقعوں پر محض اس اصول کی مخالفت کی وجہ سے بعض حدیثوں کے تسلیم میں تامل کیا ہے ان کی اصطلاح میں یہ ایک علت خفیہ ہے محدثین نے اقسام حدیث میں ایک قسم معلل قرار دی ہے جس کی یہ تعریف کی ہے کہ حدیث میں بظاہر صحت کی تمام شرطیں پائی جاتی ہیں اور وہ قابل استدلال نہیں ہوتی اس قسم کی حدیثوں کی تمیز پر محدثین کو نہایت فخر ہے اور وہ اس کو ایک قسم کا الہام سمجھتے ہیں۔ علی بن المدینی جو امام بخاری کے استاد اور بہت بڑے مشہور محدث تھے ان کا قول ہے کہ ھی الہام و قلت للقیم بالتعلل من این لک ھذا لہ یکن لہ حجۃ[1] یعنی یہ الہام ہے اور اگر تم ماہر علل سے پوچھو کہ تم نے کیونکر اسکو معلل کہا تو وہ کوئی دلیل نہیں پیش کر سکتا۔ محدث ابو حاتم سے ایک شخص نے چند حدیثیں پوچھیں انہوں نے بعض کو مدرج بعض کو باطل بعض کو منکر بعض کو صحیح بتایا پوچھنے والے نے کہا کہ آپ کو کیونکر معلوم ہوا کیا راوی نے آپ کو ان باتوں

---

[1] فتح المغیث ۹۸-۱۲

کی اطلاع دی؟ ابو حاتم نے کہا نہیں! بلکہ مجھکو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے سائل نے کہا تو کیا آپ علم غیب کے مدعی ہیں ابو حاتم نے جواب دیا کہ تم اور ماہرین فن سے پوچھو اگر وہ میرے ہمزبان ہوں تو سمجھنا کہ میں نے بیجا نہیں کہا سائل نے ابو زرعہ سے وہ حدیثیں جاکر دریافت کیں انھوں نے ابو حاتم کی موافقت کی تب سائل کو تسکین ہوئی ہے

بعض محدثین کا قول ہے۔ اثر هجم علی قلوبهم لا يمكنهم رده و هيئة نفسانية لا معدل لهم عنه "ایک امر ہے جو آئمہ حدیث کے دل پر وارد ہوتا ہے اور وہ اسکو رد نہیں کر سکتے اور نفسانی اثر ہے جس سے گریز نہیں ہو سکتا" محدثین کا یہ دعویٰ بالکل صحیح ہے بلاشبہ فن روایت کی ممارست سے ایک ملکہ یا ذوق پیدا ہو جاتا ہے جس سے خود تمیز ہو جاتی ہے کہ یہ قول رسول اللہ کا ہو سکتا ہے یا نہیں اسی طرح شریعت کے احکام اور مسائل اور انکے اسرار و مصالح کے تتبع اور استقرار سے ایسا ذوق حاصل ہو سکتا ہے جس سے یہ تمیز ہو سکتی ہے کہ رسول اللہ نے یہ حکم دیا ہوگا یا نہیں لیکن ان اسرار اور مصالح کا تتبع محدث کا فرض نہیں ہے وہ مجتہد کے ساتھ مخصوص ہے اور یہی وجہ ہے کہ جب ان دقیق وجوہ کے لحاظ سے امام ابو حنیفہؓ نے بعض حدیثوں کو معلل قرار دیا تو ارباب ظاہر نے مخالفت کی اور بعضوں کو بدگمانی ہوئی کہ امام صاحب حدیث کو عقل و رائے کی بنا پر رد کرتے ہیں لیکن انصاف پسند انصاف کر سکتا ہے۔ کہ جب روایات اور ظاہر الفاظ کے استقرار سے محدثین کو ایسا مذاق پیدا ہو جاتا ہے جس سے وہ ایک حدیث کو جس میں بظاہر صحت کی تمام شرطیں پائی جاتی ہیں رد کر سکتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ جس شخص نے دقت نظر اور نکتہ شناسی کے ساتھ احکام شریعت کے اسرار اور مصالح کا تتبع کیا ہو وہ ایسے وجدان اور ذوق سے محروم رہے البتہ یہ نہایت نازک اور ذمہ داری کا کام ہے جس کا صرف وہ شخص متکفل ہو سکتا ہے جو بہت بڑا عالم۔ مجتہد۔ محدث۔ دقیقہ بین۔ مؤید بتائید الٰہی ہو لیکن ان شرطوں کا جامع امام ابو حنیفہؓ سے زیادہ کون ہو سکتا ہے۔

مراتب احادیث کا تفاوت

نہایت مہتم بالشان اور دقیق چیز جو امام ابو حنیفہؓ نے اس فن میں اضافہ کی وہ احادیث کی مراتب کا تفاوت اور ان تفاوتوں کے لحاظ سے احکام شرعیہ کی تقسیم ہے احکام اور مسائل کا پہلا ماخذ قرآن ہے جس میں کسی کو گفتگو نہیں ہو سکتی۔ قرآن کے بعد حدیث کا رتبہ ہے حدیث اور قرآن میں اصل امر کے لحاظ سے تو چنداں فرق نہیں وہ وحی متلو ہے اور یہ غیر متلو جو کچھ تفاوت اور اختلاف ہے وہ ثبوت کی حیثیت سے ہے۔ اگر کوئی حدیث ایسی تواتر اور قطعیت سے ثابت ہو جس طرح قرآن ثابت ہے تو اثبات احکام میں وہ قرآن کے ہم پلہ ہے لیکن حدیثوں کے ثبوت کے مراتب متفاوت ہیں اور احکام کے ثبوت میں انہیں تفاوتوں کے لحاظ کی ضرورت ہے محدثین نے حدیث کی جو قسمیں کی ہیں یعنی صحیح حسن ضعیف مشہور عزیز غریب وغیرہ انکے اختلاف مراتب سے احکام پر چنداں

لہ فتح المغیث ۔ ۹۸-۱۲

متواتر

مشہور

احاد

اثر نہیں پڑتا چنانچہ ان قسموں میں سے محدثین صرف ضعیف کا اعتبار نہیں کرتے باقی اقسام کو قریباً یکساں قابل حجت قرار دیتے ہیں محدثین کو اس سے زیادہ تدقیق اور امتیاز مراتب کی ضرورت بھی نہ تھی کیونکہ استنباط احکام اور تفریع مسائل ان کا فرض نہ تھا لیکن امام ابوحنیفہ کو تدوین فقہ کی وجہ سے جسکے وہ بانی اول ہیں زیادہ تدقیق اور فرق مراتب کی ضرورت پڑی اُنہوں نے نوعیت ثبوت کے لحاظ سے حدیث کی تین قسمیں قرار دیں (۱) متواتر یعنی وہ حدیث جس کے رواۃ پہلے طبقہ روایت میں اس کثرت سے ہوں جن کے تواتر علی الکذب کا گمان نہیں ہو سکتا یعنی رسول اللہ سے بیشمار لوگوں نے روایت کی ہو۔ اسیطرح ان لوگوں سے لیکر اخیر زمانہ تک بیشمار رواۃ ایسے آتے ہوں (۲) مشہور یعنی وہ حدیث جس کے رواۃ پہلے طبقہ روایت میں تو بہت نہوں لیکن دوسرے طبقہ سے اخیر تک اسی کثرت سے ہوں جو متواتر کے مشروط ہے (۳) احاد جو نہ متواتر اور مشہور نہو اس تقسیم کا اثر انکی رائے کے موافق احکام شرعیہ پر جو پڑتا ہے وہ یہ ہے کہ متواتر سے فرضیت اور رکنیت ثابت ہو سکتی ہے مشہور کا درجہ چونکہ متواتر سے کم ہے اسلیئے اس فرضیت کا اثبات تو نہیں ہو سکتا لیکن قرآن میں جو حکم مطلق ہو حدیث مشہور سے مقید ہو سکتا ہے اسی طرح اس سے زیادہ علی الکتاب ہو سکتی ہے احاد کا ثبوت چونکہ بالکل ظنی ہے اسلیئے وہ قرآن کے احکام منصوصہ پر کچھ اثر نہیں پیدا کر سکتی یہ مسئلہ اگرچہ نہایت واضح اور صاف ہے لیکن تعجب ہے کہ امام شافعی اور بعض اور محدثین اس کے مخالف ہیں۔ امام بیہقیؒ وغیرہ نے بعض مناظرات نقل کیے ہیں جو امام شافعیؒ اور امام محمدؒ میں واقع ہوئے اور جن میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس مسئلہ میں امام شافعیؒ نے امام محمدؒ کو بند کر دیا اگرچہ ہمارے نزدیک یہ مناظرے فرضی مناظرے ہیں جن کا ثبوت اصول روایت کے مطابق ہرگز نہیں ہو سکتا لیکن اس قدر ضرور ثابت ہوتا ہے کہ اس مسئلہ کا انتساب امام ابوحنیفہ کی طرف ضرور صحیح ہے۔

قوی سے قوی اعتراض جو اس مسئلہ پر کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ خود امام ابوحنیفہؒ اور اُنکے تلامذہ اسکے پابند نہ رہ سکے شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ البالغہ میں لکھا ہے کہ امام شافعیؒ نے امام محمدؒ سے کہا کہ کیا آپکے نزدیک خبر واحد سے قرآن پر زیادتی نہیں ہو سکتی امام محمدؒ نے کہا ہاں امام شافعیؒ نے کہا کہ قرآن مجید میں وارثوں کے حق میں وصیت کا حکم ہے آپ اس حدیث کی بنا پر لا وصیۃ للوارث وصیت کو ناجائز کیوں قرار دیتے ہیں غالباً شاہ صاحب نے یہ روایت بیہقیؒ کی کتاب الشافعیؒ سے لی ہے جس میں اور بھی بے سروپا روایتیں مذکور ہیں لیکن ہم شاہ صاحب کی خدمت میں عرض کرتے ہیں۔ کہ حنفیوں کے نزدیک وارثوں کے حق میں وراثت کا حکم کسی حدیث سے نہیں منسوخ ہوا بلکہ خود قرآن مجید کی اس آیت سے جس میں توریث کے احکام ہیں یہ صرف حنفیوں ہی کی رائے نہیں بلکہ تمام مفسرین کا یہی قول ہے (الا الشاذ النادر منہم)

ان مسائل پر اور بھی بہت سی بحثیں پیدا ہو گئی ہیں جنکی تفصیل ہم نہیں کر سکتے۔ لیکن اخبار احاد کی

بحث اور اس سے عقاید اسلام پر جو اثر پڑتا ہے اُسکو ہم اس موقعہ پر تفصیل سے لکھتے ہیں کیونکہ بعض محدثین کو زیادہ تر اسی مسئلہ میں ان سے اختلاف ہے۔

اخبار احاد کی نسبت اگرچہ محققین اور اکثر آئمہ حدیث کا یہی مذہب ہے کہ وہ ظنی الثبوت ہیں لیکن ایک فرقہ اسکے خلاف بھی ہے جس کے سرگروہ علامہ ابن الصلاح ہیں اگرچہ علامہ ابن الصلاح نے بھی اخبار احاد کی تمام حدیثوں کو قطعی نہیں تسلیم کیا ہے اُنہوں نے صحیح حدیث کی سات قسمیں کی ہیں (۱) جس پر بخاری و مسلم دونوں متفق ہوں (۲) بخاری منفرد ہوں (۳) مسلم منفرد ہوں (۴) بخاری و مسلم نے اس کو روایت نہ کیا ہو لیکن ان کی شرطوں کے موافق ہو (۵) صرف بخاری کی شرط پر ہو (۶) صرف مسلم کی شرط پر ہو (۷) بخاری و مسلم کی شرط کے موافق نہ ہو لیکن اور محدثین نے اسکو صحیح تسلیم کیا ہو۔ ان سات قسموں میں سے علامہ ابن الصلاح پہلی قسم کو قطعی الصحۃ قرار دیتے ہیں اور لکھتے ہیں وھذا القسم جمیعہ مقطوع بصحتہ والعلم النظری واقع بہ متفردات بخاری اور مسلم کی نسبت اُنکی رائے یہی ہے کہ اسی قبیل میں داخل ہیں بجز ان چند حدیثوں کے جن پر دارقطنی وغیرہ نے جرح کی ہے ابن الصلاح کا قول اگرچہ ظاہر بینوں میں اور بالخصوص آجکل زیادہ رواج پا گیا ہے لیکن کچھ شبہ نہیں کہ وہ بالکل غلط اور بے دلیل خیال ہے اور خود آئمہ حدیث اس کے مخالف ہیں علامہ نووی شرح صحیح مسلم میں ابن الصلاح کا قول تفصیلاً نقل کرکے لکھتے ہیں وھذا الذی ذکرہ الشیخ فی ھذہ المواضع خلاف ما قالہ المحققون والاکثرون فانھم قالوا احادیث الصحیحین التی لیست بمتواترۃ انما تفید الظن فانھا احاد والاحاد انما تفید الظن علی ما تقرر ولا فرق بین البخاری ومسلم وغیرھما فی ذلک یعنی شیخ ابن الصلاح نے ان موقعوں پر جو کچھ کہا وہ محققین اور اکثروں کی رائے کے خلاف ہے کیونکہ محققین اور اکثروں کا قول ہے کہ صحیحین کی حدیثیں جو تواتر کے رتبہ کو نہیں پہنچی ہیں صرف ظن کی مفید ہیں کیونکہ وہ اخبار احاد ہیں اور اخبار احاد کی نسبت ثابت ہو چکا ہے کہ اُنسے صرف ظن پیدا ہو سکتا ہے۔ اور اس باب میں بخاری و مسلم اور اور لوگ سب برابر ہیں ابن الصلاح کے قول کو اور آئمہ فن نے بھی رد کیا ہے لیکن ہم اس بحث کو لفظی طور سے طے کرنا نہیں چاہتے ہم کو خود غور کرنا چاہئے کہ اخبار احاد سے یقین پیدا ہو سکتا ہے یا ظن۔

کسی حدیث کو جب ایک محدث گو وہ کسی رتبہ کا ہو صحیح کہتا ہے تو اُس کا یہ دعویٰ درحقیقت چند ضمنی دعووں پر مشتمل ہوتا ہے یعنی یہ کہ روایت متصل ہے اسکے رواۃ ثقہ ہیں ضابطۃ القلب ہیں روایت میں شذوذ نہیں ہے کوئی علت قادحہ نہیں ہے یہ سب امور ظنی اور اجتہادی ہیں جن پر یقین کی بنیاد قایم ہو سکتی ہے جس طرح ایک فقیہ کسی مسئلہ کو قرآن یا حدیث سے استنباط کرکے اپنی دانست میں صحیح سمجھتا ہے اور اسکی صحت یقینی نہیں ہوتی کیونکہ استنباط میں

جن مقدمات سے کام لیا ہے اکثر اُس کے ظنیات ہیں اسی طرح حدیث کا حال ہے کسی حدیث کو صحیح کہنا محدث کے ظنیات و اجتہادات پر مبنی ہے ایک یا چند محدثین نے کسی حدیث کو اگر صحیح کہا ہو اور دوسرا شخص اسکی صحت نہیں تسلیم کرتا تو وہ صرف اس گناہ کا مجرم ہے کہ اس محدث یا محدثین کے اصول تحقیق قواعد استنباط طریق روایت غرض اُن کے اجتہادات اور مزعومات کا مخالف ہے حدیث کی تحقیق و تنقید کیلئے محدثین نے جو اُصول مقرر کئے ہیں اور جن پر احادیث کی صحت کا مدار ہے سب عقلی اور اجتہادی مسائل ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ان میں خود محدثین باہم اختلاف عظیم رکھتے ہیں ظاہر بینوں کا خیال ہے کہ حدیث کا فن نقلی ہے نہ عقلی لیکن جس شخص نے اُصول حدیث پر غور کی ہے وہ اس خیال کی غلطی کو نہایت آسانی سے سمجھ سکتا ہے اسی امر کی طرف امام ابو حنیفہ نے اشارہ کیا ہے کہ هذا الذی نحن فیه رأی لا نجبر علیه احدا ولا نقول یجب علی احد قبوله بعضوں نے غلطی سے امام صاحب کے اس وسیع قول کو فقہ پر محدود سمجھا لیکن ان کو معلوم نہیں کہ مجتہد کو مسائل سے زیادہ مسائل کے ماخذ سے بحث ہوتی ہے۔

احادیث ظنی الثبوت ہیں مزید تحقیق کی ضرورت

اصول حدیث کے ظنی اور اجتہادی ہونیکا ہی اثر ہے کہ محدثین کو احادیث کی صحت و عدم صحت میں اختلاف ہوتا ہے ایک محدث ایک حدیث کو نہایت صحیح مستند واجب العمل قرار دیتا ہے دوسرا اسی کو ضعیف بلکہ موضوع کہتا ہے۔ محدث ابن جوزی نے بہت سی حدیثوں کو موضوعات میں داخل کیا ہے جن کو دوسرے محدثین صحیح اور حسن کہتے ہیں ابن جوزی نے تو یہ قیامت کی کہ صحیحین کی بعض حدیثوں کو موضوع لکھدیا علامہ سخاوی لکھتے ہیں بل ربما ادرج فیها الحسن والصحیح مما فی احدی الصحیحین فضلا عن غیرهما یعنی ابن جوزی نے حسن اور صحیح تک کو جو بخاری یا مسلم میں موجود ہیں موضوعات میں درج کر دیا ہے دوسری کتابوں کا کیا ذکر ہے" بے شبہ ابن جوزی نے اس افراط میں غلطی کی لیکن یہ غلطی ایک اجتہادی غلطی ہے جس کا حاصل اسی قدر ہے کہ اُنھوں نے بخاری یا مسلم کے صحیح اجتہاد کو غلط خیال کیا ان اُصولی اختلافات کیوجہ سے احادیث کی صحت اور عدم صحت میں جو اختلافات پیدا ہو گئے ہیں ان کا استقصا کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

حدیث مرفوع کی پہلی ضروری شرط یہ ہے کہ رسول اللہ تک متصل ثابت ہو لیکن اتصال کے ثبوت کے جو طریقے تسلیم کئے ہیں انہیں اکثر ظنی اور اجتہادی ہیں صحابہ کے ان الفاظ کو "یہ امر سنت ہے" "ہم کو یہ حکم دیا گیا تھا ہم اس بات سے روکے گئے تھے" "رسول اللہ کے زمانہ میں ہم فلاں کام کرتے تھے یا ہم اسکو برا نہیں سمجھتے تھے" اکثروں نے مرفوع قرار دیا ہے اور بعضوں نے یہاں تک وسعت دی کہ جن حدیثوں میں یہ الفاظ تھے ان کو لفظوں کے روایت کر دیا کہ رسول اللہ نے فرمایا حالانکہ یہ الفاظ اس معنی میں قطعی الدلالۃ نہیں ہیں بلکہ صحابہ کے ظن اور اجتہاد پر

مبنی ہیں جسکی نسبت عموماً تسلیم کیا گیا ہے' فھم الصحابی لیس بحجۃ یعنی صحابی کی سمجھ کوئی دلیل نہیں اسی بنا پر بعض علماء نے اختلاف کیا اور کہا کہ یہ الفاظ رفع واتصال کیلئے کافی نہیں ہیں امام شافعی ابن حزم ظاہری ابوبکر رازی اور دیگر محققین نے صحابہ کے اس قول کو کہ "یہ فعل سنت ہے" حدیث مرفوع نہیں قرار دیا کتب سیر واحادیث میں بیسیوں مثالیں ملتی ہیں جنمیں صحابی نے یہ الفاظ استعمال کئے اور وہ حدیث نبوی نہ تھی بلکہ خود اُن کا قیاس واجتہاد تھا لیکن اکثر محدثین نے ان حدیثوں کو مرفوع کہا۔ اس خیال نے یہ آفت پیدا کی کہ اس کی بنا پر بعض رواۃ نے صریح مرفوع الفاظ میں حدیث کی روایت کردی جسکی وجہ سے ایک عام شبہ پیدا ہوگیا۔

معنعن روایتوں میں اتصال کا ثابت ہونا نہایت مشکل ہے حالانکہ اس قسم کی روایتیں کثرت سے ہیں۔ امام بخاری کا مذہب ہے کہ معنعن حدیثوں میں اگر یہ ثابت ہو کہ راوی اور مروی عنہ دونوں ہمزبان اور کبھی ملے بھی تھے تو وہ حدیث متصل سمجھی جائے گی امام مسلم حالانکہ امام بخاری کے شاگرد اور زیادہ انہیں کے طریقے کے پیرو تھے تاہم اُنھوں نے نہایت سختی سے اس شرط کی مخالفت کی اور صرف ہمزبان ہونا کافی سمجھا۔ اس اختلاف کا یہ نتیجہ ہے کہ امام بخاری کے اُصول کے موافق امام مسلم کی وہ تمام معنعن روایتیں جن میں لقا نہیں ثابت ہے منقطع ہیں حالانکہ امام مسلم ان کو متصل سمجھتے ہیں اور اس پر ان کو یہاں تک اصرار ہے کہ اپنے مخالف کو سخت الفاظ سے یاد کرتے ہیں[1] امام مسلم نے تو زیادہ توسیع کی لیکن امام بخاری کی شرط کیموافق بھی معنعن روایت میں اتصال کا ثبوت محض ظنی ہے یہ کچھ ضرور نہیں کہ دو شخص ہمزبان اور باہم لقا ہوں۔ تو اُن کی روایتیں ہمیشہ بالذات ہوں جہاں حدثنا اور اخبرنا ہوگا وہاں ایسا ہونا البتہ ضرور ہے لیکن اگر یہ الفاظ نہیں ہیں اور راوی نے عن کے لفظ سے روایت کی ہے تو اتصال کا خیال قیاس غالب ہوگا لیکن یقینی نہوگا حدیث وسیر میں بیسیوں مثالیں مل سکتی ہیں کہ دو راوی ایک زمانہ میں تھے اور آپس میں ملاقات بھی تھی تاہم ایک نے دوسرے سے بعض روایتیں بواسطہ کیں وغیرہ کی تجربہ نہیں اسکی سیکڑوں شہادتیں ملتی ہیں۔

رجال کی تنقید

سب سے بڑا ضروری اور اہم مسئلہ رجال کی تنقید ہے اخبار احاد کا تمام تر مدار رجال پر ہے لیکن رجال کی تنقید وتوثیق ایسا ظنی مسئلہ ہے جس کا قطعی فیصلہ نہایت مشکل اور قلیل الوجود ہے ایک شخص کو بہت سے لوگ نہایت ثقہ نہایت متدین نہایت راستباز سمجھتے ہیں اسی شخص کو دوسرے اشخاص ضعیف الروایۃ غیر ثقہ ناقابل اعتبار خیال کرتے ہیں لطف یہ ہے کہ دونوں فریق اس رتبہ کے ہوتے ہیں جن کی عظمت وشان سے انکار نہیں کیا جاسکتا امام بخاری ومسلم میں گو ایسا سخت اختلاف نہیں تاہم بہت سی رواۃ ہیں جن کو

---

[1] دیکھو مقدمہ صحیح مسلم ۱۲۔

ان دونوں اماموں سے ایک قابل حجت سمجھتا ہے اور دوسرا نہیں سمجھتا۔ علامہ نووی نے مقدمہ صحیح مسلم میں بعضوں کے نام بھی لکھے ہیں اور محدث حاکم کی کتاب المدخل سے نقل کیا ہے کہ ان لوگوں کی تعداد جن سے امام مسلم نے مسند صحیح میں احتجاج کیا ہے اور امام بخاری نے جامع صحیح میں اُن سے حجت نہیں لی ۶۲۵ ہے۔

میزان الاعتدال کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سینکڑوں بلکہ ہزاروں رواۃ ہیں جنکی جرح و تعدیل مختلف فیہ ہے اور ایسا ہونا ضرور تھا۔ کسی شخص کے ان تمام اوصاف و عادات پر مطلع ہونا جن کا اثر روایت کی قوت و ضعف پر پڑ سکتا ہے۔ مدتوں کی ملاقات اور تجربہ پر موقوف ہے جو لوگ جرح و تعدیل کے کام میں مصروف تھے سینکڑوں ہزاروں راویوں سے ایسی عمیق واقفیت کیونکر حاصل کر سکتے تھے اسی لئے مختلف قرائن ظاہری آثار عام شہرت سمعی روایتوں سے کام لینا پڑتا تھا اور بہت کم قطعی فیصلہ ہو سکتا تھا۔ اگرچہ محدثین نے ان تعارضات کے رفع کرنے کیلئے اُصول قرار دیے ہیں لیکن وہ اصول خود اجتہادی اور مختلف فیہ ہیں اسکے علاوہ متعدد موقعوں پر محدثین کو خود اپنے اُصول سے انحراف کرنا پڑتا ہے جرح کو عموماً تعدیل پر مقدم مانا گیا ہے لیکن بہت سی روات ہیں جنکی نسبت اس قاعدہ کی پابندی نہیں کی جاتی محمد بن بشار المصری احمد بن صالح مصری۔ عکرمہ مولی ابن عباس کی نسبت مفصل جرحیں موجود ہیں تاہم ان جرحوں کا اعتبار نہیں کیا جاتا تعجب ہے کہ جارحین و معدلین دونوں آئمہ فن ہوتے ہیں اور انکی رایوں میں اسقدر اختلاف ہوتا ہے جس سے سخت تعجب پیدا ہوتا ہے جابر جعفی کوفی ایک مشہور راوی ہے جس کو دعوی تھا کہ مجھکو پچاس ہزار حدیثیں یاد ہیں اسکی نسبت آئمہ جرح و تعدیل کی یہ رائیں ہیں۔

سفیان کا قول ہے کہ میں نے جابر سے زیادہ محتاط حدیث میں نہیں دیکھا شعبہ کہتے ہیں کہ جابر جب اخبرنا حدثنا کہیں تو وہ اوثق الناس ہیں۔ امام سفیان ثوری نے شعبہ سے کہا کہ اگر تم جابر جعفی میں گفتگو کروگے تو میں تم میں گفتگو کرونگا۔ وکیع کا قول ہے کہ تم لوگ اور کسی بات میں شک کرو تو کرو لیکن اس بات میں کچھ شک نکرو کہ جابر جعفی ثقہ ہیں اسکے مقابلہ میں اور آئمہ فن کی رائیں ہیں جس کے یہ الفاظ ہیں کہ وہ متروک ہے کذاب ہے وضاع ہے۔ چنانچہ آخر فیصلہ جو پچھلے محدثوں نے کیا وہ یہی ہے کہ جابر کی روایت قابل اعتبار نہیں۔

اس سے یہ غرض نہیں کہ جرح و تعدیل کا فن نا قابل اعتبار ہے بلکہ یہ مقصود ہے کہ جن وسائل اور طرق سے رجال کے حالات قلمبند کئے گئے اور کئے جا سکتے تھے ان کا مرتبہ ظن غالب یا محض ظن سے فائق نہیں ہو سکتا اسلئے اس پر یقینیات اور قطعیات کی بنیاد نہیں قائم ہو سکتی ✤

ادائے مطلب

ان امور کے بعد ادائیہ معنی کی بحث باقی رہتی ہے مثلاً ایک حدیث تمام محدثین اور مجتہدین کے اُصول کیموافق متصل بھی ہے رواۃ بھی ثقہ ہیں شذوذ بھی نہیں ہے لیکن یہ بحث اب بھی باقی ہے کہ راوی نے ادائے مطلب کیونکر کیا ہے موقع اور محل روایت کی تمام خصوصیتیں ملحوظ رکھیں یا نہیں؟ فہم مطلب یا طریقہ ادا میں تو کوئی غلطی نہیں کی

چونکہ یہ مسلم ہے کہ محدثین اکثر بالمعنی روایت کرتے ہیں اسلئے ان احتمالات کو زیادہ قوت ہوجاتی ہے صحابہ کے زمانہ میں کسی روایت کی صحت سے انکار کیا جاتا تھا۔ تو اسی بنا پر کیا جاتا تھا ورنہ یہ ظاہر ہے کہ صحابہ عموماً ثقہ تھے اور انکی روایت میں انقطاع کا کوئی احتمال نہ تھا صحیح مسلم باب التیمم میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمرؓ سے مسئلہ دریافت کیا کہ مجھکو غسل کی حاجت ہوئی اور پانی نہ مل سکا حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ نماز نہ پڑھو عمارؓ موجود تھے اُنہوں نے اس مسئلہ کے متعلق رسول اللہؐ سے ایک روایت بیان کی اور کہا کہ اس موقع پر آپ بھی موجود تھے حضرت عمرؓ نے کہا اتق اللہ یا عمار یعنی اے عمار خدا سے ڈرو۔ یہ ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ عمار کو کاذب الروایۃ نہیں سمجھتے تھے لیکن اس احتمال پر کہ شاید اُن کے مطلب میں غلطی ہوئی یہ الفاظ فرمائے چنانچہ عمار نے کہا "کہ اگر آپکی مرضی نہ ہو تو یہ حدیث نہ روایت کیا کروں" اخبار احاد کی بحث کو ہمنے قصداً اسلئے طول دیا کہ محدثین زیادہ تر اسی مسئلہ کی وجہ سے امام ابوحنیفہؒ پر رد و قدح کرتے ہیں حالانکہ امام صاحب کا مذہب نہایت تحقیق اور دقت نظر پر مبنی ہے۔

یہ تمام احتمالات اور اجتہادات اخبار احاد کے ساتھ مخصوص ہیں متواتر اور مشہور ہیں ان بحثوں کا ساتھ نہیں انہیں وجوہ اور اسباب سے اخبار احاد کے متعلق مختلف رائیں پیدا ہوگئیں معتزلہ نے تو سرے سے انکار کیا اُن کے مقابلہ میں بعض محدثین نے یہ شدت کی کہ خبر واحد کو قطعی قرار دیا صرف یہ شرط لگائی کہ رواۃ ثقہ ہوں اور انقطاع و شذوذ و علت نہو بعض محدثین اگرچہ اصول کے طور پر اخبار احاد کو ظنی کہتے ہیں لیکن جزئیات احکام اور مسائل اعتقادی میں اس کا خیال نہیں رکھتے امام ابوحنیفہؒ نے اس بحث میں جو مسلک اختیار کیا وہ نہایت معتدل اور اُنکی دقت نظر کی بہت بڑی دلیل ہے اُنہوں نے نہ معتزلہ کی طرح سرے سے انکار کیا نہ ظاہریوں کی طرح خوش اعتقادی سے اسکی قطعیت تسلیم کی امام صاحب کی یہ رائے بڑے بڑے صحابہ کی رائے کے موافق ہے۔ حضرت عمرؓ حضرت عائشہؓ عبداللہ بن مسعودؓ نے متعدد موقعوں پر خبر واحد کی تسلیم میں تردد کیا ہے جس کی وجہ یہی تھی کہ وہ اخبار احاد کو قطعی نہیں سمجھتے تھے فاطمہ بنت قیس نے جب حضرت عمرؓ کے سامنے رسول اللہؐ سے روایۃ کی کہ لا سکنی ولا نفقۃ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا لا نترک کتاب اللہ بقول امرءۃ لا ندری صدقت ام کذبت یعنی "ایک عورت کی روایت کی بنا پر جس کی نسبت معلوم نہیں کہ اُس نے غلط کہا یا صحیح ہم کتاب الٰہی کو چھوڑ نہیں سکتے" فقہی احکام میں اس قاعدہ سے متعدد تفریعیں ہیں مثلاً یہ کہ اخبار احاد سے کسی حکم کا فرض ہونا نہیں ثابت ہوسکتا کیونکہ فرضیت ثبوت قطعی کی محتاج ہے البتہ اس سے ظن غالب پیدا ہوتا ہے اسلئے وجوب سنت استحباب ثابت ہوسکتا ہے اسی بنا پر نماز میں قرات فاتحہ کو امام شافعیؒ فرض سمجھتے ہیں اور امام ابوحنیفہؒ واجب اس اصول پر بہت سے احکام متفرع ہیں۔

خبر واحد قطعی نہیں

خبر واحد میں صحابہ نے شک کیا ہے

فقہ سے زیادہ اس قاعدہ کا اثر علم کلام پر پڑتا ہے اور یہی چیز ہے جس نے ایک زمانہ کو امام ابوحنیفہؒ کا مخالف بنا دیا تھا امام صاحب نے مذکورہ بالا قاعدہ کی بنا پر یہ اصول قرار دیا تھا کہ جو مسائل اور عقائد اسلام میں متفق علیہ ہیں اُن کے خلاف اخبار احاد و الی

اس قاعدہ کا اثر علم کلام کے مسائل پر

اعتبار نہیں مثلاً انبیا کی عصمت اہل حق کا ایک مسلمہ مسئلہ ہے اس کے برخلاف جن روایتوں سے
انبیار کا مرتکب کبائر ہونا ثابت ہوتا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے اصول کے موافق وہ روایتیں قابل اعتبار
نہیں اس اصول کی بنا پر بہت سے اشکالات سے جو لاحدہ پیش کرتے ہیں نجات ملتی ہی لیکن افسوس
ہے کہ اکثر ارباب روایت نے اس عمدہ اصول کی قدر نہ کی بلکہ اُلٹی اور مخالفت کی۔ علامہ ابن عبد البر نے
جو مشہور محدث ہیں کتاب الکنی میں لکھا ہی کان من مذہب الامام ابی حنیفۃ فی اخبار احاد ان لا یقبل منہا لا
لا یخالف الاصول المجمع علیہا فانکر علیہا اصحاب الحدیث فافرطوا یعنی اخبار احاد میں امام ابو حنیفہ کا یہ مذہب تھا
کہ اصول متفق علیہ کے خلاف ہو تو قابل قبول نہیں اسپر اصحاب حدیث نے انکی مخالفت کی افراط کو پہنچا دیا۔

محدثین اور امام ابو حنیفہؒ کے اصول میں عملاً یہ فرق ہے کہ جو حدیث اصول متفق علیہ کے خلاف ہوتی تھی محدثین
اسکی صحت کو تسلیم کرکے تاویل سے کام لیتے تھے حالانکہ اکثر جگہ محض بار دتاویل ہوتی تھی بخلاف اسکے امام صاحب
اس طرف مائل ہوتے تھے کہ چونکہ وہ حدیث متواتر اور مشہور نہیں ہے اسلئے ممکن ہے کہ رواۃ نے غلطی یا مسامحت
کی ہو۔ امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں ایک بحث لکھی ہے جو اس قسم کی ایک عمدہ مثال ہے وہ لکھتے
ہیں کہ ایک شخص سے میں نے کہا کہ یہ حدیث جسمیں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم تین بار جھوٹ بولے ما کذب
ابراہیم الا ثلث کذبات صحیح نہیں۔ کیونکہ اس سے حضرت ابراہیم کا (نعوذ باللہ) کاذب ہونا لازم آتا ہے۔ اُس
شخص نے کہا کہ اس حدیث کے رواۃ ثقہ ہیں اُنکو کاذب کیونکر کہا جائے میں نے جواب دیا کہ حدیث کو صحیح مانیں تو
حضرت ابراہیم کا کذب لازم آتا ہے اور غلط تسلیم کریں تو راوی کو کاذب ماننا پڑتا ہے لیکن یہ بدیہی بات ہے کہ
حضرت ابراہیم کو راوی پر ترجیح ہے“ امام رازیؒ کا استدلال امام ابو حنیفہؒ کے اسی خیال پر مبنی ہے یعنی چونکہ انبیار کا
معصوم اور صادق ہونا متفق علیہ ہے اسلئے خبر واحد اسکے متعارض نہیں ہو سکتی افسوس ہے کہ محدث قسطلانی نے صحیح بخاری
کی شرح میں اس استدلال کو نقل کرکے لکھتے ہیں کہ جب رواۃ ثقہ ہیں تو حدیث کو بہر حال صحیح ماننا چاہیے۔ اسی اصول پر امام صاحب
اس بات کے قائل ہیں کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم ہر سورت کے شروع میں جزو قرآن نہیں“ امام شافعیؒ اور بعض محدثین اسکے خلاف ہیں
اور سند میں چند حدیثیں پیش کرتے ہیں امام ابو حنیفہؒ کیطرف سے یہ جواب ہے کہ قرآن تواتر سے ثابت ہے اور جو تواتر سے ثابت
ہے وہی قرآن ہے اخبار احاد سے قرآن نہیں ثابت ہو سکتا اسی طرح امام صاحب کے اصول کے مطابق وہ روایتیں
قابل اعتبار نہیں جنمیں عبد اللہ بن مسعودؓ کی طرف معوذتین کا انکار منسوب کیا گیا ہے حافظ ابن حجر نے ان روایتوں کو
صحیح تسلیم کیا ہے اور لکھا ہے کہ روایت سے انکار نہیں کرنا چاہیے کہ معوذتین متواتر نہیں ہیں۔ یا تو انکا رتبہ گھٹانا ہوگا
کہ رسول اللہؐ کے اصحاب کو بھی اُس سے واقف ہونا ضرور نہوا امام صاحب کے اس اصول کے مطابق اسلام کا دائرہ اسقدر
وسیع رہتا ہے جسقدر کہ اُسکو رہنا چاہیے بخلاف اس کے اور لوگوں کی رائے کے مطابق اُسکی وسعت نقطہ سے

بھی کم رہجاتی ہے مثلاً یہ مسلم اور یقینی ہے کہ جو شخص توحید اور نبوت کا قایل ہے اور دل سے اُسپر اعتقاد رکھتا ہے وہ قرآن مجید کی نص کے مطابق مسلمان ہے اب اُس کے مقابلہ میں وہ حدیثیں جو قطعی الثبوت نہیں ہیں اور جن میں بہت سے خارجی امور پر کفر کا حکم دیا گیا ہے کچھ اثر نہیں پیدا کر سکتیں اسی بنا پر امام صاحب معتزلہ قدریہ جہمیہ وغیرہ کو کافر نہیں کہتے تھے اور اس قسم کی حدیثوں کا بہتر فرقوں میں سے صرف ایک فرقہ بہشتی ہے اور باقی دوزخی اعتبار نہیں کرتے تھے لیکن بہت سے ظاہر بینوں نے ان حدیثوں کا یہ رتبہ قائم کیا کہ اُن کی بنا پر بات بات پر کفر کے فتوے دیے یہاں تک کہ جو شخص وضع قطع میں ذرا بھی کسی دوسرے کے مشابہ ہو جائے وہ کافر ہے خود متاخرین حنفیہ نے امام صاحب کے اس عمدہ اصول کو نظر انداز کر دیا اور سینکڑوں ہزاروں مسئلے کفر کے ایجاد کر دیے جن کی تفصیل سے فقہ کی کتابیں مالا مال ہیں۔

فقہ

اسلامی علوم مثلاً تفسیر حدیث مغازی ان کی ابتدا اگرچہ اسلام کے ساتھ ساتھ ہوئی لیکن جس وقت تک اُنکو فن کی حیثیت نہیں حاصل ہوئی وہ کسی خاص کیطرف منسوب نہیں ہوئے دوسری صدی کے اوائل میں تدوین و ترتیب شروع ہوئی ہے اور جن لوگوں نے تدوین و ترتیب کی وہ اُن علوم کے بانی کہلائے چنانچہ بانی فقہ کا لقب امام ابو حنیفہ کو ملا جو درحقیقت اس لقب کے سزاوار تھے اگر ارسطو علوم منطق کا موجد ہے تو بے شبہ امام ابو حنیفہ بھی علم فقہ کے موجد ہیں۔ امام صاحب کی علمی زندگی کا بڑا کارنامہ فقہ ہی ہے اسلئے ہم اسپر تفصیلی بحث کرنی چاہتے ہیں لیکن اصل مقصد سے پہلے ضرور ہے کہ مختصر طور پر ہم علم فقہ کی تاریخ لکھیں جس سے ظاہر ہو کہ یہ علم کب شروع ہوا اور کیونکر شروع ہوا ہے اور خاصکر یہ کہ امام ابو حنیفہ نے جب اسکو پایا تو اسکی کیا حالت تھی۔

فقہ کی مختصر تاریخ

فقہ کی تاریخ پر شاہ ولی اللہ صاحب نے ایک نہایت عمدہ مضمون لکھا ہے جس کا التقاط ہمارے لئے کافی ہے وہ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ کے زمانہ میں احکام کی قسمیں نہیں پیدا ہوئی تھیں۔ آنحضرت صحابہ کے سامنے وضو فرماتے تھے اور کچھ نہ بتاتے تھے کہ یہ رکن ہے یہ واجب ہے یہ مستحب ہے صحابہ آپکو دیکھ کر اُسی طرح وضو کرتے تھے نماز کا بھی یہی حال تھا۔ یعنی صحابہ فرض و واجب وغیرہ کی تفصیل و تدقیق نہیں کیا کرتے تھے جس طرح رسول اللہ کو نماز پڑھتے دیکھا خود بھی پڑھ لی۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے کسی قوم کو رسول اللہ کے صحابہ سے بہتر نہیں دیکھا لیکن اُنہوں نے رسول اللہ کی تمام زندگی میں تیرہ مسئلوں سے زیادہ نہیں پوچھے جو سب کے سب قرآن میں موجود ہیں۔ البتہ جو واقعات غیر معمولی طور سے پیش آتے تھے اُن میں لوگ آنحضرت سے استفتا کرتے اور آنحضرت جواب دیتے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا کہ لوگوں نے کوئی کام کیا اور آپنے اُسپر تحسین کی یا اُس سے ناراضمندی ظاہر کی اس قسم کے فتوے اکثر عام مجمعوں میں ہوتے تھے۔ اور لوگ آنحضرت کے اقوال کو ملحوظ رکھتے تھے۔

آنحضرتؐ کی وفات کے بعد فتوحات کو نہایت وسعت ہوئی اور تمدن کا دائرہ وسیع ہوتا گیا واقعات اس کثرت سے پیش آئے کہ اجتہاد و استنباط کی ضرورت پڑی اور اجمالی احکام کی تفصیل پر متوجہ ہونا پڑا مثلاً کسی شخص نے غلطی سے نماز میں کوئی عمل ترک کر دیا۔ اب بحث یہ پیش آئی کہ نماز ہوئی یا نہیں" اس بحث کے پیدا ہونے کے ساتھ یہ تو ممکن نہ تھا کہ نماز میں جس قدر اعمال تھے سب کو فرض کہدیا جاتا صحابہ کو تفریق کرنی پڑی کہ نماز میں کتنے ارکان فرض و واجب ہیں کتنے مسنون اور مستحب اس تفریق کے لئے جو اصول قرار دیئے جا سکتے تھے ان پر تمام صحابہ کی رایوں کا متفق ہونا ممکن نہ تھا اس لئے مسائل میں اختلاف آرا ہوا اور اکثر مسئلوں میں صحابہ کی مختلف رائیں قائم ہوئیں بہت سے ایسے واقعات پیش آئے کہ رسول اللہؐ کے زمانہ میں اُن کا عین و اتر یح پایا گیا تھا صحابہ کو ان صورتوں میں استنباط تفریع حمل النظیر علی النظیر قیاس سے کام لینا پڑا ان اصول کے طریقے یکساں نہ تھے اس لئے ضروری اختلاف پیدا ہوئے غرض صحابہ ہی کے زمانہ میں احکام اور مسائل کا ایک دفتر بن گیا اور جُدا جُدا طریقے قائم ہو گئے

صحابہ مجتہدین

صحابہ میں سے جن لوگوں نے استنباط و اجتہاد سے کام لیا اور مجتہد یا فقیہ کہلائے ان میں سے چار بزرگ نہایت ممتاز تھے۔ عمرؓ۔ علیؓ۔ عبداللہؓ بن مسعود۔ عبداللہؓ بن عباس۔ حضرت علی و عبداللہ بن مسعود زیادہ تر کوفہ میں رہے اور وہیں اُن کے احکام کی زیادہ ترویج ہوئی۔ اس تعلق سے کوفہ فقہ کا دار العلوم بن گیا جس طرح کہ حضرت عمرؓ و عبداللہؓ بن عباس کے تعلق سے حرمین کو دار العلوم کا لقب حاصل ہوا تھا۔

حضرت علی

حضرت علی بچپن سے رسول اللہ کی آغوش تربیت میں پلے تھے اور جسقدر انکو آنحضرتؐ کے اقوال و افعال سے مطلع ہونیکا موقع ملا تھا کسی کو نہیں ملا تھا ایک شخص نے اُنسے پوچھا کہ آپ اور صحابہ کی نسبت کثیر الروایہ کیوں ہیں؟ فرمایا کہ میں آنحضرتؐ سے کچھ دریافت کرتا تھا تو بتاتے تھے اور چپ رہتا تھا تو خود ابتدا کرتے تھے۔ اس کے ساتھ ذہانت قوت استنباط بلکہ استخراج ایسا بڑھا ہوا تھا کہ عموماً صحابہ اعتراف کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ کا عام قول تھا کہ خدا نہ کرے کہ کوئی مشکل مسئلہ آن پڑے اور علیؓ موجود نہوں" عبداللہ بن عباس خود مجتہد تھے مگر کہا کرتے تھے کہ جب ہم کو علی کا فتویٰ مل جائے تو کسی اور چیز کی ضرورت نہیں۔

عبداللہ بن مسعود

عبداللہؓ بن مسعود بھی حدیث و فقہ دونوں میں کامل تھے رسول اللہ کیساتھ جس قدر جلوت و خلوت میں ہمدم و ہمراز رہے تھے بہت کم لوگ رہے ہونگے۔ صحیح مسلم میں ابو موسیٰ سے روایت ہے کہ ہم یمن سے آئے اور کچھ دنوں تک (مدینہ) میں رہے ہم نے عبداللہ بن مسعود کو رسول اللہ کے پاس اس کثرت سے آتے جاتے دیکھا کہ قرآن مجید میں کوئی آیت ایسی نہیں ہے جس کی نسبت وہ یہ نہ جانتے ہوں کہ کس باب میں اُتری ہے" وہ کہا کرتے تھے کہ اگر کوئی شخص قرآن مجید کا مجھ سے زیادہ عالم ہوتا تو میں اُسکے پاس سفر کر کے جاتا" صحیح مسلم میں ہے کہ اُنھوں نے ایک مجمع میں دعویٰ کیا کہ تمام صحابہ جانتے ہیں کہ میں قرآن کا سب سے زیادہ عالم ہوں شقیق اس جلسہ میں موجود تھے وہ کہتے ہیں کہ

اس واقعہ کے بعد میں اکثر صحابہ کے حلقوں میں شریک ہوا مگر کسی کو عبداللہ بن مسعودؓ کے دعوے کا منکر نہیں پایا۔
عبداللہ بن مسعود باقاعدہ طور پر حدیث و فقہ کی تعلیم دیتے تھے اور انکی درسگاہ میں بہت سے تلامذہ کا مجمع رہتا تھا جنمیں سے چند شخص یعنی اسود عبیدہ حارث علقمہ نہایت نامور ہوئے علقمہ رسول اللہ کی زندگی میں پیدا ہوئے تھے اور حضرت عمرؓ عثمانؓ علیؓ عائشہؓ سعدؓ حذیفہؓ خالد بن الولیدؓ خبابؓ اور بہت سے صحابہ سے حدیثیں روایت کیں خاص کر عبداللہ بن مسعود کی صحبت میں اس التزام سے رہے تھے اور انکے طور و طریقہ کے اسقدر قدم بقدم چلتے تھے کہ لوگوں کا قول تھا کہ جس نے علقمہ کو دیکھ لیا اس نے عبداللہ بن مسعود کو دیکھ لیا خود عبداللہ بن مسعود کا قول تھا کہ جس قدر علقمہ کی معلومات ہیں میری معلومات اس سے زیادہ نہیں ہیں۔ اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ صحابہ ان سے مسائل دریافت کرنے آتے تھے عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں میں اگر کوئی شخص علقمہ کا ہمسر تھا تو اسود تھے

ابراہیم نخعی

علقمہ و اسود کے انتقال کے بعد ابراہیم نخعی مسند نشین ہوئے اور فقہ کو بہت کچھ وسعت دی یہانتک کہ انکو فقیہ العراق کا لقب ملا علم حدیث میں ان کا یہ پایہ تھا کہ صیرفی الحدیث کہلاتے تھے امام شعبی نے جو علامۃ التابعین کے لقب سے ممتاز ہیں انکی وفات کے وقت کہا "ابراہیم نے کسی کو نہیں چھوڑا جو انسے زیادہ عالم اور فقیہ ہو" اس پر ایک شخص نے تعجب سے پوچھا کہ کیا حسن بصری اور ابن سیرین بھی؟ شعبی نے کہا حسن بصری اور ابن سیرین پر کیا ختم ہے بصرہ کیا شام حجاز میں کوئی شخص ان سے زیادہ عالم نہیں رہا ابراہیم نخعی کے عہد میں مسائل فقہ کا ایک مختصر مجموعہ تیار ہو گیا تھا جس کا ماخذ حدیث نبوی اور حضرت علی اور عبداللہ بن مسعود کے فتوے تھے یہ مجموعہ گو مرتب طور پر قلمبند نہیں کیا گیا لیکن انکے شاگردوں کو اسکے مسائل زبانی یاد تھے سب سے زیادہ یہ مجموعہ حماد کے پاس جمع تھا جو ابراہیم کے تلامذہ میں نہایت ممتاز تھے چنانچہ انکے مرنیکے بعد فقہ کی مسند خلافت بھی انہیں کو ملی حماد نے گو فقہ کو چنداں ترقی نہیں دی لیکن وہ ابراہیم کے مجموعہ فقہ کے بہت بڑے حافظ تھے حماد نے سنہ ۱۲۰ ہجری میں قضا کی اور لوگوں نے انکی جگہ امام ابوحنیفہ کو فقہ کی مسند پر بٹھایا۔

امام صاحب کے زمانہ تک اگرچہ فقہ کے معتد بہ مسائل مدون ہو چکے تھے لیکن اولاً تو یہ تدوین صرف زبانی روایت تھی دوسرے جو کچھ تھا فن کی حیثیت سے نہ تھا نہ استنباط و استدلال کے قواعد قرار پائے تھے نہ احکام کی تفریع کے اصول منضبط تھے نہ حدیثوں میں امتیاز مراتب تھا نہ قیاس اور شبہ النظیر علی النظیر کے قاعدے مقرر تھے۔
مختصر یہ کہ فقہ جزئیات مسائل کا نام تھا اور اسکو قانون کے رتبہ تک پہنچانیکے لئے بہت سے زینے باقی تھے تاریخ سے اس بات کا پتہ لگانا مشکل ہے کہ امام ابوحنیفہ کو خاص کس سبب سے فقہ کی تدوین کا خیال پیدا ہوا قلائد عقود العقیان کے مصنف نے کتاب انموذج القتال سے اس کا ایک قصہ نقل کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ دو شخص حمام میں نہانے گئے اور حمامی کے پاس کچھ امانت رکھتے گئے ایک ان میں سے نہا کر نکلا اور حمامی سے امانت طلب کی اس نے دیدی یہ لے کر

ابوحنیفہ کو فقہ کی تدوین کا خیال کیونکر پیدا ہوا۔

چلتا بنا دوسرا حمام سے باہر آیا اور امانت مانگی تو اُس نے عذر کیا کہ میں نے تمہارے شریک کو حوالہ کردی اُس نے عدالت میں استغاثہ کیا قاضی صاحب نے حمامی کو ملزم ٹھیرایا کہ جب دونوں ملکر تیرے پاس امانت رکھی تھی تو تجھکو ضرور تھا کہ دونوں کی موجودگی میں واپس کرتا حمامی گھبرایا ہوا امام ابوحنیفہ کے پاس آیا امام صاحب نے کہا کہ تم جاکر اُس شخص سے کہو کہ میں تمہاری امانت ادا کرنیکے لئے تیار ہوں لیکن قاعدے کے موافق تنہا تم کو نہیں دے سکتا شریک کو لاؤ تو لیجاؤ اس واقعہ کے بعد امام صاحب کو فقہ کی تدوین کا خیال پیدا ہوا اور اسکی ترتیب شروع کی۔

ممکن ہے کہ یہ واقعہ صحیح ہو لیکن اس خیال کے پیدا ہونیکے اصلی اسباب اور تھے یہ امر تاریخوں سے ثابت ہے کہ امام صاحب کو تدوین فقہ کا خیال قریباً سنہ ۱۲۰ھ میں پیدا ہوا یعنی جب اُنکے اُستاد حماد نے وفات پائی یہ وہ زمانہ ہے کہ اسلام کا تمدن نہایت وسعت پکڑ گیا تھا عبادات اور معاملات کے متعلق اس کثرت سے واقعات پیدا ہو گئے تھے اور ہوتے جاتے تھے کہ ایک مرتب مجموعہ قانون کے بغیر کسی طرح کام نہیں چلسکتا تھا نیز سلطنت کی وسعت اور دوسری قوموں کے میل جول سے تعلیم و تعلم نے اسقدر وسعت حاصل کرلی تھی کہ زبانی سند و روایت اس کا تحمل نہیں کرسکتی تھی ایسے وقت پر قدرتی طور پر لوگوں کے دلمیں خیال آیا ہوگا کہ ان جزئیات کو اُصول کیساتھ ترتیب دیکر ایک فن بنا دیا جائے۔

امام ابوحنیفہ کی طبیعت مجتہدانہ اور غیر معمولی طور پر متقنیانہ واقع ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ تجارت کی وسعت اور ملکی تعلقات نے معاملات کی ضرورتوں سے خبردار کردیا تھا اطراف بلاد سے ہر روز جو سینکڑوں ضروری استفتا آتے تھے اُن سے اُن کو اندازہ ہوتا تھا کہ ملک کو اس فن کی کس قدر حاجت ہے قضاۃ اور حکام فصل قضایا میں جو غلطیاں کرتے تھے وہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے۔

غرض یہ اسباب اور وجوہ تھے جنہوں نے انکو اس فن کی تدوین اور ترتیب پر آمادہ کیا۔ ممکن ہے کہ کسی خاص واقعہ سے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا اس آمادگی کو اور تحریک ہوئی جس کیساتھ عملی کوشش کا ظہور ہوا۔

امام صاحب نے جس طریقہ سے فقہ کی تدوین کا ارادہ کیا وہ نہایت وسیع اور پرخطر کام تھا اسلئے اُنہوں نے اتنے بڑے کام کو اپنی ذاتی رائے اور معلومات پر منحصر کرنا نہیں چاہا اس غرض سے اُنہوں نے اپنے شاگردوں میں سے چند نامور شخص انتخاب کئے جن میں سے اکثر خاص فنون میں جو تکمیل فقہ کیلئے ضروری تھے اُستاد زمانہ تسلیم کئے جاتے تھے مثلاً یحییٰ بن ابی زائدہ حفص بن غیاث قاضی ابویوسف داؤد الطائی حبان مندل حدیث و آثار میں نہایت کمال رکھتے تھے امام زفر قوت استنباط میں مشہور تھے قاسم بن معن اور امام محمد کو ادب اور عربیت میں کمال تھا۔ امام صاحب نے ان لوگوں کی شرکت سے ایک مجلس مرتب کی اور باقاعدہ طور سے فقہ کی تدوین شروع ہوئی امام طحاوی نے بسند متصل اسد بن فرات سے روایت کی ہے کہ ابوحنیفہؒ کے تلامذہ جنہوں نے فقہ کی تدوین کی چالیس تھے جن میں یہ لوگ زیادہ ممتاز تھے۔ ابویوسف زفر داؤد طائی اسد بن عمرو یوسف

تلامذہ
فقہ کی تدوین
میں شریک
تھے

بن خالد التیمی یحییٰ بن ابی زائدہ امام طحاوی نے یہ بھی روایت کی ہے کہ لکھنے کی خدمت یحییٰ سے متعلق تھی اور وہ
تیس برس تک اس خدمت کو انجام دیتے رہے اگرچہ یہ صحیح ہے کہ اس کام میں کم و بیش تیس برس کا زمانہ صرف
ہوا یعنی ۱۲۱ھ سے ۱۵۰ھ تک جو امام ابوحنیفہ کی وفات کا سال ہے لیکن یہ غلط ہے کہ یحییٰ شروع سے اس
کام میں شریک تھے یحییٰ ۱۲۰ھ میں پیدا ہوئے تھے اسلئے وہ شروع سے کیونکر شریک ہو سکتے تھے طحاوی نے
جن لوگوں کے نام گنائے ہیں اُنکے سوا عافیہ ازدی ابو ذعروی علی مسہر قاسم بن معن حبان مندل بھی اس مجلس کے ممبر رہے تھے

تدوین کا طریقہ یہ تھا کہ کسی خاص باب کا کوئی مسئلہ پیش کیا جاتا تھا اگر اسکے جواب میں سب لوگ متفق الرائے ہوتے تو
اُسی وقت قلمبند کر لیا جاتا ورنہ نہایت آزادی سے بحثیں شروع ہوتیں کبھی کبھی بہت دیر تک بحث قائم رہتی امام
صاحب بہت غور اور تحمل کے ساتھ سب کی تقریریں سُنتے اور بالآخر ایسا جچا تلا فیصلہ کرتے کہ سب کو تسلیم کرنا
پڑتا کبھی ایسا بھی ہوتا کہ امام صاحب کے فیصلے کے بعد بھی لوگ اپنی اپنی رایوں پر قائم رہتے اُسوقت وہ سب
مختلف اقوال قلمبند کر لیے جاتے اس کا التزام تھا کہ جبتک تمام شرکائے جلسہ جمع نہو لیں کسی مسئلہ کو طے نہ کیا جائے۔

جواہر مضیئہ کے مصنف نے عافیہ بن زید کے تذکرہ میں اسحٰق سے روایت کی ہے کہ امام ابوحنیفہ کے اصحاب
کسی مسئلہ میں بحث کرتے ہوتے اور عافیہ موجود نہوتے تو امام صاحب فرماتے کہ عافیہ کو آلینے دو جب وہ آلیتے اور
اتفاق کرتے تب وہ مسئلہ درج تحریر کیا جاتا اس طرح تیس برس کی مدت میں یہ عظیم الشان کام انجام کو پہنچا امام صاحب
کی اخیر عمر قید خانہ میں گذری وہاں بھی یہ کام برابر جاری رہا۔

اس مجموعہ کی ترتیب جیسا کہ حافظ ابوالمحاسن نے بیان کی ہے یہ تھی اول باب الطہارۃ باب الصلوٰۃ باب الصوم
پھر عبادات کے اور ابواب اسکے بعد معاملات سب سے اخیر میں باب المیراث۔

اس مجموعہ کا رواج

امام صاحب کی زندگی ہی میں اس مجموعہ نے وہ حسن قبول حاصل کیا کہ اسوقت کی حالات کے لحاظ سے مشکل سے
قیاس میں آ سکتا ہے جس قدر اسکے اجزا تیار ہوتے جاتے تھے ساتھ ہی ساتھ تمام ملک میں اسکی اشاعت ہوتی جاتی تھی
امام صاحب کا درسگاہ ایک قانونی مدرسہ تھا جس کے طلبا نہایت کثرت سے ملکی عہدوں پر مامور ہوتے اور انکی آئین حکومت
کا یہی مجموعہ تھا تعجب یہ ہے کہ جن لوگوں کو امام صاحب سے ہمسری کا دعویٰ تھا وہ بھی اس کتاب سے بے نیاز نہ تھے امام
سفیان ثوری نے بڑے لطائف الحیل سے کتاب الرہن کی نقل حاصل کی اور اسکو اکثر پیش نظر رکھتے تھے
زائدہ کا بیان ہے کہ میں نے ایک دن سفیان کے سرہانے ایک کتاب دیکھی جس کا وہ مطالعہ کر رہے تھے
اُن سے اجازت مانگ کر میں اسکو دیکھنے لگا تو ابوحنیفہ کی کتاب الرہن نکلی۔ میں نے تعجب سے پوچھا کہ آپ
"ابوحنیفہ کی کتابیں دیکھتے ہیں" بولے "کاش انکی سب کتابیں میرے پاس ہوتیں"۔

یہ بھی کچھ کم تعجب کی بات نہیں کہ باوجودیکہ اس وقت بڑے بڑے مدعیان فن موجود تھے اور ان میں بعض

امام ابوحنیفہ سے مخالفت بھی رکھتے تھے تاہم کسی کو اس کتاب کی ردو قدح کی جرأت نہیں ہوئی امام رازی مناقب الشافعی میں لکھتے ہیں ان اصحاب الرای اظہر وامذ ھبھم وکانت الدآب مملوۃ من المحدثین ورواۃ الاخبار ولم یقدر احد منھم الطعن فی اقاویل اصحاب الرای یعنی اصحاب الرائے (ابوحنیفہ اور اُنکے تلامذہ) نے اپنے مسائل جس زمانہ میں ظاہر کئے دنیا محدثین اور راویان اخبار سے بھری ہوئی تھی تاہم کسی کو یہ قدرت نہوئی کہ اُن کے قول پر اعتراض کرتا۔ امام رازی نے تو عام نفی کی ہے لیکن ہم کو زیادہ استقصا ہی معلوم ہوا کہ اس عموم میں ایک استثنا ہی۔ کیونکہ بیہقی نے تصریح کی ہے کہ امام اوزاعی نے ابوحنیفہ کی کتاب السیر کا رد لکھا تھا جس کا جواب قاضی ابو یوسف نے لکھا۔

غالباً یہ مجموعہ بہت بڑا مجموعہ تھا اور ہزاروں مسائل پر مشتمل تھا۔ قلائد عقود العقیان کے مصنف نے کتاب الصیانتہ کے حوالہ سے لکھا ہی کہ امام ابوحنیفہ نے جسقدر مسائل مدون کئے اُنکی تعداد بارہ لاکھ نوے ہزار سے کچھ زیادہ ہی۔ شمس الائمہ کردری نے لکھا ہی کہ "یہ مسائل چھ لاکھ تھی" یہ خاص تعداد شاید صحیح نہو لیکن کچھ شبہ نہیں کہ اُن کی تعداد لاکھوں سے کم نہ تھی۔ امام محمد کی جو کتابیں آج موجود ہیں اُنسے اسکی تصدیق ہوسکتی ہی۔

اگرچہ اس میں کسی طرح شبہ نہیں ہوسکتا کہ امام ابوحنیفہ کی زندگی ہی میں فقہ کے تمام ابواب مرتب ہو گئے تھے۔ رجال و تاریخ کی کتابوں میں اس کا ثبوت ملتا ہے جسکا انکار گویا تواتر کا انکار ہی لیکن افسوس ہی کہ وہ مجموعہ ایک مدت سے ضائع ہو گیا ہی اور دنیا کے کسی کتب خانہ میں اُس کا پتہ نہیں چلتا۔ امام رازی مناقب الشافعی میں لکھتے ہیں کہ ابوحنیفہ کی کوئی تصنیف باقی نہیں رہی۔ امام رازی نے ۶۰۶ھ میں انتقال کیا اِس لحاظ سے کم از کم چھ سَو برس ہوئے کہ امام صاحب کی تصنیفات ناپید ہو چکیں۔ امام صاحب کی تصنیفات کا ضائع ہو جانا اگرچہ کچھ محل تعجب نہیں۔ اِس عہد کی ہزاروں کتابوں میں سے آج ایک کا بھی وجود نہیں امام اوزاعی ابن جریج ابن عروبہ حماد بن ابی معمر۔ ان کی تالیفات عین اُسی زمانہ میں شائع ہوئیں جب امام ابوحنیفہ کا دفتر فقہ مرتب ہو رہا تھا تاہم اُن کتابوں کا نام بھی کوئی نہیں جانتا لیکن امام ابوحنیفہ کی تصنیفات کی گمشدگی کی ایک خاص وجہ ہی امام صاحب کا مجموعہ فقہ اگرچہ بجائے خود مرتب اور خوش اسلوب تھا لیکن قاضی ابو یوسف و امام محمد نے اُنہیں مسائل کو اِس توضیح و تفصیل سے لکھا۔ اور ہر مسئلہ پر استدلال و برہان کے ایسے حاشیئے اضافہ کئے کہ انہیں کو رواج عام ہو گیا اور اصل ماخذ سے لوگ بے پروا ہو گئے۔ ٹھیک اسی طرح جسطرح کہ متاخرین نحویوں کی تصنیفات کے پیچھے فرا، کسائی، خلیل، اخفش، ابوعبیدہ کی کتابیں دنیا سے بالکل ناپید ہو گئیں حالانکہ یہ لوگ فن نحو کے بانی اور مدون اوّل تھے۔

امام صاحب کے مسائل کا آج جو ذخیرہ دنیا میں موجود ہے وہ امام محمد اور قاضی ابو یوسف کی تالیفات ہیں جن کے نام اور مختصر حالات اِن بزرگوں کے ترجمہ میں ہم لکھیں گے۔

امام موصوف کے زمانہ میں جو مجموعہ مرتب ہوا تھا وہ معدوم ہو گیا۔

یہ فقہ اگرچہ عام طور سے فقہ حنفی کہلاتا ہی لیکن درحقیقت وہ چار شخصوں یعنی امام ابوحنیفہ، زفر، قاضی ابویوسف امام محمد کی رایوں کا مجموعہ ہی۔ قاضی ابویوسف و امام محمد نے بہت سے مسائل میں امام ابوحنیفہ کی رائے سے اختلاف کیا ہی۔ فقہا حنفیہ نے روایتیں نقل کی ہیں کہ ان صاحبوں کو اعتراف تھا کہ ہم نے جو اقوال امام ابوحنیفہ کے مخالف کہے وہ بھی امام ابوحنیفہ ہی کے اقوال تھے کیونکہ بعض مسئلوں میں امام ابوحنیفہ نے متعدد اور مختلف رائیں ظاہر کی تھیں یہ روایتیں شامی وغیرہ میں مذکور ہیں لیکن اُن کا ثابت ہونا مشکل ہی۔ ہمارے نزدیک یہ اُن فقہا کا ظن ہی۔ قاضی ابویوسف اور امام محمد اجتہاد مطلق کا منصب رکھتے تھے اور اُنکو اختلاف کا پورا حق حاصل تھا۔ اسلام کی ترقیاں اُسیوقت تک رہیں کہ لوگ باوجود حسن عقیدت کے بزرگوں و استادوں کی رائے سے علانیہ مخالفت کرتے تھے اور جب یہ خیالات کم ہوئے ترقی محدود ہوگئی۔

یہ مسائل جو فقہ حنفی کے نام سے موسوم ہیں نہایت تیزی سے تمام ملک میں پھیل گئے۔ عرب میں تو چنداں ان مسائل کو رواج نہوا کیونکہ مدینہ میں امام مالک اور مکہ میں اور ائمہ اُنکے حریف مقابل موجود تھے۔ لیکن عرب کے سوا تمام ممالک اسلامی میں جنکی وسعت سندھ سے ایشیائے کوچک تک تھی عموماً انہیں کا طریقہ جاری ہوگیا۔ ہندوستان۔ سندھ۔ کابل۔ بخارا۔ وغیرہ میں تو اُنکے اجتہاد کے سوا کسی کا اجتہاد تسلیم ہی نہیں کیا جاتا۔ دوسرے ممالک میں گو شافعی و حنبلی فقہ کا رواج ہوا لیکن فقہ حنفی کو دبا نہیں سکا البتہ بعض ملکوں میں وہ بالکل معدوم ہوگیا اور اُس کے خاص اسباب تھے مثلاً افریقہ میں ۴۰۰ھ تک امام ابوحنیفہ کا طریقہ تمام طریقوں پر غالب تھا لیکن معزبن بادیس نے ۴۰۷ھ میں جب وہاں کی مستقل حکومت قائم کی تو حکومت کے زور سے تمام ملک میں مالکی فقہ کو رواج دیدیا کہ آجتک قائم ہی[1]۔

سلاطین اکثر حنفی تھے۔

ایک خاص بات یہ ہی کہ عنان حکومت جن لوگوں کے ہاتھ میں رہی اکثر حنفی ہی فقہ کے پابند تھے۔ خلفائے عباسیہ تو اس بحث سے خارج ہیں۔ کیونکہ یہ خاندان جبتک اوج پر رہا۔ یہ لوگ تلوار کیساتھ قلم کے بھی مالک رہے یعنی اُن کو خود دعوی اجتہاد تھا۔ اور کبھی کسی کی تقلید نہیں کی تنزل کے بعد وہ اس قابل ہی نہیں رہے کہ اُنکے حالات سے کسی ملکی اثر کا اندازہ کیا جائے تاہم اُن میں اگر کسی نے تقلید گوارہ کی تو ابوحنیفہ ہی کی کی۔ عبداللہ بن المعتز جو فن بدیع کا موجد تھا اور خلفائے عباسیہ میں سب سے بڑا شاعر اور ادیب تھا حنفی المذہب[2] تھا۔

عباسیہ کے تنزل کیساتھ جن خاندانوں کو عروج ہوا۔ اکثر حنفی تھے۔ خاندان سلجوق جس نے ایک وسیع مدت تک حکومت کی اور جنکے دائرہ حکومت کی وسعت طول میں کاشغر سے بیت المقدس تک اور عرض میں قسطنطنیہ سے بلاد خزر تک پہنچی تھی حنفی تھا۔ محمود غزنوی جس کے نام سے ہندوستان کا بچہ بچہ واقف ہی فقہ حنفی کا بہت بڑا عالم تھا فن فقہ میں اُس کی ایک نہایت عمدہ تصنیف موجود ہی جسکا نام التفرید ہی اور جسمیں کم و بیش ساٹھ ہزار مسئلے ہیں نورالدین زنگی کا نام چھپا ہوا نہیں ہے وہ ہمارے ہیروز میں داخل ہے۔

[1] تاریخ ابن خلکان ترجمہ معزبن بادیس ۱۲ [2] تاریخ ابن خلکان ترجمہ عبداللہ بن المعتز ۱۲

بیت المقدس کی لڑائیوں میں اوّل اُسی نے نام حاصل کیا۔ صلاح الدین فاتح بیت المقدس اُسی کے دربار میں ملازم تھا۔ دنیا میں پہلا دارالحدیث اسی نے قائم کیا۔ اگرچہ وہ شافعی ومالکی فقہ کی عزت کرتا تھا۔ لیکن وہ خود اور اُسکا تمام خاندان مذہباً حنفی تھا۔ صلاح الدین خود شافعی تھا لیکن اِسکے خاندان میں بھی حنفی المذہب موجود تھے الملک المعظم عیسےٰ بن الملک العادل جو ایک وسیع ملک کا بادشاہ تھا علامہ ابن خلکان اُسکے حالات میں لکھتے ہیں کہ وہ نہایت عالی ہمت فاضل ہوشمند دلیر پُر رعب تھا۔ اور حنفی المذہب میں غلو رکھتا تھا چراکسہ مصر جو نویں صدی کے آغاز میں مصر کی حکومت پر پہنچے اور ۱۳۰ برس تک فرمانروا رہے اور بہت سی فتوحات حاصل کیں خود حنفی تھے اور اُن کے دربار میں اِسی مذہب کو زیادہ فروغ تھا۔ سلاطین ترک جو کم وبیش چھ سو برس سے روم کے فرمانروا ہیں اور آج اُنکی سلطنت اسلام کی عزت ووقار کی اُمیدگاہ ہے عموماً حنفی تھے خود ہمارے ہندوستان کے فرمانروا خوانین اور آل تیمور اسی مذہب کے پابند رہے اور اُنکی وسیع سلطنت میں اس طریقہ کے سوا اور کسی طریقہ کو رواج نہو سکا۔ بعضوں کا خیال ہی کہ حنفی مذہب کو جو قبول عام حاصل ہوا وہ حکومت کے صدقہ سے ہوا۔ ابن حزم جو ارباب ظاہر کے مشہور امام ہیں اُنکا قول ہی کہ دو مذہبوں نے سلطنت کے زور سے ابتدا ہی میں رواج عام حاصل کیا۔ ایک ابوحنیفہ کا مذہب کیونکہ جب قاضی ابویوسف کو قاضی القضاۃ کا منصب ملا تو اُنہوں نے حنفی لوگوں کو عہدہ قضا پر مقرر کیا۔ دوسرا امام مالک کا مذہب اندلس میں۔ کیونکہ امام مالک کے شاگرد یحییٰ مصمودی خلیفہ اندلس کے نہایت مقرب تھے اور کوئی شخص بے اُن کے مشورے کے عہدہ قضا پر مقرر نہیں ہو سکتا تھا وہ صرف اپنے ہم مذہبوں کو مقرر کراتے تھے۔[1]

حنفی فقہ کے حسن قبول کا سبب

لیکن یہ ابن حزم کی ظاہر بینی ہے۔ امام ابوحنیفہ سنہ ۱۲۰ھ میں مسند اجتہاد پر بیٹھے قاضی ابویوسف نے سنہ ۱۷۰ھ کے بعد قاضی القضاۃ کا منصب حاصل کیا کیونکہ اُن کے تقرر اور عروج کا زمانہ ہارون الرشید کے عہد سے شروع ہوتا ہی جو سنہ ۱۷۰ھ میں تخت نشین ہوا تھا۔ قاضی ابویوسف کے فروغ سے پہلے پچاس برس کا زمانہ گذر چکا تھا جس میں امام ابوحنیفہ کے مذہب نے قبول عام حاصل کر لیا تھا اور اُن کے سینکڑوں شاگرد قضا کے عہدوں پر مامور ہو چکے تھے اس کامیابی کو کس کی طرف منسوب کیا جائے؟ یہ ضرور ہی کہ قاضی ابویوسف کی وجہ سے امام صاحب کے مسائل کو اور زیادہ عروج ہوا لیکن مذہب حنفی کا اصلی عروج قاضی صاحب کی کوششوں کا محتاج نہ تھا امام رازی صاحب نے باوجود مخالفت کے تسلیم کیا ہے کہ

ثم انہ لما قوی مذہب اسباب الرای واشتہر وعظم وقعتہ فی الصوب ثم اتفق اتصال ابی یوسف ومحمد بخدمۃ ہارون الرشید عظمت تلک والقوم جدا لان العلم والسلطنۃ حصلا لہم یعنی "اصحاب الرای کا مذہب قوی ہوگیا اور شہرت پکڑ گیا اور اُس کی وقعت دلوں میں بہت ہو گئی پھر اس کے بعد ابویوسف ومحمد کو ہارون الرشید کے دربار میں رسائی حاصل ہوئی تو یہ قوت بہت ہی زیادہ بڑھ گئی۔ کیونکہ علم اور حکومت دونوں مجتمع ہو گئے۔

---

[1] الجواہر المضیئہ ترجمہ نورالدین زنگی ۱۲ ابن حزم کے اس قول کو علامہ ابن خلکان نے یحییٰ مصمودی کے ترجمہ میں نقل کیا ہے ۱۲

اس کے علاوہ قاضی ابو یوسف کا اثر ہارون الرشید کے زمانہ تک محدود تھا۔ دیرپا اور غیر منقطع کامیابی کس نے پیدا کی؟ یوں تو بعض اور ائمہ نے بھی اپنے عہد میں نہایت رسوخ حاصل کیا تھا۔ امام اوزاعی اپنی زندگی میں بلکہ زمانہ مابعد تک بھی تمام شام کے امام مطلق تسلیم کئے گئے اور ان ممالک میں لوگ عموماً انہیں کی تقلید کرتے تھے لیکن وہ ایک محدود اثر تھا جو بہت جلد جاتا رہا۔ ان واقعات سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے مذہب میں ایسی خاص خوبیاں ہیں جو اور مذہبوں میں نہیں۔

تمام ممالک اسلامی میں جن ائمہ کی فقہوں نے رواج پایا وہ صرف چار ہیں۔ ابوحنیفہ۔ مالک۔ شافعی۔ احمد حنبل مسائل فقہ کی ترویج و اشاعت کا سبب۔ اگرچہ خود ان مسائل کی خوبی و عمدگی ہے۔ لیکن کچھ شبہ نہیں کہ اس امر میں واضع فقہ کی ذاتی رسوخ اور عظمت کو بھی بہت کچھ دخل ہے۔ ہمارے نزدیک امام ابوحنیفہ کے سوا اور مجتہدین فقہ کی ترویج و اشاعت کا باعث زیادہ تر انکی ذاتی خصوصیتیں تھیں مثلاً امام مالک مدینہ کے رہنے والے تھے جو نبوت کا مرکز اور خلفائے راشدین کا دار الخلافہ رہ چکا تھا اس تعلق سے لوگوں کو عموماً مدینہ اور ارباب مدینہ کے ساتھ خلوص و عقیدت تھی۔ اُن کا خاندان ایک علمی خاندان تھا۔ اُن کے دادا۔ مالک بن ابی عامر نے بڑے بڑے صحابہ سے حدیثیں سیکھی تھیں۔ اُن کے چچا شیخ الحدیث تھے۔ امام مالک نے جب حدیث و فقہ میں کمال پیدا کیا تو یہ عارضی اوصاف اُنکی ذاتی قابلیت پر طرہ بنکر نمایاں ہوئے اور تمام اطراف و دیار میں اُنکی شہرت کا سکہ جم گیا۔ امام شافعی کو اور بھی خصوصیتیں حاصل تھیں۔ مکہ معظمہ وطن تھا۔ باپ کی طرف سے قریشی اور مطلبی اور ماں کی طرف سے ہاشمی تھے۔ اُن کا تمام خاندان ہمیشہ سے معزز و ممتاز چلا آتا تھا۔ اُن کے پردادا۔ سائب جنگ بدر میں ہاشمیوں کے علم بردار تھے اور گرفتار ہو کر اسلام لائے تھے مکہ معظمہ کی ولادت۔ خاندان کا اعزاز رسول اللہ کی ہم نسبی۔ ایسی چیزیں تھیں جن سے بڑھ کر حسن و قبول اور رجعیت کیلئے کوئی کارگر آلہ نہیں ہو سکتا تھا امام ابوحنیفہ میں اس قسم کی کوئی خصوصیت نہ تھی۔ قریشی اور ہاشمی ہونا تو ایک طرف وہ عربی النسل بھی نہ تھے خاندان میں کوئی شخص ایسا نہیں گذرا تھا جو اسلامی گروہ کا مرجع اور مقتدا ہوتا آبائی پیشہ تجارت تھا اور خود بھی تمام عمر اسی ذریعے سے زندگی بسر کی۔ کوفہ جو اُن کا مقام ولادت تھا گو دار العلم تھا لیکن مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کا ہمسر کیونکر ہو سکتا تھا۔ بعض اتفاقی اور ناگزیر اسباب سے ارباب روایات کا ایک گروہ اُن کی مخالفت پر کمر بستہ تھا۔ غرض حسن قبول اور عام اثر کے لئے جو اسباب درکار ہیں وہ بالکل نہ تھے باوجود اسکے اُنکی فقہ کا تمام ممالک اسلامیہ میں اس وسعت اور ترقی کیسا تھ رواج پانا یقیناً اس بات کی دلیل ہے کہ اُن کا طریقہ فقہ انسانی ضرورتوں کے نہایت مناسب اور موزوں واقع ہوا تھا اور بالخصوص تمدن کیساتھ جس قدر اُنکی فقہ کو مناسبت تھی کسی فقہ کو نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اور ائمہ کے مذہب کو زیادہ تر انہیں ملکوں میں رواج ہوا جہاں تہذیب و تمدن

نے زیادہ ترقی نہیں کی تھی۔ علامہ ابن خلدون اس بات کی وجہ بتاتے ہیں کہ مغرب اندلس میں بدویت غالب تھی اور وہاں کے لوگوں نے وہ ترقی نہیں حاصل کی تھی جو اہل عراق نے حاصل کی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان ممالک میں امام مالک کی فقہ کے سوا اور کسی فقہ کو فروغ نہ ہو سکا،،

حنفی فقہ جس میں امام ابوحنیفہ کے علاوہ اُن کے نامور شاگردوں کے مسائل بھی شامل ہیں اُس زمانہ کا بہت بڑا قانون بلکہ بہت بڑا مجموعہ قوانین تھا۔ زمانہ مابعد میں گو علمائے حنفیہ نے اس پر بہت کچھ اضافہ کیا اور جزئیات کی تفریع کے ساتھ اصول فن کو نہایت ترقی دی لیکن ایجاد کے زمانہ میں جس قدر کسی فن کی حالت ہو سکتی ہے وہ اس سے زیادہ نہیں ہو سکتی جو امام ابوحنیفہ کے عہد میں فقہ کو حاصل ہو چکی تھی اس مجموعہ میں عبادات کے علاوہ دیوانی فوجداری تعزیرات۔ لگان۔ مالگذاری۔ شہادت معاہدہ وراثت وصیت۔ اور بہت سے قوانین شامل تھے اُس کی وسعت اور خوبی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ہارون الرشید اعظم کی وسیع سلطنت جو سندھ سے ایشیائے کوچک تک پھیلی ہوئی تھی۔ انہیں اصولوں پر قائم تھی اور اس عہد کے تمام واقعات اور معاملات انہیں قواعد کی بنا پر فیصل ہوتے تھے یہ قانون جس کو فقہ کہتے ہیں دو قسم کے مسائل پر مشتمل ہے اور اس لحاظ سے اُس کے واضع کی دو مختلف حیثیتیں ہیں (۱) وہ مسائل جو شریعت سے ماخوذ ہیں۔ اور تشریعی احکام کہے جا سکتے ہیں (۲) وہ احکام جن سے شریعت نے سکوت کیا ہے اور جو تمدن اور معاشرت کی ضرورتوں سے پیدا ہوتے ہیں یا جنکا ذکر شریعت میں ہے لیکن تشریعی طور پر نہیں۔

مسائل فقہ کی تقسیم

پہلی قسم کے مسائل کے لحاظ سے فقیہ کی حیثیت شارح اور مفسر کی حیثیت ہے اور اس اعتبار سے اُس کے لئے جس قسم کی قابلیت درکار ہے وہ مہارت زبان واقفیت نصوص۔ قوت استنباط۔ توفیق متعارضات ترجیح دلائل ہے۔ دوسری قسم کے احکام کے لحاظ سے واضع فقہ ایک مقنن کی حیثیت رکھتا ہے اور اس لحاظ سے اُسکی قابلیت اُس رتبہ کی ہونی چاہیئے جیسی کہ دنیا کی اور مشہور مقننوں کی تھی۔ یہ دونوں حیثیتیں ایک دوسرے سے ممتاز ہیں۔ اسلام میں بہت سے نامور گذرے ہیں جو مقنن اور واضع قانون تھے لیکن نصوص شرعی کے مفسر نہیں کہے جا سکتے تھے جہاں تک ہماری واقفیت ہے اسلام کے اس وسیع دور میں قدرت نے یہ دونوں قابلیتیں جس اعلیٰ درجہ پر امام ابوحنیفہ میں جمع کر دی تھیں کسی مجتہد یا امام میں جمع نہیں ہوئی تھیں

تشریعی اور غیر تشریعی احادیث کا فرق

علم فقہ کے متعلق سب سے بڑا کام امام صاحب نے جو کیا وہ تشریعی اور غیر تشریعی احکام میں امتیاز قائم کرنا تھا شارع علیہ السلام کے اقوال و افعال جو سلسلہ روایت سے منضبط کئے گئے اُن میں بہت سے ایسے امور تھے جنکو منصب رسالت سے کچھ تعلق نہ تھا لیکن بطور ایک اصطلاح کے اُن سب پر حدیث کا لفظ اطلاق کیا جاتا تھا۔ فقہ کی توضیح میں ایک عام اور سخت غلطی یہ ہوئی کہ لوگوں نے ان تمام امور کو تشریعی حیثیت پر

محمول کیا اور اس خیال سے ان پر مسائل اور احکام کی بنیاد قائم کی۔ حالانکہ وہ حدیثیں منصب شریعت سے علاقہ نہیں رکھتی تھیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ آنحضرت سے جو کچھ روایت کیا گیا ہے اور کتب حدیث میں اس کی تدوین ہوئی اس کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) جو تبلیغ رسالت سے تعلق رکھتا ہے اور اسی بارہ میں یہ آیت اُتری ہے مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (یعنی پیغمبر جو چیز تمکو دے اُسکو اختیار کرو اور جس چیز سے روکے اس سے باز آؤ)

(۲) جو تبلیغ رسالت سے متعلق نہیں چنانچہ اُن کی نسبت آنحضرت نے ارشاد فرمایا ہے انما انا بشر اذا امرتکم بشیء من دینکم فخذوہ واذا امرتکم بشیء من رای فانما انا بشر یعنی میں ایک آدمی ہوں جب میں کوئی مذہبی حکم دوں تو تم لوگ اُس کے پابند ہو اور جب میں اپنی رائے سے کسی بات کا حکم دوں تو میں صرف ایک آدمی ہوں۔ اس دوسری قسم میں وہ حدیثیں ہیں جو آنحضرت نے طب کے متعلق ارشاد کیں۔ اور اسی قسم میں وہ افعال داخل ہیں جو آنحضرت سے عادتاً صادر ہوئے نہ عبادتاً اور اتفاقاً واقع ہوئے نہ قصداً اور اسی قسم میں وہ حدیثیں داخل ہیں جو آنحضرت نے اپنی قوم کے گمان کے موافق بیان کیں مثلاً ام زرع کی حدیث اور خرافہ کی حدیث اور اسی قسم میں وہ امور داخل ہیں جو آنحضرت نے اُس وقت مصلحت جزئی کے موافق اختیار فرمائے اور وہ سب لوگوں کو واجب العمل نہیں ہیں۔ مثلاً فوجوں کی تیاری اور شعار کی تعیین اسی بنا پر حضرت عمر نے فرمایا تھا کہ اب رمل کرنے کی ضرورت کیا ہے جس قوم کے دکھانے کے لئے ہم رمل کرتے تھے اُنکو خدا نے ہلاک کر دیا اور حکومت کے بہت سے احکام اسی قسم میں داخل ہیں۔ مثلاً یہ حکم کہ جہاد میں جو شخص کسی کافر کو قتل کرے تو اُسکے ہتھیار کا مالک بھی وہی ہوگا۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے حدیث کی قسموں میں جو دقیق فرق بیان کیا یہ وہی نکتہ ہے جسکی طرف سب سے پہلے امام ابوحنیفہ کا ذہن منتقل ہوا اسی بنا پر بہت سے مسائل مثلاً غسل جمعہ خروج النساء الی العیدین نفاذ طلاق۔ تعیین جزیہ۔ تشخیص خراج۔ تقسیم غنائم وغیرہ میں جو حدیثیں وارد ہیں اُنکو امام ابوحنیفہ نے دوسری قسم میں داخل کیا ہے لیکن امام شافعی وغیرہ ان حدیثوں کو بھی تشریعی حدیثیں سمجھتے ہیں۔

حنفی فقہ کو مقابلہ اور فقہوں کے بہت بڑی خصوصیت جو حاصل ہے وہ یہی ہے کہ اُسکے مسائل عموماً اسی قاعدے پر مبنی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اس میں وہ وسعت اور آزادی پائی جاتی ہے جو اور ائمہ کے مسائل میں نہیں پائی جاتی یہ قاعدہ اگرچہ نہایت صاف اور صریح ہے لیکن افسوس ہے کہ اور ائمہ نے اسپر لحاظ نہیں کیا اور اگر خلفائے راشدین کی نظیریں موجود نہ ہوتیں تو شاید امام ابوحنیفہ کو بھی اُسکے اختیار کرنیکی جرات نہ ہوتی اگرچہ امام صاحب کے بعد بھی بعض ائمہ نے جنکو اُنکے مقابلہ میں اجتہاد کا دعویٰ تھا اس عمدہ اصول کی پیروی نکی اور اُسی غلط خیال پر قائم رہے لیکن اسمیں کون شبہ کر سکتا ہے کہ امام صاحب کی رائے نہایت صحیح اور دقیقہ سنجی پر مبنی ہے۔

۱ حجۃ اللہ البالغہ مطبوعہ بریلی صفحہ ۱۳۳ و ۱۳۴

جو مسائل تشریعی مسائل نہیں ہیں

خلفائے راشدین سے بڑھ کر کون احکام شریعت کا نکتہ شناس ہو سکتا ہے؟ انہوں نے کیا کیا؟ حضرت عمر کے آغاز خلافت تک امہات اولاد یعنی وہ لونڈیاں جنسے اولاد ہو چکی ہو عموماً خریدی و بیچی جاتی تھیں حضرت عمر نے اس رواج کو بالکل روک دیا۔ آنحضرت نے تبوک کے سفر میں غیر مذہب والوں پر جو جزیہ مقرر کیا وہ فی کس ایک دینار تھا حضرت عمر نے ایران میں ۴۸، ۲۴، ۱۲ کے حساب سے شرحیں مقرر کیں۔ آنحضرت مال غنیمت جب تقسیم کرتے تھے تو اپنے عزیز و اقارب کا بھی حصہ لگاتے تھے خلفائے راشدین میں سے کسی نے حتیٰ کہ حضرت علی نے بھی ہاشمیوں کو حصہ نہ دیا آنحضرت کے زمانہ میں بلکہ حضرت ابوبکر کے عہد تک تین طلاقیں ایک سمجھی جاتی تھی حضرت عمر نے اپنے زمانہ خلافت میں منادی کرادی کہ تین طلاق طلاق بائن سمجھی جائیگی آنحضرت کے عہد میں شراب پینے کی سزا میں کوئی خاص حد نہیں مقرر ہوئی تھی۔ حضرت ابوبکر نے اسکی حد چالیس درے قرار دیے اور حضرت عمر نے بسبب اسکے کہ انکے زمانہ میں مے نوشی کا زیادہ رواج ہو چلا تھا چالیس سے اسی درے کر دیے یہ وہ واقعات ہیں جو حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں اور جن کے ثبوت سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا لیکن کیا اسکا یہ مطلب ہے کہ خلفائے راشدین کسی حکم کو آنحضرت کا تشریعی حکم سمجھ کر اسکی مخالفت کرتے تھے؟ اگر نعوذ باللہ ایسا کرتے تھے تو وہ خلفائے راشدین نہ تھے بلکہ عیاذاً باللہ رسول اللہ کے حریف و مخالف تھے

حقیقت یہ ہے کہ صحابہ جو ہمہ تن آنحضرت کیخدمت میں حاضر رہتے تھے اور فیض صحبت کیوجہ سے شریعت کے اداشناس ہو گئے تھے۔ ان کو یہ تمیز کرنا نہایت آسان کام تھا کہ کونسے احکام تشریعی حیثیت رکھتے ہیں اور کون سے اس حد میں داخل ہیں جنکی نسبت آنحضرت نے فرمایا کہ انتم اعلم بامور دنیاکم حضرت عائشہ نے آنحضرت کی وفات کے بعد ایک موقع پر کہا کہ آج اگر رسول اللہ موجود ہوتے تو عورتوں کو مسجد میں جانے کی اجازت نہ دیتے یہ صریح اسباب کی شہادت ہے کہ حضرت عائشہ نے رسول اللہ کی اس اجازت کو تشریعی اور لازمی حکم نہیں قرار دیا ورنہ زمانہ اور حالات کے اختلاف سے اسپر کیا اثر پڑ سکتا تھا۔

امام ابوحنیفہ نے اس مرحلہ میں صحابہ ہی کو دلیل راہ بنایا اور اس قسم کے مسائل میں انکی رائے عموماً خلفائے راشدین کے طرز عمل کے موافق ہے۔ لیکن جن لوگوں کی نگاہ اس نکتہ تک نہیں پہنچی وہ امام ابوحنیفہ بلکہ صحابہ کو بھی مورد الزام ٹھیرا لیتے ہیں طلاق کے مسئلہ میں قاضی شوکانی نے حضرت عمر کا قول نقل کر کے لکھا ہے کہ رسول اللہ کے مقابلہ میں بیچارے عمر کی کیا حقیقت ہے" لیکن قاضی شوکانی یہ نہ سمجھے کہ حضرت عمر قاضی صاحب سے زیادہ اسباب کو سمجھتے تھے کہ رسول اللہ کے مقابلہ میں انکی کوئی حقیقت نہیں۔

استنباط احکام کی ابتداء

فقہ کی پہلی قسم کے متعلق امام ابوحنیفہ نے جو بڑا کام کیا وہ قواعد استنباط کا انضباط تھا جس کی وجہ سے فقہ (جو اب تک جزئیات مسائل کا نام تھا) ایک مستقل فن بن گیا۔ امام ابوحنیفہ کی علمی تاریخ میں جو چیز سب سے زیادہ قابل قدر اور تعجب انگیز ہے وہ ان قواعد کی تجدید اور انضباط ہے۔ ایسے زمانہ میں جبکہ علوم نہایت ابتدائی حالت

ہیں تھے یہانتک کہ نقل وکتابت کا بھی رواج نہ تھا ایسے دقیق فن کی بنیاد ڈالنی درحقیقت امام ابوحنیفہ ہی کا کام تھا۔

عام خیال یہ ہی کہ قواعد جنکو اب اصول فقہ سے تعبیر کیا جاتا ہی سب سے پہلے امام شافعیؒ نے مرتب کئے یہ دعوی اس لحاظ سے تو صحیح ہے کہ امام شافعی سے پہلے یہ مسائل مستقل طور سے حیز تحریر میں نہیں آئے تھے لیکن اصل فن کی بنیاد امام شافعیؒ سے بہت پہلے پڑچکی تھی۔ اور اگر تحریر کی قید اُٹھا دیجائے تو امام ابوحنیفہؒ اُسکے موجد کہے جاسکتے ہیں۔

اصل یہ ہی کہ مسائل کا استنباط اور احکام کی تفریع تابعین بلکہ صحابہ ہی کے زمانہ میں شروع ہوچکی تھی لیکن استنباط اور استخراج کا جو طریقہ تھا وہ کوئی علمی صورت نہیں رکھتا تھا جس طرح عام لوگ کسی عبارت سے کسی نتیجہ کا استنباط یا اور کسی حکم کی تفریع صرف وجدانی مذاق کی رو سے کرتے ہیں اور نہیں جانتے کہ اُن کا استنباط یا تفریع کس قاعدۂ کلیہ کے تحت میں داخل ہے اور اسکے کیا شرائط اور قیود ہیں اسی طرح فقہی مسائل بھی استنباط کئے جاتے تھے نہ علمی اصطلاحیں قائم ہوئی تھیں نہ کچھ اُصول منضبط ہوئے تھے۔

واصل بن عطار نے فقہ کے بعض قاعدے بیان کئے

بنی اُمیہ کے اخیر دور میں کچھ کچھ علمی اصطلاحیں پیدا ہوئیں۔ چنانچہ واصل بن عطار نے جو علم کلام کا موجد تھا احکام شرعیہ کی تقسیم کی اور کہا کہ حق کے ثبوت کے چار طریقے ہیں۔ قرآن ناطق۔ حدیث متفق علیہ اجماع امت عقل وحجت (یعنی قیاس)، واصل نے اور بھی چند مسائل اور اصطلاحیں قائم کیں۔ مثلاً یہ کہ عموم وخصوص وجدا گانہ مفہوم ” نسخ صرف امر و نواہی میں ہوسکتا ہے۔ اخبار و واقعات میں نسخ کا احتمال نہیں[۱]“

ان مسائل کے لحاظ سے اصول فقہ میں اولیت کا فخر واصل کی طرف منسوب کیا جاسکتا ہی لیکن یہ اُسی قسم کی اولیت ہوگی جس طرح نحو کے دو تین قاعدوں کے بیان کرنیسے کہا جاتا ہی کہ حضرت علی علیہ السلام فن نحو کے موجد ہیں۔ بہر حال امام ابوحنیفہؒ کے زمانہ تک جو کچھ ہوا تھا اس سے زیادہ نہیں ہوا تھا لیکن چونکہ امام صاحب نے فقہ کو مجتہدانہ اور مستقل فن کی حیثیت سے ترتیب دینا چاہا اس لئے استنباط اور استخراج مسائل کے اصول قرار دینے پڑے۔ اگرچہ مابعد میں اصول فقہ ایک نہایت وسیع فن بنگیا اور سینکڑوں مسائل ایسے ایجاد ہوگئے جن کا امام ابوحنیفہ کے زمانہ میں اثر بھی نہ تھا لیکن کچھ شبہ نہیں کہ اس فن کے مہمات مسائل جنپر فن حدیث کی بنیاد قائم ہی امام صاحب ہی کے زمانہ میں منضبط ہوچکے تھے۔ اصول اربعہ کی توضیح حدیث کے مراتب اور اُنکے احکام جرح وتعدیل کے اصول اجماع کے حدود وضوابط۔ قیاس کے احکام وشرائط احکام کی انواع۔ عموم وخصوص کی تحدید و رفع تعارض کے قواعد فہم مراد کے طرق۔ یہ مسائل ہیں جو اُصول فقہ کے ارکان ہیں ان تمام مسائل کے متعلق امام صاحب نے ضروری اُصول و قواعد منضبط کردئیے تھے۔

حدیث کے متعلق امام صاحب نے جو اصول قرار دیئے اُن کو ہم حدیث کی بحث میں لکھ آئے ہیں ان کے علاوہ ابواب

---

[۱] ان مسائل کو ابو ہلال عسکری نے کتاب الاوائل میں واصل بن عطا کی طرف منسوب کیا ہی ۱۲

ابواب کے متعلق امام صاحب نے تمام ضروری اصول منضبط کر دیئے تھے مثلاً ما لم یثبت بالتواتر لیس بالقرآن الزیادة نسخ لا یجوز الزیادة علی الکتاب بخبر الواحد حمل المطلق علی المقید زیادة علی النص عموم القرآن لا یخصص بالاحاد۔ العام قطعی کالخاص۔ الخاص ان کان متاخرا خصص العام وان کان متقدمًا فلا بل کان العام ناسخا للخاص ان کان جهل التاریخ تساقطا و یطلب دلیل آخر مفهوم الصفة لا یحتج به النهی لا یدل علی البطلان امام صاحب کے یہ اقوال اُن کے شاگردوں کی تصنیفات یا اُصول کی کتابوں میں جو شافعیہ و حنفیہ وغیرہ نے لکھے ہیں جستہ جستہ مذکور ہیں جنکو اگر ایک جگہ جمع کر دیا جائے تو ایک مختصر رسالہ تیار ہو سکتا ہے؎۔ یہی اُصول ہیں جن کی بنا پر کہا جاتا ہے کہ امام حنیفہ ایک خاص طریقہ اجتہاد کے بانی ہیں۔ انہیں اُصول کے اتحاد کی بنا پر امام محمد و قاضی ابو یوسف کا طریقہ امام صاحب کے طریقہ سے الگ نہیں سمجھا جاتا۔ حالانکہ جزئیات مسائل میں ان لوگوں نے سینکڑوں ہزاروں جگہ ان سے اختلاف کیا ہے۔

اصول فقہ کی کلیات

ان اُصولی مسائل پر بوجہ اسکے کہ امام شافعی وغیرہ نے ان سے اختلاف کیا ہے نہایت وسیع اور دقیق بحثیں قائم ہو گئی ہیں۔ افسوس ہے کہ ہماری مختصر تالیف میں اُنکی گنجایش نہیں اُصول کی کتابوں میں یہ مباحث نہایت تفصیل سے مذکور ہیں جس شخص کا جی چاہے ان کتابوں کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔

جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں فقہ کے اس حصہ میں امام صاحب کی حیثیت ایک مفسر اور مستنبط کی حیثیت ہے اور کچھ شبہ نہیں کہ اس باب میں امام صاحب نے جو کام کیا وہ نہ صرف تاریخ اسلام میں بلکہ کل دنیا کی تاریخ میں بےنظیر ہے۔ دنیا میں اور بھی قومیں ہیں جنکے پاس آسمانی کتابیں ہیں اور وہ لوگ اُن کتابوں سے اخذ احکام کرتے ہیں لیکن کوئی قوم یہ دعوی نہیں کر سکتی کہ اُس نے استنباط مسائل کے اصول اور قواعد منضبط کئے اور اسکو ایک مستقل فن کے رتبہ تک پہنچا دیا۔

فقہ کا دوسرا حصہ

فقہ کا دوسرا حصہ جو صرف قانون کی حیثیت رکھتا ہے۔ پہلے حصہ کی نسبت بہت زیادہ وسیع ہے اور یہ وہ خاص حصہ ہے جسمیں امام ابوحنیفہ علانیہ تمام مجتہدین سے ممتاز ہیں بلکہ سچ یہ ہے کہ اگر اسلام میں کوئی شخص واضع قانون گذرا ہے تو وہ صرف امام ابوحنیفہ ہیں۔ مسلمانوں میں تو وضع قانون کا کام ہمیشہ اُن لوگوں کے ہاتھ میں رہا جو مذہبی پیشوا تھے اور زہد و اتقا میں نہایت غلو رکھتے تھے۔ مذہبی لوگوں میں جو اوصاف نہایت قابل قدر سمجھے جاتے ہیں وہ یہ ہیں دنیاوی امور سے علیحدگی کم آمیزی۔ معاملات میں سختی۔ عام واقعات سے بےخبری۔ غیر مذہب والوں سے تنفر۔ یہ تمام اوصاف وہ ہیں جو

؎ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اُصول فقہ کی کتابوں میں جو بہت سے اُصول مذکور ہیں اُن سب کی نسبت یہ دعوی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ امام ابوحنیفہ کے اقوال ہیں شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں اسپر ایک نہایت عمدہ تقریر لکھی ہے۔ لیکن شاہ صاحب نے بعض ان اقوال سے بھی انکار کیا ہے جو بروایت صحیحہ امام صاحب سے ثابت ہیں ۱۲۔

جو تمدن کے مخالف ہیں اور جس شخص میں یہ اوصاف اعتدال سے بڑھکر اور فطری ہوں وہ مشکل سے تمدن کی ضروریات کا اندازہ داں ہو سکتا ہے۔ تقدس و پاکیزہ نفسی کے لحاظ سے اُن لوگوں کی جس قدر عظمت کیجائے کم ہے لیکن دنیا اور دنیا والوں کا کام اُن سے نہیں چل سکتا حضرت جنید بغدادی۔ معروف کرخی۔ شیخ شبلی۔ داؤد طائی کی عظمت وشان سے کس کو انکار ہو سکتا ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہ لوگ واضع قانون نہیں ہو سکتے تھے“

مجتہدین جنہوں نے فقہ کے نام سے ملکی اور شخصی قانون بنائے اگرچہ رہبانیت کی حد سے دور تھے تاہم یہ کہنا مشکل ہے کہ تمدن کے وسیع تعلقات پر انکی نگاہ پڑ سکتی تھی جن سے اُن کو عمر بھر کبھی سروکار نہیں رہا یہی وجہ ہے کہ اُنکے قوانین میں بعض جگہ ایسی سختی اور تنگی پائی جاتی ہے جس پر مشکل سے عملدرآمد ہو سکتا ہے امام شافعی وغیرہ کا مذہب ہے کہ نکاح بجز ثقات کے کوئی شخص گواہ نہیں ہو سکتا۔ ہمسایہ کو حق شفعہ نہیں پہنچتا۔ بیع بالمعاطات جائز نہیں ذمیوں کی شہادت کسی حال میں مقبول نہیں۔ ایک مسلمان سینکڑوں ذمیوں کو بے قصور قتل کر ڈالے تاہم وہ قصاص میں پکڑا نہیں جا سکتا۔ ان مسائل سے دنیا کا کام کیونکر چل سکتا ہے۔

امام ابو حنیفہؒ اس وصف میں اپنے تمام معصروں سے ممتاز تھے کہ وہ مذہبی تقدس کیساتھ دنیاوی اغراض کے انداز شناس تھے۔ اور تمدن کی ضرورتوں کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ مراجعت اور فصل قضایا کی وجہ سے ہزاروں پیچیدہ معاملات اُن کی نگاہ سے گذر چکے تھے۔ اُن کی مجلس افتا بہت بڑی عدالت عالیہ تھی جس نے لاکھوں مقدمات کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ ملکی حیثیت رکھتی تھی اور ارکان سلطنت مہمات امور میں اُن سے مشورہ لیتے تھے اُن کے شاگرد اور ہمنشین جن کی تعداد سینکڑوں سے زیادہ تھی عموماً وہ لوگ تھے جو منصب قضا پر مامور تھے ان باتوں کے ساتھ خود اُن کی طبیعت مقننانہ اور معاملہ سنج واقع ہوئی تھی وہ ہر بات کو قانونی حیثیت سے دیکھتے تھے اور اُسکے دقیق نکتوں تک پہنچتے تھے۔ اس بات کا اندازہ واقعہ ذیل سے ہو سکتا ہے جس کا ذکر اکثر مؤرخین نے کیا ہے۔

ایک دن امام صاحب قاضی ابن ابی لیلیٰ سے ملنے گئے اُسوقت اُنکے سامنے ایک مقدمہ پیش تھا مدعی کا بیان تھا کہ فلاں شخص نے میری ماں کو زانیہ کہا ہے۔ اس لئے میں ازالہ حیثیت کا دعویدار ہوں قاضی صاحب نے مدعا علیہ کی طرف جو اُس موقع پر موجود تھا خطاب کیا کہ تم کیا جواب دیتے ہو۔ امام ابو حنیفہ نے قاضی صاحب سے کہا کہ ابھی مقدمہ قائم نہیں ہوا مدعی کا اظہار لینا چاہیے کہ اُسکی ماں زندہ ہے یا نہیں کیونکہ اُس کو بھی شریک مقدمہ ہونا چاہیے یا اگر اُس نے اسکی معرفت مقدمہ دائر کیا ہے تو اسکو مختار نامہ پیش کرنا چاہیے۔ قاضی صاحب نے مدعی کا اظہار لیا۔ معلوم ہوا کہ اسکی ماں مر چکی ہے۔ پھر قاضی صاحب نے مقدمہ آگے چلانا چاہا۔ امام صاحب نے کہا مدعی سے پوچھنا چاہیے کہ اُسکے بھائی بہن ہیں یا نہیں کیونکہ اگر دعویدار موجود ہیں تو اُنکو بھی شریک مقدمہ ہونا چاہیے۔ اسی طرح امام صاحب نے اور چند سوالات کئے جب وہ مراتب طے ہو چکے تو فرمایا کہ اب مقدمہ قائم ہوا اور آپ مدعا علیہ کا اظہار لیجئے۔

اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ قاضی صاحب نے جس طریقے سے مقدمہ کی کارروائی شروع کی تھی وہ اس حیثیت سے بڑھکر نہ تھا جس طرح عوام آپس میں فصل خصومات کیا کرتے ہیں لیکن امام صاحب باقاعدہ فیصلہ چاہتے تھے جس کا ضروری اصول یہ ہے کہ ایک حق سے جتنے لوگ دعویدار ہو سکتے ہیں اُن سب کو مقدمہ میں شریک ہونا چاہیئے۔ تاکہ عدالت کو ایک ہی حق کو فیصلہ کرنے میں بار بار زحمت نہ اُٹھانی پڑے۔

امام صاحب نے فقہ کے اس دوسرے حصہ کی جسطرح تدوین کی اور جس ضبط و ربط سے اُسکی جزئیات کا استقصا کیا وہ اُس زمانہ کا نہایت وسیع قانون تھا۔ اگرچہ اُسکی تعبیر ایک عام لفظ فقہ سے کیجاتی ہے لیکن درحقیقت اس میں بہت سے قوانین شامل تھے چنانچہ آج تعلیم یافتہ دنیا میں انہیں ابواب کے مسائل جو ترتیب دیے گئے وہ جداجدا قانون کے نام سے موسوم ہیں مثلاً قانون معاہدہ۔ قانون بیع۔ قانون لگان و مالگذاری۔ تعزیرات ضابطہ فوجداری وغیرہ وغیرہ

کیا فقہ حنفی رومن لا سے ماخوذ ہے

اسی بنا پر بعض یورپین مصنفوں کا خیال ہے[1] کہ امام ابوحنیفہ نے فقہ کی تدوین میں رومن لا یعنی رومیوں کے

---

[1] ہم نے اس خیال کو شہرت عام کی بنا پر لکھا تھا۔ لیکن تالیف کتاب کے بعد ہم کو معلوم ہوا مسٹر شیلڈون امیوس نے جو آجکل لنڈن یونیورسٹی کے لا پروفیسر ہیں۔ اپنی کتاب رومن سول میں اس دعویٰ کو بڑے شد و مد سے ثابت کرنا چاہا ہے اور اس پر ایک مفصل بحث کی ہے۔ یورپ کو جو برتری آجکل تمام قوموں پر بالخصوص مسلمانوں پر حاصل ہے اُسنے یورپین مصنفوں کے دل میں بالطبع یہ بات پیدا کردی ہے وہ مسلمانوں کے تمام گذشتہ کارناموں کو تحقیر کی نگاہ سے دیکھیں اور اگر کوئی کمال ایسا بدیہی اور نمایاں ہو جس سے کسی طرح انکار نہو سکے تو یہ دعویٰ کریں کہ وہ مسلمانوں کی ایجاد نہیں ہے بلکہ روم و یونان و مصر وغیرہ سے ماخوذ ہے یہی اثر ہے جس نے مسٹر شیلڈون امیوس کو اس بحث پر مجبور کیا انہوں نے اپنے دعویٰ کو فقہ حنفی تک محدود نہیں رکھا بلکہ عام قانون اسلام کی نسبت اُن کا یہ دعویٰ ہے ہم انکے مضمون کو قریباً انکے الفاظ میں نقل کرتے اور دیکھنا چاہتے ہیں کہ وہ اپنے دعویٰ میں کہاں تک کامیاب ہوئے ہیں وہ اپنے مضمون کو اس تمہید سے شروع کرتے ہیں "مشرق میں دفعتاً ایک بالکل جدید و طبع زاد قائم بالذات سلسلہ قانون کا پیدا ہوجانا جسکی نسبت دعویٰ کیا گیا ہے کہ وہ قرآن و حدیث پر مبنی ہے ایک ایسی عجیب بات ہے کہ خواہ مخواہ یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ شریعت اسلامی کی نسبت جو دعویٰ کیا جاتا ہے اسکی تاریخی بنیاد کیا ہے علاوہ دوسری شہادتوں کے موافق قیاس اس دعویٰ کے سخت مخالف ہے" اسکے بعد پروفیسر موصوف اس کلیہ پر بحث کرکے کہ ہمیشہ سے یہ دستور چلا آتا ہے کہ ہر سلسلہ قانونی کو کسی اتفاقی فرضی واضع قانون کے نام سے موسوم کردیا کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ اس لحاظ سے ابتدا ہی میں ایک قوی قیاس پیدا ہوتا ہے کہ جو باترتیب اور منضبط سلسلہ قانون فاتح عربوں نے تمام ممالک مفتوحہ میں جاری کیا وہ تبدیل ہیئت کوئی اعلیٰ درجہ کا کامل رواج یافتہ سلسلہ قانون تھا۔ پروفیسر موصوف نے تاریخی دلائل سے ثابت کیا ہے کہ جس وقت مسلمانوں نے شام و مصر کو فتح کیا تو وہاں رومی آئین کے متعدد مدرسے موجود تھے بیروت میں الگزنڈر سیوریس کے زمانہ سے ایک مدرسہ قانون چلا آتا تھا جسمیں چار پروفیسر تھے قیصریہ میں وکلا کی ایک جماعت رہتی تھی اسکندریہ میں قانون کی تعلیم جاری تھی ان واقعات کی تفصیل کے بعد پروفیسر موصوف فرماتے ہیں کہ اس قیاس کی نسبت کہ اسلامی آئین پر رومی قانون کا اثر پڑا ہے اسقدر کہنا کافی ہوگا لیکن جس طریقہ سے کہ اسلامی فتوحات ہوئیں اور جس طرح پر مسلمانوں نے ملک فتح کئے اگر ان امور پر غور کیا جائے تو یہ قیاس یقین سے بدل جاتا ہے۔ اسلامی فتوحات کے طریقہ پر پروفیسر موصوف نے اس طرح استدلال کیا ہے کہ شروع میں مسلمانوں نے غیر قوموں سے بجز جزیہ وصول کرنے کے اور کسی قسم کا اثر ڈالنا نہیں چاہا لیکن

قانون سے بہت کچھ مدد لی اور اُسکے بہت سے مسائل اپنے فقہ میں داخل کر لئے اس خیال کی تائید میں قرائن پیش کئے جاتے ہیں (۱) حنفی فقہ کے بہت سے مسائل رومن لا کے مطابق ہیں۔

(۲) رومن لا تمام ممالک شام میں جاری تھا اور چونکہ مسلمانوں پر شام کی معاشرت و تمدن کا بہت کچھ اثر پڑا تھا۔ اسلئے قیاس غالب یہ ہے کہ علمائے اسلام نے قانونی مسائل میں بھی اُن سے استفادہ حاصل کیا۔

(۳) اس قدر متعدد اور وسیع قوانین جو فقہ میں شامل ہیں اُن کی توجیہ بغیر اسکے نہیں ہو سکتی کہ دنیا کے اور قوانین سے مدد لی گئی ہو۔

اس بحث کا اصلی تصفیہ تو جب ہو سکتا ہے کہ رومن لا اور حنفی فقہ کا نہایت دقت نظر اور استقصا کے ساتھ مقابلہ کیا جائے جس سے یہ اندازہ ہو سکے کہ جس قدر دونوں قانون میں تطابق ہے وہ توارد کی حد سے متجاوز ہے یا اُسی قدر ہے جتنا کہ عموماً تمام قوموں کے قوانین بہت سی باتوں میں موافق ہوا کرتے ہیں میں اول تو رومن لا سے واقف نہیں اور ہوتا بھی تو اتنی فرصت کہاں نصیب کہ تمام مسائل کا مقابلہ کر سکتا۔ اسلئے مجھکو اعتراف کرنا چاہئے کہ اس موقع پر جو کچھ میں لکھوں گا اُس کا رتبہ قیاس اور ظن سے زیادہ نہیں۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ جن لوگوں نے اس بحث کو چھیڑا ہے وہ بھی قیاس اور ظن ہی سے کام لیتے ہیں۔ کیونکہ باوجود تحقیق کے ہم کو کوئی ایسا منصف نہیں ملا جس کا یہ دعویٰ ہو کہ وہ رومن لا اور حنفی فقہ کے تمام یا اکثر مسائل کا مقابلہ کر چکا ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۹) لیکن جب علمی ترقی کا زمانہ آیا تو انہوں نے غیر قوموں کے لئے قانون وضع کئے جو خود انہیں قوموں سے ماخوذ تھے پروفیسر موصوف کے الفاظ یہ ہیں نہ تو قرآن اور نہ ابتدائی خلافت کے زمانہ میں اسبات کی کچھ کوشش ہوئی کہ جو اعلیٰ قومیں عرب کے ماتحت ہو گئی تھیں ان کی دنیوی زندگی کے پیچیدہ معاملات میں دست اندازی کیجائے نہ اُس کیلئے فرصت تھی نہ دماغ اور نہ ایسے آدمی موجود تھے جو اس خدمت کو انجام دے سکتے جب بغداد اور اندلس کے شہروں اور قاہرہ میں امن و امان کا زمانہ آیا اور مطالعہ و غور کا موقع ملا تو طب ریاضت منطق اور علوم نفسیہ میں ترقی ہوئی جس طرح کہ ارسطو سے عربوں نے منطق سیکھی اسی طرح جسٹینین ( ) بلود ( ) اور اُنکے یونانی شارحوں سے علم قانون اخذ کیا اس کے بعد پروفیسر صاحب موصوف اس خیال قطعیت پر دلیل قائم کرتے ہیں کہ قرآن میں اسقدر کم احکام ہیں کہ ان پر ایک قانون کی بنیاد نہیں قائم ہو سکتی پروفیسر صاحب فرماتے ہیں کہ قرآن میں صرف یہ احکام ہیں خدا کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ تم اپنی بیبیوں کو دو دفعہ طلاق دے سکتے ہو پھر ان کو رجعت لی یا مہربانی سے علیحدہ کر دو سود خوار قیامت میں آسیب زدہ کی طرح اُٹھیں گے میعادی قرض کو قلمبند کر لیا کرو۔ اگر بیبیوں کے ساتھ انصاف کر سکو تو کئی نکاح کر سکتے ہو۔ لیکن چار سے زیادہ نہیں مرد کو دو حصہ ملیگا۔ اور عورتوں کو ایک لیکن صرف عورتیں ہوں تو دو ثلث ہر کو نصف حصہ ملیگا۔ مرض الموت میں وصیت کیوقت گواہوں کا ہونا ضرور ہے۔ سال بارہ مہینے کا ہوتا ہے۔ مکاتب کو آزادی کا معاہدہ لکھدو۔ اگر تمہاری مرضی ہو عورتوں کے لئے زنا کی سزا ہے پروفیسر صاحب کے نزدیک قرآن میں صرف اسی قدر قانونی احکام مذکور ہیں اور اسلئے اُن کے نزدیک قرآن مجید ایک وسیع قانون کی بنیاد نہیں قرار پا سکتا۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ جو وسیع قواعد اور درج ہوئے ہیں اُنکی اصلی شکل سے اُنکے

اس امر سے تو انکار نہیں ہو سکتا کہ فقہ حنفی میں ایسے مسائل موجود ہیں جو عرب و عراق میں اسلام سے پہلے معمول بہ تھے لیکن اسمیں فقہ حنفی کی خصوصیت نہیں یہ سلسلہ اور آگے چلتا ہے جو مسائل آج خاص اسلام کے مسائل خیال کیے جاتے ہیں اور خود قرآن مجید میں انکا ذکر ہے انمیں متعدد ایسے ہیں جو زمانۂ جاہلیت میں معمول و متداول تھے۔ علامہ ابو ہلال عسکری نے کتاب الاوائل میں انکی تفصیل بھی کی ہے حضرت عمرؓ نے خراج و ٹیکس کے متعلق جو قاعدے مقرر کیے وہ عموماً وہی ہیں جو نوشیروان عادل نے اپنے زمانۂ حکومت میں وضع کیے تھے اور یہ کچھ عار نہ تھا بلکہ حضرت عمرؓ نے دانستہ نوشیروان کی اقتدا کی تھی۔ چنانچہ علامہ طبری و ابن الاثیر نے صاف انہیں الفاظ میں تصریح کی ہے۔

ایک مقنن جب کسی ملک کیلئے قانون بناتا ہے تو اُن تمام احکام اور رسم و رواج کو سامنے رکھ لیتا ہے جو اس ملک میں اُس سے پہلے جاری تھے اُن میں سے بعض کو وہ بعینہٖ اختیار کرتا ہے بعض میں ترمیم و اصلاح کرتا ہے بعض کی بالکل مخالفت کرتا ہے بے شبہ امام ابو حنیفہؒ نے بھی ایسا ہی کیا ہوگا۔ لیکن اس حیثیت سے وہ رومن لا کی نسبت ایران کے قانون سے زیادہ مستفید ہوئے ہونگے کیونکہ اولاً تو وہ خود فارسی النسل تھے اور اُنکی زبان مادری فارسی تھی دوسرے اُن کا وطن کوفہ تھا اور وہ فارس کے اعمال میں داخل تھا۔

غرض یہ امر بہر حال قابل تسلیم ہے کہ امام صاحب کو فقہ کی توضیح میں اُن قواعد اور رسم و رواج سے ضرور مدد ملی ہوگی جو اُن ممالک میں جاری تھے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ایسی استعانت سے امام صاحب کے واضع قانون ہونے کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۰) بنیاد کا پتہ لگ سکتا ہے اس لحاظ سے یہ امر اور بھی حیرت انگیز ہے کہ جو عمارت مسلمان فقیہوں نے اپنے ہاتھ سے تیار کی وہ قریب قریب ہر لحاظ سے مانند رومی قانون کی کلیوں اور جزئیوں کو یاد دلاتی ہے اسکے بعد پروفیسر صاحب نے دعویٰ کیا ہے کہ مسائل مندرجہ ذیل میں فقہ اسلام اور رومی قانون بالکل یکساں ہے اور بالآخر اُس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ سلسلہ قانون یعنی علم فقہ دراصل رومی قانون ہے لیکن تبدیل ہیئت پروفیسر موصوف نے نو صفحوں میں یہ بحث لکھی ہے ہم نے اس کا خلاصہ لکھ دیا ہے لیکن کوئی ضروری بات ترک نہیں کی بلکہ اکثر اُن کے خاص فقرے لکھ دیے ہیں پروفیسر موصوف نے جن مقامات کی ترتیب سے استدلال کیا ہے وہ مختصراً یوں بیان کیے جا سکتے ہیں "قرآن مجید میں بہت احکام ہیں اور اُن سے قانون نہیں بن سکتا" "ممالک مفتوحہ اسلام میں رومی قانون پہلے سے جاری تھا" مسلمانوں نے یونان و روم وغیرہ کی تصنیفات کے ترجمے کیے۔ فلاں فلاں مسائل میں اسلامی فقہ اور رومی قانون متحد ہیں" یہ بحث حقیقت میں نہایت مفید اور اہم پارٹمنٹ بحث ہے۔ لیکن جیسا کہ ہمنے اصل کتاب میں بیان کیا ہے اس معرکہ میں اُس شخص کو قدم رکھنا چاہیے جو فقہ اسلام اور رومن لا دونوں سے پوری واقفیت رکھتا ہو۔ پروفیسر موصوف بے شبہ رومن لا کی نسبت ہر قسم کی واقفیت کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔ لیکن مسائل اسلام کے متعلق اُن کی وسعت معلومات کا اعتراف کرنا مشکل ہے انہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ قرآن مجید میں قانونی احکام صرف معدودے چند ہیں حالانکہ انہوں نے تفصیل کر دی ہے حالانکہ قرآن مجید کی آیات احکام کم و بیش پانسو ہیں اور اگرچہ ان میں بہت سے احکام عبادات وغیرہ کے متعلق ہیں تاہم خاص وہ آیتیں جن میں قانونی احکام ہیں سو سے کم نہیں۔ یہ آیتیں جدا گانہ جمع کی گئی ہیں اور علمائے امت نے متعدد تفسیریں انکی لکھی ہیں ان تمام احکام پر واقف ہونا تو

له ہم نے بخوف طوالت ان مسائل کو یہاں نقل نہیں کیا لیکن آگے چلکر ان میں بہت سے مسائل کا ذکر آئیگا۔

حیثیت پر کیا اثر پڑتا ہے؟ یعنی وہ ایک مستقل واضع قانون کہے جا سکتے ہیں یا صرف ناقل اور جامع۔ جہاں تک ہماری تحقیق ہے مسلمانوں نے غیر قوموں کی قانونی تصنیفات سے بہت کم واقفیت حاصل کی۔ ترجموں کی فہرست میں ہم سینکڑوں ہزاروں کتابوں کے نام پاتے ہیں لیکن وہ فلسفہ، طب وغیرہ کی تصنیفات ہیں۔ قانون کی ایک کتاب کا بھی پتہ نہیں چلتا جو عربی زبان میں ترجمہ کیگئی ہو اور اس قدر قطعاً ثابت ہے کہ امام صاحب نے جس زمانہ فقہ کی تدوین کی کسی ایسی کتاب کا ترجمہ نہیں ہوا تھا۔ اس لئے یہ احتمال کہ امام ابوحنیفہؒ نے غیر قوموں کی قانونی تصنیفات سے فائدہ اُٹھایا ہو بالکل بے اصل ہے۔ ملک میں رسم و رواج کی بنیاد پر جو احکام نافذ تھے اس قابل نہ تھے کہ بتغیر تحریر میں آکر قانون کا لقب حاصل کر سکتے۔"

مختصر یہ کہ جس قدر تاریخی قرائن موجود ہیں اُنسے ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ امام صاحب کو روم یا فارس کی کوئی قانونی تصنیف ہاتھ آئی جس کے نمونہ پر اُنہوں نے فقہ کی بنیاد رکھی اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ امام ابوحنیفہؒ سے پہلے فقہ کے مسائل جس قدر اور جس صورت میں مدون ہو چکے تھے وہ فن کی حیثیت نہیں رکھتے تھے ان باتوں کا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ اگر فقہ کو ایک قانون مانا جائے تو ضرور ماننا پڑیگا کہ امام صاحب ہی اسکے مقنن اور واضع تھے۔ البتہ انکو ملک کے رسم و رواج مسائل معمول بہا۔ علما کے فتوؤں سے مدد ملی لیکن یہ اُسی قسم کی مدد ہے جس سے دنیا کے اور واضعان قانون بھی بے نیاز نہ تھے اس لئے یہ امر امام صاحب کی مقننیت کے رتبہ کو گھٹا نہیں سکتا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۱) ایک طرف پروفیسر صاحب کی وسعت معلومات کا یہ حال ہے کہ نکاح و طلاق کے مسائل جنہیں آنحضرت نے دو سطر معلوم ہیں تعداد طلاق، تعداد نکاح حالانکہ قرآن مجید میں محرمات نکاح، موطوات باب جمع بین الاختین۔ نکاح۔ یا مشرکات۔ طلاق قبل خلوت صحیحہ و بعد خلوت اور دونوں کے احکام۔ خلع اور ایلا کے مسائل تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔ وراثت کے متعلق پروفیسر صاحب کو صرف شوہر کا حصہ اور یہ کہ مرد کو عورت کے دو حصہ کے برابر ملتا ہے معلوم ہے افسوس ان کو یہ معلوم نہیں کہ وراثت کا پورا باب اجمالاً قرآن مجید میں مذکور ہے اور خصوصاً والدین کا حصہ اور کلالہ کے احکام تو صاف صاف صریحاً مذکور ہیں قصاص اور دیت کے مسائل پر جو نہایت تفصیل سے قرآن میں مذکور ہیں اور جن میں قتل عمد اور قتل خطا اور اُن کے احکام کی پوری تفصیل ہے۔ پروفیسر صاحب کو سرے سے معلوم نہیں حیرت ہے کہ اس محدود واقفیت کیساتھ پروفیسر صاحب نے اس بحث کے طے کرنیکی کیونکر جرأت کی؟

یہ تو ضمنی بحث تھی اب ہم ان مقدمات پر توجہ کرتے ہیں جن پر پروفیسر صاحب کی استدلال کی بنا ہے اسقدر اُنہوں نے خود تسلیم کر لیا ہے اور واقع میں بھی صحیح ہے کہ شروع اسلام یعنی خلافت راشدہ کے اخیر زمانہ تک مسلمان غیر قوموں سے بالکل الگ رہے اور اُنکے قانون احکام کی کسی قسم کی واقفیت نہیں حاصل کی اسلئے دمشق و بیروت و اسکندریہ میں اسوقت رومن لا کے جو مدرسے جاری تھے خود بقول پروفیسر صاحب کے اسلامی فقہ پر اس کا کچھ اثر نہیں پڑ سکتا تھا اب قابل لحاظ یہ امر ہے کہ پروفیسر صاحب نے اسلام کے جو مسائل اس غرض کیساتھ پیش کئے ہیں وہ رومن لا کے موافق ہیں وہ کس زمانہ کے ایجاد شدہ مسائل ہیں مثلاً وراثت کے متعلق پروفیسر صاحب نے لکھا ہے کہ مسائل ذیل یعنی اولاد و سلسلہ اصولی رشتہ داران طرفی خواہ

فقہ حنفی کی خصوصیت
فقہ حنفی کے اصول عقل کے موافق

ان عام مباحث کے بعد اب ہم اُن خاصیتوں[1] کا ذکر کرتے ہیں جن کی وجہ سے حنفی فقہ کو اور فقہوں کے مقابلہ میں ترجیح حاصل ہے۔

(۱) سب سے مقدم اور قابل قدر خصوصیت جو فقہ حنفی کو حاصل ہے وہ مسائل کا اسرار و مصالح پر مبنی ہونا ہے۔ احکام شرعیہ کے متعلق اسلام میں شروع ہی سے دو فرقے قائم ہو گئے ایک گروہ کی یہ رائے ہے کہ یہ احکام تعبدی احکام ہیں یعنی ان میں کوئی سر اور مصلحت نہیں ہے مثلاً شراب خواری یا فسق و فجور صرف اس لئے ناپسندیدہ ہیں کہ شریعت نے اُن سے منع کیا ہے۔ اور خیرات و زکوٰۃ صرف اس لئے مستحسن ہیں کہ شارع نے اُن کی تاکید کی ہے ورنہ فی نفسہ یہ افعال بُرے یا بھلے نہیں ہیں۔ امام شافعی کا اسی طرف میلان پایا جاتا ہے اور شاید اسی کا اثر تھا کہ ابو الحسن اشعری نے جو شافعیوں میں علم کلام کے بانی ہیں علم کلام کی بنیاد اسی مسئلہ پر رکھی۔

دوسرے فرقہ کا یہ مذہب ہے کہ شریعت کے تمام احکام مصالح پر مبنی ہیں۔ البتہ بعض مسائل ایسے بھی ہیں جن کی مصلحت عام لوگ نہیں سمجھ سکتے لیکن درحقیقت وہ مصلحت سے خالی نہیں یہ مسئلہ اگرچہ بوجہ اسکے کہ اُسکے دونوں پہلو بڑے بڑے علماء نے اختیار کئے ہیں ایک معرکۃ الآرا مسئلہ بن گیا ہے لیکن انصاف یہ ہے کہ وہ اسقدر بحث و اختلاف کے قابل نہ تھا تمام مہمات مسائل کی مصلحت اور غایت خود کلام الٰہی میں مذکور ہے کفار کے مقابلہ میں قرآن کا طرز استدلال عموماً اسی اصول کے مطابق ہے نماز کی مصلحت خدا نے خود بتائی کہ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ روزہ کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۲) آدھا خون ملا ہو یا کل اور اُن کی اولاد - بی بی یا خاوند مولائی غلام آزاد یہ سب رومن لا کے موافق ہیں - اس کے بعد وہ تحریر فرماتے ہیں کہ مسلمانوں میں ترکہ اس طرح تقسیم کیا جاتا تھا جو رومن لا کا طریقہ تھا یعنی کل حصہ یہ تھے نصف ربع ثمن ۔ دو ثلث ثلث سدس یہی حصے رومن لا میں تھے لیکن پروفیسر صاحب کو معلوم نہیں کہ یہ حصص خود قرآن مجید میں مذکور ہیں اور قرآن مجید کی نسبت خود پروفیسر صاحب نے تسلیم کیا ہے کہ اسمیں رومی بنیاد کا پتہ نہیں لگتا البتہ ورثا کی بعض افراد قرآن مجید میں مذکور نہیں لیکن وہ زمانہ رسالت خلافت تک پوری طرح سے معین و مقرر ہو چکے تھے حدیث و آثار کی نہایت قدیم کتابیں آج موجود ہیں - ان کو پڑھکر متعصب سے متعصب شخص بھی اس سے انکار نہیں کر سکتا- وصیت کے متعلق پروفیسر صاحب نے فقہ کے جن مسائل کو رومن لا سے ماخوذ سمجھا ہے اُنکی یہ تفصیل کی ہے وصیت تقریری یا تحریری دو گواہوں کے سامنے وصی ایک ثلث جائداد سے زیادہ کی وصیت نہیں کر سکتا جبتک کہ ورثا نہ راضی ہوں لیکن یہ مسائل بھی زمانہ نبوت یا خلافت کے مسائل ہیں اور اس سے ایک عام عربی دان بھی انکار نہیں کر سکتا پروفیسر صاحب نے اور بھی مسائل گنائے ہیں جو انکی رائے میں رومن لا سے ماخوذ ہیں ہم ان سب کی تفصیل نہیں کر سکتے مختصراً اس قدر کہنا کافی ہے کہ انمیں اکثر مسائل اُسی نوع کے ہیں جنکی نسبت پروفیسر صاحب نے تسلیم کیا ہے کہ مسلمانوں نے غیر قوموں کے قوانین و احکام سے کچھ واقفیت نہیں حاصل کی تھی پروفیسر صاحب کو اس بات پر بڑی حیرت ہے کہ قرآن مجید یا حدیث میں قانونی مسائل بہت کم تھے انکی بنیاد پر فقہ کا اتنا بڑا دفتر کہاں سے تیار ہو گیا اسی حیرت نے انکو مجبور کیا کہ وہ فقہ اسلام کو رومن لا کا خوشہ چین بنائیں لیکن پروفیسر صاحب کس کس بات پر حیرت کرینگے - قانونی مسائل تو خیر رومن لا سے ماخوذ ہیں نماز روزہ حج زکوٰۃ کے متعلق قرآن مجید و احادیث میں کونسی بڑی تفصیل ہے پھر فقہ میں انہی مسائل کا ایک عظیم الشان سلسلہ کیونکر قائم ہو گیا ہے کیا

فرضیت کے ساتھ ارشاد ہوا لَتُبْلَوُنَّ جہاد کی نسبت فرمایا اَلَّا تَكُونَ فِتْنَةٌ اُسی طرح اور احکام کے متعلق قرآن و حدیث میں جا بجا تصریحیں اور اشارے موجود ہیں کہ اُنکی غرض و غایت کیا ہے۔

امام ابو حنیفہ کا یہی مذہب تھا اور یہ اصول اُن کے مسائل فقہ میں عموماً مرعی ہے اسی کا اثر ہے کہ حنفی فقہ جس قدر اصول عقلی کے مطابق ہے اور کوئی فقہ نہیں امام طحاوی نے جو محدث اور مجتہد دونوں تھے اس بحث میں ایک کتاب لکھی ہے جو شرح معانی الآثار کے نام سے مشہور ہے کہ جس کا موضوع یہ ہے کہ مسائل فقہ کو نصوص و طریق نظر سے ثابت کیا جائے محدث مذکور نے فقہ کے ہر باب کو لیا ہے اور اگرچہ انصاف پرستی کے ساتھ بعض مسئلوں میں امام ابو حنیفہ سے مخالفت کی ہے لیکن اکثر مسائل کی نسبت مجتہدانہ طرز استدلال سے ثابت کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ کا مذہب احادیث اور طریق نظر دونوں کے موافق ہے۔ امام محمد نے بھی کتاب الحجج میں اکثر مسائل میں عقلی وجوہ سے استدلال کیا ہے۔ یہ دونوں کتابیں چھپ گئی ہیں اور ہر جگہ ملتی ہیں جس کو تفصیل مقصود ہو ان کتابوں کی طرف رجوع کرے۔ اس دعوے سے امام ابو حنیفہ کا مذہب عقل کے موافق ہے۔ شافعیہ وغیرہ کو بھی انکار نہیں اور وہ انکار کیوں کرتے اُنکے نزدیک احکام شرعیہ خصوصاً عبادات جس قدر عقل سے بعید ہوں اُسی قدر اُنکی خوبی ہے۔

امام رازی نے زکوٰۃ کی بحث میں لکھا ہے کہ امام شافعی کا مذہب امام ابو حنیفہ سے زیادہ صحیح ہے جسکی دلیل یہ ہے کہ امام شافعی کا مذہب عقل و قیاس سے بعید ہے اور یہی اُس کی صحت کی دلیل ہے کیونکہ زکوٰۃ کے مسائل زیادہ تر تعبدی احکام ہیں جن میں عقل و رائے کو دخل نہیں[1]۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۳) یہ مسائل بھی رومن لا سے ماخوذ ہیں اسکو بھی جانے دو تمام اور اسلامی علوم کیونکر پیدا ہوئے ہیں اور اس وسعت کو کیونکر پہنچے؟ آنحضرت کے زمانہ میں تفسیر، حدیث، اصول حدیث، اصول فقہ، اسماء الرجال کے کتنے مسائل پیدا ہوئے تھے اور آج اُنکی کیا حالت ہے کیا آج یہ سب علوم جداگانہ فن نہیں ہیں کیا ان سے مسلمانوں کی وقت نظری تیزی طبع وسعت خیال کا اندازہ نہیں ہو سکتا کیا یہ علوم و فنون بھی مسلمانوں نے روم و یونان سے سیکھے۔ فقہ کے جن مسائل کو پروفیسر صاحب نے رومن لا سے ماخوذ بتایا ہے تو آس زمانہ کے مسائل ہیں جب کہ بقول پروفیسر صاحب کے مسلمانوں نے غیر قوموں سے کچھ نہیں سیکھا تھا لیکن زمانہ بعد میں بھی فقہ نے رومن لا کا کبھی احسان نہیں اُٹھایا۔ پروفیسر صاحب کا یہ دعویٰ صحیح ہے کہ دولت عباسیہ کے عہد ترقی میں مسلمانوں نے یونان و مصر سے علوم و فنون لئے لیکن انکو یہ جاننا چاہیے کہ یونان و مصر کے شاگرد دو مختلف گروہ ایک خاص گروہ تھا بے شبہ مسلمانوں میں ایسے لوگ بھی تھے جو غیر قوموں سے مستفید ہوتے تھے اور اسکو عیب نہیں سمجھتے تھے لیکن مسلمانوں میں یہ گروہ بھی تھا اور یہی بہت بڑا گروہ تھا جو اپنے فضل و کمال کے زعم میں غیر قوموں کی طرف کبھی رُخ نہیں کرتا تھا مجتہدین اور فقہا اسی گروہ میں داخل ہیں یونان اور روم وغیرہ کی کتابیں جو عربی زبان میں ترجمہ ہوئیں اُنکی نہایت مفصل فہرست ہے جس سے معلوم ہے کہ ان میں فلسفہ، طب، ہندسہ، نجوم، کیمیا، صنعت، تاریخ، الف لیلہ اول کی ہر قسم کی کتابیں ہیں لیکن قانون کی ایک تصنیف بھی نہیں جسکی وجہ غالباً یہی ہے کہ فقہا اور مجتہدین جو اسلام کے واضع قانون تھے غیر قوموں کی خوشہ چینی

[1] مناقب الشافعی مصنفہ امام فخر الدین رازی ۱۲

بخلاف اور معصروں کے امام ابوحنیفہ کا اس اصول کی طرف مائل ہونا ایک خاص سبب سے تھا۔ دوسرے ائمہ
جنہوں نے فقہ کی تدوین و ترتیب کی اُنکی علمی ابتدا فقہی مسائل سے ہوئی تھی۔ بخلاف اسکے امام ابوحنیفہ کی تحصیل علم
کلام سے شروع ہوئی جس کی ممارست نے اُنکی قوت فکر اور جدت نظر کو نہایت قوی کر دیا تھا معتزلہ وغیرہ جن سے اُنکے معرکے
رہتے تھے عقلی اصول کے پابند تھے اسلئے امام صاحب کو بھی اُنکے مقابلہ میں اُنہیں اصول سے کام لینا پڑتا تھا۔ اور
متنازع فیہ مسئلوں میں مصالح و اسرار کی خصوصیتیں دکھانی پڑتی تھیں اس غور اور تدقیق مشق و مہارت سے اُن کو ثابت
ہوگیا تھا کہ شریعت کا ہر مسئلہ اصول عقل کے مطابق ہے۔ علم کلام کے بعد وہ فقہ کی طرف متوجہ ہوئے تو ان مسائل میں
بھی وہی جستجو رہی۔ حنفی فقہ کے مسائل کا دوسرے فقیہوں کے مسائل سے مقابلہ کیا جائے تو یہ تفاوت صاف
نظر آتا ہے۔ معاملات تو معاملات عبادات میں بھی جس کی نسبت ظاہر بینوں کا خیال ہے کہ اُس میں عقل کو دخل
نہیں امام صاحب کے مسائل عموماً عقل کے موافق معلوم ہوتے ہیں۔

اگر اس بات پر غور کی جائے کہ نماز روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ شریعت میں کن مصلحتوں سے فرض کئے گئے ہیں اور اُن
مصالح کے لحاظ سے ان احکام کی بجا آوری کا کیا طریقہ ہونا چاہیئے تو وہی طریقہ موزوں ثابت ہوگا جو حنفی فقہ سے
ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً نماز چند افعال کے مجموعہ کا نام ہے لیکن اس لحاظ سے کہ نماز نام کی اصل غرض کیا ہے؟ (یعنی خضوع
اظہار تعبد۔ اقرار عظمت الٰہی۔ دعا) اور اُس کے حاصل ہونے میں کن کن افعال کو کس نسبت سے دخل ہے
ان افعال کے مراتب مختلف ہیں بعض لازمی اور ضروری ہیں کیونکہ اُن کے نہ ہونے سے نماز کی اصل غرض فوت
ہو جاتی ہے ان افعال کو شریعت کی زبان میں فرض سے تعبیر کیا جاتا ہے بعض افعال ایسے ہیں جو طریقہ ادا میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۴) کو اپنی اصطلاح میں حرام کہتے تھے کیا امام ابوحنیفہ۔ امام مالک۔ امام شافعی۔ امام احمد حنبل سے یہ امید ہو سکتی
ہے کہ وہ مسائل فقہ کو جو اُن کے نزدیک مذہب کا ایک حصہ تھا روم و یونان سے سیکھتے تھے اگر پروفیسر صاحب کو ان ائمہ کے حالات
معلوم ہوتے اور یہ بھی معلوم ہوتا کہ فقہ کے تمام ابواب انہی بزرگوں کے عہد میں مرتب ہو گئے تھے تو وہ ہرگز ایسا دعویٰ نہ کرتے۔
البتہ یہ بات قابل لحاظ ہے کہ بعض مسائل میں رومن لا اور فقہ اسلام متحد کیوں ہیں لیکن اس میں فقہ اسلام کی تخصیص نہیں
جن قانونوں کا گو وہ کتنے ہی بے تعلق ہوں آپس میں مقابلہ کیا جائے بہت سے مسائل مشترک ثابت ہونگے اور قدرتاً ایسا ہونا ضروری ہے جب
تمام دنیا کے آدمیوں کی ذاتی۔ تمدنی۔ ملکی ضرورتیں اکثر متحد اور یکساں ہیں تو ان ضرورتوں کے لحاظ سے ہر جگہ جو قوانین وضع کئے جاوینگے
اُنکے مسائل کا مشترک ہونا کونسے تعجب کی بات ہے۔ شعر۔ دو راہرو کہ بیک رہ روند دریک سمت ؛ عجب نباشد اگر او فتند پے ہر پے

(حاشیہ متعلقہ صفحہ ۱۲۳) لہ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جن خصوصیتوں کا ہم نے دعویٰ کیا ہے وہ بلحاظ اکثر مسائل کے ہیں ممکن ہے کہ بعض
جزئیات کے لحاظ سے یہ خصوصیات امام صاحب کے مذہب میں نہ پائی جاویں اور دوسرے اماموں کے فقہ میں پائی جاویں لیکن ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ
امام صاحب کے اکثر مسائل میں یہ خصوصیتیں پائی جاتی ہیں اور امام شافعی وغیرہ کے اکثر مسائل میں نہیں پائی جاتیں ۱۲

ایک حسن و خوبی پیدا کرتے ہیں لیکن اُن کے فوت ہونے سے اصل غرض فوت نہیں ہوتی۔ ان افعال کا رتبہ پہلی قسم سے کم ہے اور ان کو سنت و مستحب سے تعبیر کرتے ہیں۔

اوپر ہم لکھ آئے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرض و واجب و سنت کی تصریح نہیں فرمائی۔ لیکن اس میں کچھ شبہ نہیں ہو سکتا تھا کہ نماز کے تمام افعال یکساں درجہ نہیں رکھتے تھے اسلئے تمام مجتہدین نے اُنکے امتیاز مراتب پر توجہ کی اور استنباط اجتہاد کی رو سے اُن افعال کے مختلف مدارج قائم کئے اور اُن کے جُدا جُدا نام رکھے۔ امام ابوحنیفہؒ نے بھی ایسا ہی کیا۔ لیکن اس باب میں ان کو اور آئمہ پر جو ترجیح ہے وہ یہ ہے کہ اُنھوں نے جن افعال کو جس رتبہ پر رکھا درحقیقت اُن کا وہی رتبہ تھا مثلاً سب سے ضروری امر یہ ہے کہ نماز کے ارکان یعنی وہ افعال جنکے بغیر نماز ہو ہی نہیں سکتی۔ کیا ہیں؟ چونکہ نماز اصل میں اقرار عبودیت اور اظہار خشوع کا نام ہے اس لئے اس قدر تو سب مجتہدوں کے نزدیک مسلم رہا کہ نیت تکبیر۔ قرارت۔ رکوع۔ سجود وغیرہ جن سے بڑھکر اقرار عبودیت اور اظہار خشوع کا کوئی طریقہ نہیں ہو سکتا۔ فرض اور لازمی ہیں اور خود شارع نے اُن کے لازمی اور ضروری ہونے کی طرف اشارے کئے۔ بلکہ بعض جگہ تصریح بھی کی لیکن اور آئمہ نے یہ زیادتی کی کہ اُن ارکان کی خصوصیتوں کو بھی فرض قرار دیدیا حالانکہ وہ خصوصیتیں لازمی نہ تھیں اس لئے امام ابوحنیفہؒ اُن کے فرضیت کے قائل نہیں مثلاً امام ابوحنیفہ کے نزدیک تکبیر تحریمہ اللہ اکبر کے سوا اور الفاظ سے بھی ادا ہو سکتی ہے جو اُسکے ہم معنی ہیں (مثلاً اللہ اعظم۔ اللہ اجل) امام شافعیؒ کے نزدیک نہیں ہو سکتی۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تکبیر اگر فارسی زبان میں کہی جائے تب بھی جائز ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قرآن مجید کی کسی آیت کے پڑھنے سے قرأت کا فرض ادا ہو جاتا ہے امام شافعیؒ کے نزدیک بغیر سورہ فاتحہ کے نماز ہو ہی نہیں سکتی۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جو شخص عربی میں قرآن پڑھنے سے معذور ہے وہ مجبوراً ترجمہ پڑھ سکتا ہے[1]۔ امام شافعیؒ کے نزدیک ترجمہ سے کسی حالت میں نماز نہیں ہو سکتی۔

اس سے یہ خیال نہیں کرنا چاہیئے کہ امام ابوحنیفہؒ یا کسی مجتہد نے صرف عقل و قیاس سے نماز کے ارکان متعین کئے ہیں۔ آئمہ نے ان ارکان کے ثبوت کیلئے عموماً احادیث کی تصریحات و اشارات

---

[1] امام محمدؒ نے جامع صغیر میں جو روایت کی ہے اُس میں مجبوری کی قید نہیں ہے اور اسی بنا پر مخالفین نے امام صاحب پر سخت اعتراض کیا ہے کہ وہ قرآن کی حقیقت و مفہوم میں الفاظ کو داخل نہیں سمجھتے۔ یعنی اُن کے نزدیک صرف قرآن کے معانی پر قرآن کا اطلاق ہو سکتا ہے"۔ بےشبہ امام صاحب کی اس غلطی کو ہم تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن فقہ حنفیہ نے دعویٰ کیا ہے کہ امام صاحب نے بالآخر اس قول سے رجوع کیا ہے۔ ۱۲

سے استدلال کیا ہے۔ چنانچہ ہر مجتہد کے نقلی دلائل کتب فقہ میں مفصل مذکور ہیں۔ ہمارا مطلب یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے دعوؤں پر جس طرح نقلی دلائل یعنی احادیث کی تصریحیں اور اشارے موجود ہیں اسی طرح عقلی وجوہ بھی اُنکی صحت کی شاہد ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام صاحب شریعت کے اسرار اور مصالح کو نہایت دقیق نگاہ سے دیکھتے تھے۔

زکوٰۃ کے مسائل کا بھی یہی حال ہے زکوٰۃ کا اصلی مقصد بنی نوع کی ہمدردی اور اعانت ہے اسی لئے زکوٰۃ کے مصرف میں وہ لوگ خاص کر دیے گئے ہیں جو سب سے زیادہ ہمدردی اور اعانت کا استحقاق رکھتے ہیں۔ یعنی فقرار۔ مساکین۔ عُمال۔ زکوٰۃ۔ مولفۃ القلوب۔ مقروض۔ مسافر۔ غازی۔ مکاتب۔ چونکہ ان لوگوں کی تصریح خود قرآن مجید میں مذکور ہے اسی لئے اس امر میں سب مجتہدین کا اتفاق رہا کہ یہ لوگ مصرف زکوٰۃ ہیں لیکن تعین نے ایک اختلاف پیدا کر دیا۔ امام شافعیؒ نے ان اقسام کے ذکر سے یہ خیال کیا کہ یہ سب اشخاص زکوٰۃ کے ادا میں لازمی ہیں یعنی جب تک ان آٹھوں اقسام کے لوگوں کو زکوٰۃ ادا نہ کی جائے فرض ادا ہی نہیں ہو سکتا۔ بخلاف اس کے امام ابوحنیفہؒ کا یہ مذہب ہے کہ زکوٰۃ اُن اقسام سے باہر نہ جانے پائے باقی یہ امر کہ اُن لوگوں میں سے سب کو دی جائے یا البعض کو یہ امر مقتضائے وقت اور ضرورت پر موقوف ہے امام اور حاکم وقت ضرورت کے لحاظ سے جس کو چاہے انتخاب کر سکتا ہے۔

ایک اور مسئلہ جس میں امام ابوحنیفہؒ اور دوسرے آئمہ مختلف ہیں یہ ہے کہ چارپایوں کی زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ کیا ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک زکوٰۃ میں جانور یا اُسکی قیمت ادا کی جا سکتی ہے۔

امام شافعی کے نزدیک قیمت ادا کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ حالانکہ زکوٰۃ کی غرض حاصل ہونے میں جانور اور اسکی قیمت دونوں برابر ہیں۔ اسلئے شارع نے بھی کوئی تخصیص نہیں فرمائی۔

ان مسائل کے سوا عبادات کے سینکڑوں مسائل ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ حنفی مسائل میں ہر جگہ مصالح اور اسرار کی خصوصیت ملحوظ ہے لیکن ہم تطویل کے لحاظ سے اُن سب کی تفصیل نہیں کر سکتے معاملات کے مسائل میں یہ عقدہ زیادہ حل ہو جاتا ہے اور صاف نظر آتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کا مذہب کسقدر مصالح اور اسرار کے موافق ہے۔

فقہ حنفی کا آسان اور سہل ہونا

(۲) دوسری خصوصیت یہ ہے کہ حنفی فقہ بہ نسبت تمام اور فقہوں کے نہایت آسان اور لسیر التعمیل ہے۔ قرآن مجید میں متعدد جگہ آیا ہے کہ خدا تم لوگوں کے ساتھ آسانی چاہتا ہے سختی نہیں چاہتا۔ رسول اللہ کا قول ہے کہ میں نرم اور آسان شریعت لیکر آیا ہوں۔ بے شبہ اسلام کو تمام اور مذہبوں کے مقابلہ میں یہ فخر حاصل ہے کہ وہ رہبانیت سے نہایت بعید ہے۔ اُس میں عبادات شاقہ نہیں ہیں اُس کے مسائل

آسان اور لیسیر التعمیل ہیں حنفی فقہ کو بھی اور فقہوں پر بھی ترجیح حاصل ہے۔

حنفی فقہ کا آسان اور وسیع ہونا ایسا متعارف ہو کہ شعراء اور مصنفین اسکو ضرب المثل کے طور پر ذکر کرتے ہیں۔ انوری نے جو ایک فحاش اور بدزبان شاعر تھا اگرچہ بُرے موقع پر اس کا استعمال کیا اور کہا۔

ع چوں رخصتہائے بوحنیفہؒ ۔ تاہم اصل مدعا کا ثبوت اُس کے کلام سے بھی ہوتا ہے عبادات و معاملات کا کوئی باب کوئی فصل لیلو۔ یہ تفرقہ صاف نظر آتا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے مسائل ایسے آسان اور نرم ہیں جو شریعت سہلہ کی شان ہے۔ بخلاف اسکے اور آئمہ کے بہت سے احکام نہایت سخت اور عسیر التعمیل ہیں۔ مثلاً کتاب الجنایات و کتاب الحدود کے مسائل۔ انہی میں سے سرقہ کے احکام ہیں۔ چنانچہ ہم اس کے چند جزئیات نمونہ کے طور پر یہاں لکھتے ہیں۔

اس قدر تو سب کے نزدیک مسلم ہے کہ سرقہ کی سزا قطع ید یعنی ہاتھ کاٹنا ہی لیکن مجتہدین نے سرقہ کی تعریف میں چند شرطیں اور قیدیں لگائی ہیں جن کے بغیر قطع ید کی سزا نہیں ہو سکتی ان شروط کے لحاظ سے احکام پر جو اثر پڑتا ہے وہ ذیل کی جزئیات سے معلوم ہوگا جس سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ امام ابوحنیفہؒ کا مذہب کس قدر آسان ہو اور تمدن و شائستگی کے کس قدر موافق ہے۔

امام ابوحنیفہ کے مسائل	اور آئمہ کے مسائل
نصاب سرقہ کم از کم ایک اشرفی	ایک اشرفی کا ربع۔
اگر ایک نصاب میں متعدد چوروں کا ساجھا ہے تو کسی کا ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا	امام احمد کے نزدیک ہر ایک کا ہاتھ کاٹا جائیگا۔
نادان بچہ پر قطع ید نہیں	امام مالک کے نزدیک ہی
کفن چور پر قطع ید نہیں	اور آئمہ کے نزدیک ہے
زوجین میں سے اگر ایک دوسرے کا مال چرائے تو قطع ید نہیں۔	امام مالک کے نزدیک ہے
بیٹا باپ کا مال چرائے تو قطع ید نہیں	امام مالک کے نزدیک ہے
قرابت قریبہ والے مثلاً چچا بھائی وغیرہ پر قطع ید نہیں	اور آئمہ کے نزدیک ہے
ایک شخص کسی سے کوئی چیز مستعار لیکر انکار کر گیا تو قطع ید نہیں۔	اور آئمہ کے نزدیک ہے

ایک شخص نے ایک چیز چرائی پھر بذریعہ ہبہ یا بیع اُس کا مالک ہوگیا تو قطع ید نہیں	اور آئمہ کے نزدیک ہے۔
غیر مذہب والے جو مستامن ہو کر اسلام کی عملداری میں رہتے ہیں اُن پر قطع ید نہیں۔	اور آئمہ کے نزدیک ہے۔
قرآن مجید کے سرقہ پر قطع ید نہیں۔	اور آئمہ کے نزدیک ہے۔
لکڑی یا جو چیزیں جلد خراب ہو جاتی ہیں اُن کے سرقہ سے قطع ید لازم نہیں آتا	امام شافعی و مالک کے نزدیک ہے۔ اور آئمہ کے نزدیک لازم آتا ہے۔

فقہ کا ایک بڑا حصہ کتاب الخطر والاباحۃ ہے یعنی حرام وحلال۔ جائز و ناجائز کی تفصیل اسباب میں دعویٰ اور زیادہ واضح ہو جاتا ہے۔ اور آئمہ کے بہت سے ایسے مسئلے ہیں جن کی پابندی کی جائے تو زندگی دشوار ہو جائے بخلاف اسکے امام ابوحنیفہؒ کے احکام نہایت آسان اور سہل ہیں۔ مثلاً امام شافعیؒ کے نزدیک جو پانی اپلوں کی آگ سے گرم کیا گیا ہو اُس سے غسل اور وضو ناجائز ہے۔ رانگ۔ کانچ۔ بلور۔ عقیق کے برتنوں کا استعمال ناجائز ہے مثلاً پشمینہ۔ سمور۔ پوستین وغیرہ کا استعمال ناجائز ہے اور اس کو پہنکر نماز نہیں ہو سکتی۔ برتن یا کرسیاں اور زین وغیرہ جنپر چاندی کا کام ہو اُن کا استعمال ناجائز ہے۔ بیع بالمعاطاۃ یعنی خرید و فروخت کا عام طریقہ جس میں بعت و شرت کی تصریح نہیں کی جاتی ناجائز ہے۔ ان تمام مسائل میں امام ابوحنیفہ کا مذہب امام شافعی سے مخالف ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حنفی فقہ دوسرے فقہوں کی طرح تنگ اور سخت گیر نہیں ہے۔

تیسری خصوصیت

(۳) فقہ کا بہت بڑا حصہ جس سے دنیوی ضرورتیں متعلق ہیں معاملات کا حصہ ہے اور یہی وہ موقعہ ہے جہاں ہر مجتہد کی دقت نظر اور نکتہ شناسی کا پورا اندازہ ہو سکتا ہے۔ امام ابوحنیفہ کے زمانہ تک معاملات کے احکام ایسے ابتدائی حالت میں تھے کہ متمدن اور تہذیب یافتہ ملک کیلئے بالکل ناکافی تھے نہ معاہدات کے استحکام کے قاعدے منضبط تھے نہ دستاویزات وغیرہ کی تحریر کا اصول قائم ہوا تھا۔ نہ فصل قضایا ادائے شہادت کا کوئی باقاعدہ طریقہ تھا۔ امام ابوحنیفہؒ پہلے شخص ہیں جو ان چیزوں کو قانون کی صورت میں لائے لیکن افسوس ہے کہ جو مجتہدین اُن کے بعد ہوئے اُنہوں نے بجائے اسکے کہ اُس کو اور وسعت دیتے اسی غیر تمدنی حالت کو قائم رکھنا چاہا جس کا منشاء وہ زاہدانہ خیالات تھے جو علمائے مذہب کے دماغوں میں جاگزین تھے۔ ایک مشہور محدث نے فقہا پر طعن کیا ہے کہ ان لوگوں کے نزدیک جب کسی زمین کا دعویٰ کسی عدالت میں پیش کیا جائے تو ضرور ہے کہ عرضی دعوے میں زمین کا موقع بتایا جائے اس کی حدود اربعہ دکھائی جائیں حیثیت اور صورت کی تفصیل ہو حالانکہ رسول اللہ یا صحابہ کے زمانہ میں ان جزئیات اور قیدوں کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ محدث مذکور کے

فقہ حنفی میں معاملہ سے متعلق جو قاعدے ہیں نہایت وسیع اور تمدن کے موافق ہیں

نزدیک یہ بڑے الزام کی بات ہی لیکن اگر ان کو کسی ترقی یافتہ ملک میں رہنے کا اتفاق ہوتا اور معلات سے بھی کام پڑتا تو معلوم ہوتا کہ جن چیزوں کو وہ الزام کی بات سمجھتے ہیں اُنکے بغیر زندگی بسر کرنی مشکل ہی۔

امام شافعیؒ ہبہ کیلیئے قبضہ کو ضروری نہیں سمجھتے۔ شفعہ ہمسایہ کو جائز نہیں رکھتے تمام معاملات میں مستور الحال کی شہادت کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ گو اُن نکاح کیلیئے ثقہ اور عادل ہونے کی قید ضروری سمجھتے ہیں۔ ذمیوں کے باہمی معاملات میں بھی اُنکی شہادت جائز نہیں قرار دیتے ہیں بیشبہ یہ باتیں اُن ممالک میں آسانی سے چل سکتی ہیں جہاں تمدن نے وسعت نہیں حاصل کی ہی اور معاملات کی صورتیں سادہ اور نیچرل حالت میں ہیں۔ لیکن جن ملکوں میں تمدن نے ترقی حاصل کی ہو۔ معاملات کی مختلف اور پیچ در پیچ صورتیں پیدا ہو جاتی ہوں۔ حقوق کی تجدید اور انضباط کے بغیر چارہ نہ ہو وہاں ایسے احکام کا قائم رہنا آسان نہیں اور یہی وجہ ہے کہ ان تمام مسائل میں امام ابو حنیفہؒ امام شافعیؒ سے مخالف ہیں۔ مورخ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ امام مالک کا مذہب انہی ممالک میں رواج پاسکا جہاں تمدن نے وسعت نہیں حاصل کی تھی[1]۔

اسکی وجہ یہی ہے کہ امام مالک کے مسائل میں اُصول تمدن کی رعایت نہ تھی۔ امام ابو حنیفہؒ نے جس دقت نظر اور نکتہ شناسی کے ساتھ معاملات کے احکام منضبط کئے اس کا صحیح اندازہ تو اُس وقت ہو سکتا ہے کہ معاملات کے چند ابواب پر ایک مفصل ریویو لکھا جائے۔ لیکن ایسی تفصیل کیلیئے نہ وقت مساعد ہی نہ اس مختصر کتاب میں اسکی گنجایش ہی تاہم ما لایدرک کلہ لا یترک کلہ اس لئے نمونہ کے طور پر ہم صرف مسائل نکاح کا ذکر کرتے ہیں جو عبادات اور معاملات دونوں کا جامع ہے۔

نکاح کو اگرچہ فقہا نے عبادات میں شامل کیا ہی لیکن یہ صرف ایک اصطلاح ہی ورنہ نکاح بوجہ اسکے کہ تمدن اور معاشرت کے دو بڑے بڑے نتائج اسپر متفرع ہوتے ہیں معاملات کا نہایت ضروری حصہ قرار دیا جا سکتا ہی۔

مسائل نکاح کے انتخاب کی ایک یہ بھی وجہ ہی کہ بعض بعض یورپین مصنفوں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ حنفی فقہ کے مسائل نکاح نہایت وحشیانہ اور ظالمانہ ہیں۔ لیکن ہم اس بحث میں دکھا دینگے کہ آج مہذب سے مہذب ملکوں میں بھی نکاح کے قواعد حنفی فقہ سے عمدہ تر نہیں ہیں۔ بینتھم نے اپنی کتاب یوٹلٹی میں لکھا ہی کہ رومن لا کے بموجب قواعد نکاح ایک مجموعہ ظلم ہیں۔

لیکن ہم ثابت کر دینگے کہ حنفی فقہ کے بموجب قواعد نکاح مجموعۂ انصاف ہیں۔ غالباً اس بحث سے اُن لوگوں کے خیالات کی بھی کسی قدر اصلاح ہوگی جو غلطی سے یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ حنفی فقہ رومن لا سے ماخوذ ہی۔

نکاح و ازدواج۔ تمدن اور معاشرت کا نہایت وسیع حصہ ہی۔ نکاح بقول ایک حکیم کے جماعتوں کا شیرازہ تہذیب کی اصل۔ تمدن کی بنیاد ہے۔ اس لحاظ سے یہ کہنا صحیح ہے کہ مقنن نے اُس کے اُصول و ضوابط کی

[1] اس قول کو ہم پہلے نقل کر چکے ہیں ۱۲

عمدہ توضیح یا تشریح کی وہ قانون تمدن کا بہت بڑا نکتہ شناس ہے اگرچہ امام ابو حنیفہ ان اُصول و ضوابط کے موجد نہیں ہیں۔ شارع نے خود اُس کے مہمات مسائل بتا دیے تھے۔ تاہم جس نکتہ سنجی کیساتھ اُنہوں نے ان اُصول کی تشریح کی اور اُن پر احکام متفرع کئے وہ خود ایک بڑے مقنن کا کام تھا۔ شارع کا کام کہیں مجمل واقع ہوا تھا کہیں محتمل المعنیین بعض جگہ صرف اشارے تھے جا بجا جزئیات بہت کم مذکور تھیں یہی وجہ ہے کہ نکاح کے اکثر مسائل میں مجتہدین کی مختلف رائیں قائم ہو گئیں یہی مختلف فیہ مسائل ہیں جن میں امام صاحب کے اجتہاد کے جوہر کھلتے ہیں اور صاف نظر آتا ہے کہ جس طرح اُنہوں نے ان موقعوں پر شارع کے اجمال کی تفصیل کی احتمالات کے محل معین کئے اشاروں کی تصریحیں بتائیں۔ جزئیات کی تفریع کی وہ انہیں کا کام تھا۔ جن میں اور مجتہدین کسی طرح اُنکی ہمسری نہیں کر سکتے۔

نکاح کے مسائل جن اُصول پر متفرع ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) کن لوگوں کے ساتھ نکاح ہونا چاہیے۔

(۲) معاملہ نکاح کس کے اختیار سے ہونا چاہیے۔

(۳) اسکی بقاء و ثبات کا استحکام کس حد تک ضروری ہے۔

(۴) فریقین کے حقوق کیا قرار دیے جائیں۔

(۵) نکاح کن دستورات اور رسوم کے ساتھ عمل میں آئے۔

محرمات کا نکاح

یہ امر کہ نکاح کی وسعت کو کس حد تک محدود کیا جائے۔ تھوڑے سے اختلاف کیساتھ تمام مذاہب میں یکساں طور پر پایا جاتا ہے۔ ہر قوم نے چند محرمات قرار دیے ہیں جنکے ساتھ ازدواج کو ناجائز قرار دیا ہے اور یہ محرمات قریباً تمام مذہبوں میں مشترک ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ یہ امر نہایت صریح اصول عقلی پر مبنی ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ اور فلاسفر بنتھم نے کتاب یوٹلٹی میں محرمات کی حرمت کے جو دلائل قائم کئے بالکل مشترک ہیں چونکہ یہ امر بالکل اصول فطرت کے مطابق ہے اور قرآن مجید میں محرمات کے نام تصریحاً مذکور ہیں اسلئے اصل مسئلہ میں تمام مجتہدین کا اتفاق رہا۔ لیکن جو جزئیات ظاہر نص کے ذیل میں نہیں آتیں انہیں اختلاف پیدا ہو گیا انہیں میں حرمت بالزنا کا مسئلہ ہے جو امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے اختلاف کا ایک معرکۃ الآرا مسئلہ ہے امام شافعی کا مذہب ہے کہ زنا سے حرمت کے احکام نہیں پیدا ہوتے مثلاً باپ نے کسی عورت سے زنا کیا تو بیٹے کا نکاح اُس عورت سے ناجائز نہیں ہے۔ امام شافعی نے اس کو یہاں تک وسعت دی ہے کہ ایک شخص نے اگر کسی عورت کے ساتھ زنا کیا اور اس سے لڑکی پیدا ہوئی تو خود وہ شخص اُس لڑکی سے نکاح کر سکتا ہے۔ اُنکی دلیل یہ ہے کہ زنا ایک حرام فعل ہے اسلئے وہ حلال کو حرام نہیں کر سکتا۔ امام ابو حنیفہ

اس کے بالکل مخالف ہیں اُن کے نزدیک مقاربت کے ذریعہ سے مرد اور عورت کے تعلقات پر جو فطری اثر پڑتا ہے وہ نکاح پر محدود نہیں ہی اور یہ بالکل صحیح ہے محرمات کی حرمت جس اصول پر مبنی ہے اُسکو نکاح کے ساتھ خصوصیت نہیں اپنے نطفہ سے جو اولاد ہو گو زنا ہی سے ہو اُس کے ساتھ نکاح اور مقاربت کا جائز رکھنا بالکل اصول فطرت کیخلاف ہی۔ باپ کی موطؤہ کا بھی یہی حال ہے وعلیٰ ہذالقیاس خود قرآن مجید میں اس کے اشارے موجود ہیں لیکن چونکہ یہاں نقلی بحث نہیں ہم اس کا ذکر نہیں کرتے۔

معاملہ نکاح کا اختیار

دوسری بحث یہ ہی کہ معاملہ نکاح کا مختار کون ہی؟ یہ ایک نہایت مہتم بالشان سوال ہی اور نکاح کے اثر کی خوبی یا بُرائی بہت کچھ اسی امر پر منحصر ہی۔ امام شافعی و امام احمد حنبل کے نزدیک عورت گو عاقلہ بالغہ ہو نکاح کے بارے میں خود مختار نہیں ہی یعنی کسی حال میں وہ اپنا نکاح آپ نہیں کر سکتی بلکہ ولی کی محتاج ہے۔ ان بزرگوں نے ایک طرف تو عورت کو اسقدر مجبور کیا۔ دوسری طرف ولی کو ایسے اختیارات وسیع دیے کہ وہ زبردستی جس شخص کے ساتھ چاہے نکاح باندھ دے عورت کسی حال میں انکار نہیں کر سکتی ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بالغہ عورت اپنے نکاح کی آپ مختار ہے بلکہ اگر نابالغی کی حالت میں ولی نے نکاح کر دیا ہو تو بالغ ہو کر وہ نکاح فسخ کر سکتی ہی۔

اس اختلاف کی اصل بنیاد عورتوں کے حقوق کے مسئلہ پر مبنی ہے۔ تمام مذہبوں میں عورتوں کی حالت نہایت پست قرار دیگئی ہے اور اُن کے حقوق نہایت تنگدلی سے قائم کئے گئے ہیں۔ ہندوؤں اور عیسائیوں کے ہاں عورت کو میراث نہیں ملتی خود عرب میں اسلام سے پہلے یہی دستور تھا۔ اسی طرح اور بہت سے امور ہیں جن سے عورتوں کا کم رتبہ ہونا ثابت ہوتا ہے لیکن اسلام نے مردوں اور عورتوں کے حقوق یکساں درجہ پر قائم کئے ہیں اور فرمایا للرجال نصیب مما اکتسبوا وللنساء نصیب مما اکتسبن امام ابوحنیفہؒ نے تمام مسائل میں اس اصول مساوات کو مرعی رکھا ہے اور یہی خصوصیت ہی جو اس باب میں اُن کی فقہ کو اور آئمہ کی فقہ سے ممتاز کرتی ہے۔ مثلاً امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نکاح۔ طلاق عتق وغیرہ معاملات میں عورتوں کی شہادت اسی طرح معتبر ہے جس طرح مردوں کی۔ بخلاف اس کے اور ائمہ مجتہدین کے نزدیک عورتوں کی شہادت کا اعتبار نہیں۔ بعض معاملات میں اُن بزرگوں نے عورتوں کی شہادت جائز بھی رکھی ہے تو یہ قید لگائی ہے کہ دو سے کم نہوں اور امام شافعی کے نزدیک تو چار سے کم کا کسی حالت میں اعتبار نہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جس طرح ایک مرد کی گواہی معتبر ہے عورت کی بھی ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک عورت منصب قضا پر مامور کی جا سکتی ہی لیکن اور ائمہ مخالف ہیں۔ اسی بنا پر اُنکے نزدیک جب مرد نکاح کے معاملہ میں خود مختار قرار دیا گیا ہی۔ تو عورت کو بھی ایسا ہی اختیار دینا چاہیئے۔

اس عام اصول مساوات سے قطع نظر، صورت متنازعہ میں خصوصیت کی وجہ یہ بھی ہے کہ نکاح کا معاملہ عام معاملات پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ نکاح ایک ایسا تعلق ہے جس کا اثر نہایت وسیع ہے اور زندگی کے آخیر وقت تک قائم رہتا ہے۔ اس لئے ایسے معاملے میں ایک فریق کو بالکل بے اختیار رکھنا نہایت ناانصافی ہے۔

اس بحث پر امام شافعی کا مدار محض نقلی دلیلوں پر ہے لیکن اس میدان میں بھی امام ابوحنیفہ اس سے پیچھے نہیں۔ اگر امام شافعی کو لانکاح الا بولی پر استدلال ہے تو امام صاحب کی طرف الثیب احق بنفسہا من ولیہا والبکر تستاذن فی نفسہا موجود ہے لیکن اس بحث کا یہ موقع نہیں۔

تیسری بحث یہ ہے کہ معاملہ نکاح کا استحکام و بقا کس حد تک ضروری ہے۔ عقد نکاح کی خوبی کی نسبت جو کچھ کہا گیا ہے یعنی یہ کہ وہ تمدن کی بنیاد اور جماعتوں کا شیرازہ ہے، اُسی حالت میں ہے جب وہ ایک مضبوط اور دیرپا معاملہ قرار دیا جائے ورنہ وہ صرف قضائے شہوت کا ایک ذریعہ ہے۔ امام ابوحنیفہ نے اس اصول کو نہایت قوت کے ساتھ ملحوظ رکھا ہے۔ انہوں نے طریقہ انعقاد۔ تعیین مہر۔ ایقاع طلاق۔ الفاظ خلع کے جو قاعدے قرار دئیے ہیں ان سب میں اس اصول سے کام لیا ہے۔

اسباب میں سب سے مقدم ان کا مسئلہ ہے کہ الطلاق مع استقامۃ حال الزوجین حرام یعنی جب تک زوجین کی حالت استقامت پر ہے طلاق دینا حرام ہے۔ ضرورت اور مجبوری کی حالت میں طلاق کو جائز قرار دیا ہے اس کا طریقہ ایسا رکھا ہے جس سے اصلاح اور رجعت کی امید منقطع نہ ہو یعنی یہ کہ تین بار کر کے طلاق دے اور ہر طلاق میں ایک مہینہ کا فاصلہ ہو تاکہ اس اثنا میں شوہر کو اپنے ارادے کے فیصل کرنے کے لئے کافی وقت ملے اگر وہ اس ارادہ سے باز آنا چاہے تو باز آ سکے۔ اور مستحب یہی ہے کہ باز آئے اس وسیع مدت میں بھی اگر اصلاح و آشتی کی توقع نہ ہو اور تجربہ سے ثابت ہو جائے کہ فریقین کی باہمی کسی طرح اصلاح پذیر نہیں ہے تو مجبوراً طلاق دے۔ طلاق کے بعد اُس کا مہر ادا کرنا ہوگا اور تین مہینہ تک زوجہ کی خورد و نوش کی کفالت کرنی ہوگی۔ اس سے یہ مقصد ہے کہ جب تک وہ دوسرا شوہر نہ پیدا کر سکے گذر اور بسر اوقات کیلئے اُسکو تکلیف نہ اٹھانی پڑے اور مہر کی رقم عام مصارف میں کام آئے۔ اسباب میں امام صاحب کے مسائل جو اور ائمہ سے مختلف ہیں ہم اُن کو ذیل میں یکجائی طور پر لکھتے ہیں جس سے اندازہ ہو سکے گا کہ امام صاحب نے معاملہ نکاح کو کیسا مہتم بالشان اور مضبوط معاملہ سمجھا ہے اور ہر حالت میں اُس کے قائم رکھنے کی کوشش کی ہے۔

(۱) جب تک فریقین کی حالت میں استقامت ہو طلاق حرام ہے	امام شافعی کے نزدیک حرام نہیں۔
(۲) ایک بار تین طلاق دینا حرام ہے اور اس کا مرتکب عاصی ہے	امام شافعی اور امام احمد حنبل کے نزدیک مضائقہ نہیں

(۳) مہر کی تعداد کسی حالت میں دس درہم سے کم نہیں ہوسکتی۔ اس سے یہ مقصد ہے کہ مرد کو فسخ طلاق پر آسانی سے جرأت نہ ہو کیونکہ یہ تعداد غریب اور مفلس کے لئے ہے جسکو اس رقم کا ادا کرنا ایسا ہی مشکل ہے جیسے امیروں کو دو چار ہزار کا ادا کرنا۔	امام شافعی و امام احمد حنبل کے نزدیک ایک حبہ بھی مہر ہوسکتا ہے جس کا یہ نتیجہ ہے کہ مرد بیدریغ بے سوچے سمجھے طلاق دینے پر جرأت کرسکتا ہے اور عورت کو بوجہ اس کے کہ تفریق کے بعد محض مفلس و نادار رہ گئی تکالیف کا احتمال ہے۔
(۴) خلوت صحیحہ سے پورا مہر واجب ہو جاتا ہے۔	امام شافعی کے نزدیک نصف واجب ہوتا ہے۔
(۵) جسمانی بیماریاں مثل برص وغیرہ فسخ نکاح کا سبب نہیں ہوسکتی۔	امام شافعی و مالک کے نزدیک ان کی وجہ سے فسخ نکاح ہوسکتا ہے۔
(۶) اگر کوئی شخص مرض الموت میں طلاق دے اور عدت کے زمانہ میں اس کا انتقال ہو جائے تو عورت کو میراث ملیگی۔	امام شافعی کے نزدیک نہیں ملے گی۔
(۷) طلاق رجعی کی حالت میں وطی حرام نہیں ہے یعنی زوجیت کا تعلق ایسی معمولی بیزاری سے منقطع نہیں ہوتا۔	امام شافعی کے نزدیک حرام ہے گویا وہ بائنہ ہو چکی۔
رجعت کیلئے اظہار زبانی کی ضرورت نہیں ہر فعل جس سے رضامندی ظاہر ہو رجعت کے لئے کافی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آسانی دیجائے تاکہ رجعت کے بعد مصالحت ہوسکے۔	امام شافعی کے نزدیک بغیر اقرار و اظہار رجعت ہو ہی نہیں سکتی۔
(۸) رجعت پر گواہ مقرر کرنیکی کچھ ضرورت نہیں تاکہ بعض حالتوں میں گواہ نہ مل سکے اور رجعت کی مدت قریب الانقضا ہو تو طلاق بائن ہو جائیگی۔	امام مالک کے نزدیک بغیر استشہاد کے رجعت صحیح نہیں ہے۔

نکاح کے قواعد مرتب ہونیکے لئے یہ ایک نہایت ضروری امر ہے کہ فریقین کے حقوق نہایت فیاضی اور اعتدال کیساتھ قائم کئے جائیں۔ عورتوں کو مردوں کیساتھ جن باتوں میں مساوات حاصل ہے وہ باطل نہ ہونے پائے کیونکہ نکاح سے عورت کو اپنے امن و راحت کی توقع ہونی چاہیئے نہ یہ کہ اُسکے اصلی حقوق میں زوال آئے یہ اسلام کی خاص فیاضی ہے جس کی نظیر اور کسی مذہب میں نہیں ملسکتی کہ اس نے معاملہ نکاح میں عورتوں کے حقوق نہایت و

کیساتھ قائم کئے ہیں۔ امام ابو حنیفہ نے اِس اصول کو تمام مسائل میں محفوظ رکھا ہی اور یہی وجہ ہی کہ اِن مسائل میں جہاں اور ائمہ نے اُن سے اختلاف کیا ہی صریح غلطی کی مثلاً خلعہ کا معاملہ جو طلاق سی مشابہ ہی

عورتوں کے حقوق

اِس باب میں تو سب آئمہ متفق ہیں کہ جس طرح مرد کو طلاق کا حق دیا گیا ہی اسیطرح عورت کو کچھ معاوضہ دیکر خلع کا اختیار ہی۔ لیکن اِس امر میں اختلاف ہی کہ اس معاوضہ کی کیا صورت ہی۔ امام ابو حنیفہ کا مذہب ہی کہ اگر عورت کا قصور ہی اور خود اُسکی بدسلوکی تفریق کا سبب ہوئی ہی تو اس مہر کی مقدار کے برابر شوہر کو معاوضہ دینا چاہیئے۔ مرد اگر اس مقدار سی زیادہ معاوضہ کا خواہاں ہو تو مکروہ ہی لیکن اگر مرد کی شرارت ہے تو عورت بغیر کسی جرمانہ ادا کرنیکے خلع کی مستحق ہے اور مرد کو خلع کا معاوضہ لینا مکروہ ہی امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک ادلّا مرد جسقدر چاہے معاوضہ لے سکتا ہی۔ اور اُسپر عورت کو مجبور کر سکتا ہی اِس سی بڑھکر یہ کہ گو شرارت و زیادتی مرد کی ہو تاہم وہ عورت سے معاوضہ لے سکتا ہی اور جسقدر چاہے لے سکتا ہی حالانکہ یہ صریح ناانصافی ہی کہ عورت بیگناہ بھی ہو اور معاوضہ بھی ادا کرے۔

دستور نکاح

آخیر بحث یہ ہی کہ نکاح کن دستورات کیساتھ عمل میں آئے۔ اِن رسوم میں صرف دو مقصود پیش نظر ہیں اوّل یہ کہ فریقین کی رضامندی محقق ہو جائے۔ دوسرے یہ کہ واقعہ عقد کا اشتہار ہو جائے۔ ان اغراض کے لحاظ سے۔ امام ابو حنیفہ نے نہایت مناسب قاعدے قرار دئے ہیں۔ یعنی یہ کہ فریقین ایسے الفاظ استعمال کریں جنسے ظاہر ہو کہ انہوں نے معاملہ نکاح کو قبول کر لیا ہے اور یہ کہ عقد نکاح دو گواہوں کے سامنے عمل میں آئے۔ یہ دونوں سادہ اور آسان شرطیں ہیں جو ہر موقع پر استعمال کیجا سکتی ہیں لیکن بعض ائمہ نے بخلاف اسکے اِن شرطوں میں ایسی سخت قیدیں لگائی ہیں جنکی پابندی نہایت مشکل ہی امام شافعی کا مذہب ہے کہ گواہان نکاح عادل ہو چاہئیں ورنہ نکاح صحیح نہیں۔ عدالت کے جو معنی مجتہدین اور خاصکر امام شافعی نے بیان کئے ہیں اُسکے لحاظ سے ہزاروں میں ایک آدہ عادل ہو سکتا ہی اسی لئے اگر یہ قید ضروری سمجھی جاوے تو صحیح نکاح کا وجود ڈھونڈے سے مشکل سے امام شافعی و امام احمد حنبل کے نزدیک ضرور ہی کہ گواہ مرد ہوں لیکن امام ابو حنیفہ کے نزدیک عورتیں بھی گواہ ہو سکتی ہیں اور یہی قرین عقل بھی ہی۔ امام شافعی نے یہ بھی قید لگائی ہی کہ خاص تزویج کے الفاظ استعمال کئے جائیں۔ حالانکہ خاص الفاظ کی پابندی کا کچھ حاصل نہیں جو الفاظ اس مفہوم پر دلالت کرتے ہیں مثلاً ہبہ۔ تملیک وغیرہ سب عقد نکاح کے لیے کافی ہیں۔

چوتھی خصوصیت ذمیوں کے حقوق

(۴) ایک بڑی خصوصیت جو حنفی فقہ کو حاصل ہی وہ یہ ہی کہ اُس نے ذمیوں یعنی اُن لوگونکو جو مسلمان نہیں ہیں لیکن مسلمانوں کی حکومت میں مطیعانہ رہتے ہیں۔ نہایت فیاضی اور آزادی سی حقوق بخشے ہیں اور یہ وہ خصوصیت ہی جسکی نظیر کسی امام اور مجتہد کے مسائل میں نہیں ملتی۔ اگرچہ ذمیوں کے حقوق کی حفاظت خود شارع کی ہدایتوں میں

جا بجا موجود ہی لیکن چونکہ وہ کلیات ہیں اسکے علاوہ شارع کے بعض اقوال بظاہر اُسکے خلاف معلوم ہوتے ہیں اسلیئے اُن کی تعبیر مطالب میں اختلاف پیدا ہوئے ہیں تاہم کچھ شبہ نہیں کہ جو تعبیر امام ابو حنیفہ نے کی وہی صحیح تعبیر تھی اسلام نہایت وسیع دنیا پر حکمران رہا ہی اور اُس کی حدود حکومت میں سینکڑوں غیر قومیں آباد تھیں اور ایسے اگر اُنکے حقوق کی واجبی حفاظت نہ کیجاوے تو ایکدن بھی امن قائم نہیں رہ سکتا۔ امام ابو حنیفہ نے ذمیوں کو جو حقوق دیئے ہیں دنیا میں کسی گورنمنٹ نے کبھی کسی غیر قوم کو نہیں دیئے۔ یورپ جس کو اپنے قانون انصاف پر بڑا ناز ہی بیشک زبانی دعوی کر سکتا ہے لیکن عملی مثالیں نہیں پیش کر سکتا۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ کے یہ احکام اسلامی گورنمنٹوں میں عموماً نافذ تھے اور خاصکر ہارون رشید اعظم کی وسیع حکومت انہیں احکام پر قائم تھی۔

سب سے بڑا مسئلہ قتل و قصاص کا ہی۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ذمیوں کا خون مسلمانوں کے خون کے برابر ہی یعنی اگر کوئی مسلمان ذمی کو عمداً قتل کر ڈالے تو مسلمان بھی اُس کے بدلے قتل کیا جاویگا اور اگر غلطی سے قتل کیا ہی تو خون بہا مسلمان کے قتل بالخطا سے لازم آتا ہی وہی ذمی کے قتل سے بھی لازم آئیگا۔

تذکرہ امام رازی نے اپنی کتاب مناقب الشافعی میں حنفیوں کو طعنہ دیا ہی اُنکے نزدیک ابو بکر صدیق کا خون اور ایک ذلیل ذمی کا خون برابر ہی یعنی اگر ابو بکر صدیق بے جرم کسی ذمی کو قتل کر ڈالتے تو حنفیوں کے نزدیک وہ بھی قتل کئے جانیکے مستحق تھے حنفیوں نے اس مسئلہ کی تفہیم میں کہیں یہ مثال نہیں دی ہی امام رازی نے اس غرض سے کہ وہ اس مسئلہ کو بدنما کر کے دکھائیں خود یہ مثال فرض کی ہی۔ لیکن ہم فخر کیساتھ اس طعنہ کو قبول کرتے ہیں بے شبہ انصاف اور حق کی حکومت میں شاہ وگدا۔ مقبول اور مردود کا ایک رتبہ ہی بے شبہ یہ اسلام کی بڑی فیاضی ہی کہ اُس نے اپنی رعایا کو اپنے برابر سمجھا اسلام کو اس انصاف پر ناز ہو سکتا ہی اور اگر امام رازی کو عار آتی ہی تو لے خود صحابہ کا کیا قول اور کیا عمل تھا؟ حضرت علی کا قول ہی من کانت لہ ذمتنا فدمہ کدمنا ودیتہ کدیتنا یعنی ذمی کا خون ہمارا خون ہی اور اُسکی دیت ہماری دیت ہی۔ حضرت علیؓ پر موقوف نہیں تمام مہاجرین اور انصار کا قول یہی اور اسی پر عمل تھا عبید اللہ جو حضرت عمر فاروق کے فرزند تھے انہوں نے حضرت عمر کے زخمی ہونیکے وقت دو شخصوں کو جو کافر تھے اور جنپر اُن کا شبہ تھا قتل کر ڈالا۔ جب حضرت عثمان مسند خلافت پر بیٹھے تو انہوں نے مہاجرین و انصار کو بلایا اور اس بارے میں رائے پوچھی۔ تمام مہاجرین نے بالاتفاق کہا کہ عبید اللہ کو قتل کرنا چاہیئے۔

امام ابو حنیفہ نے ذمیوں کیلیئے اور جو قواعد مقرر کیئے وہ نہایت فیاضانہ قواعد ہیں وہ تجارت میں مسلمانوں کیطرح آزاد ہیں۔ ہر قسم کی تجارت کر سکتے ہیں۔ اور اُن سے اسی شرح سے ٹیکس لیا جائیگا جسطرح مسلمانوں سے لیا جاتا ہی جزیہ جو اُنکی محافظت کا ٹیکس ہی اسکی شرح حسب حیثیت قائم کی گئی مفلس شخص جزیہ سے بالکل معاف ہی اگر کوئی شخص جزیہ کا باقی دار ہو کر مر جائے تو جزیہ ساقط ہو جائیگا ذمیوں کے معاملات انہی کی

شریعت کے موافق فیصل کئے جائیں ۔ یہاں تک کہ مثلاً اگر کسی مجوسی نے اپنی بیٹی سے نکاح کیا تو اسلامی
گورنمنٹ اُس نکاح کو اُس کی شریعت کے موافق صحیح تسلیم کریگی - ذمیوں کی شہادت اُنکے باہمی مقدمات
میں مقبول ہوگی ذمیوں کی اعزازی حالت یہ ہے کہ وہ حرم محترم میں جا سکتے ہیں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں آباد ہو سکتے
ہیں تمام مسجدوں میں بغیر اجازت کے داخل ہو سکتے ہیں ۔ بجز اُن خاص شہروں کے جو مسلمانوں نے آباد کئے ہیں ہر
جگہ وہ اپنی عبادت گاہ بنا سکتے ہیں - وہ اگر حربی کافروں کے مقابلہ میں مسلمانوں کا ساتھ دینا چاہیں تو سپہ
سالار اُن پر اعتماد کر سکتا ہے اور اُن سے ہر طرح اعانت لے سکتا ہے -

اس قسم کے اور احکام ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے عموماً تمام معاملات میں ذمیوں کے حقوق
مسلمانوں کے برابر قرار دیئے ہیں ۔ بلکہ سچ یہ ہے کہ بعض امور میں تو انہوں نے اعتدال سے زیادہ فیاضی کی ہے
مثلاً اس امر میں کہ ذمی کس حالت میں عہد سے باہر ہو جاتا ہے اُن کا مذہب ہے کہ بجز اس حالت کے کہ ان کے پاس
جمعیت ہو اور وہ گورنمنٹ سے بمقابلہ پیش آئیں - اور کسی صورت میں اُن کے حقوق باطل نہیں ہوتے مثلاً
کوئی ذمی جزیہ نہ ادا کرے ۔ یا مسلمان عورت کے ساتھ زنا کا مرتکب ہو یا کافروں کی جاسوسی کرے یا کسی مسلمان
کو کفر کی ترغیب دے ۔ یا خدا اور رسول کی شان میں بے ادبی کرے تو ان تمام حالتوں میں وہ سزا کا مستحق
ہوگا لیکن باغی نہ سمجھا جائیگا اور اس کے حقوق باطل نہ ہوں گے -

اب اس کے مقابلہ میں اور ائمہ کے مسائل دیکھو امام شافعی کے نزدیک کسی مسلمان نے گو بجرم اور عمداً کسی ذمی کو
قتل کیا ہو تاہم وہ قصاص سے بری ہو جائیگا صرف دیت دینی ہوگی یا مالی معاوضہ ادا کرنا ہوگا - وہ بھی مسلمان کی دیت
کی ایک ثلث اور امام مالک کے نزدیک نصف تجارت میں یہ سختی ہے کہ ذمی اگر تجارت کا مال ایک شہر سے
دوسرے شہر کو لیجائے تو سال میں جتنی بار لیجائے ہر بار اس سے نیا ٹیکس لیا جائے گا جزیہ کی نسبت امام شافعی کا مذہب
ہے کہ کسی حال میں ایک اشرفی سے کم نہیں ہو سکتا اور بوڑھے اندھے اپاہج مفلس تارک الدنیا تک اس سے معاف
نہیں بلکہ امام شافعی سے ایک اور روایت ہے کہ جو شخص مفلس ہوگا چونکہ جزیہ نہ ادا کر سکیگا وہ اسلام کی عملداری
میں نہ رہنے پائے خراج جو حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مقرر کیا گیا تھا اس پر اضافہ ہو سکتا ہے مگر کسی صورت میں کمی نہیں ہو سکتی
ذمیوں کی شہادت گو فریقین مقدمہ ذمی ہوں کسی حال میں مقبول نہیں اس مسئلہ میں امام مالک امام شافعی دونوں متفق الرائے
ہیں ذمی کبھی حرم میں داخل نہیں ہو سکتا اور نہ وہ مکہ مدینہ منورہ میں آباد ہو سکتا ہے امام شافعی کے نزدیک تمام مسجدوں
میں اجازت کے ساتھ داخل ہو سکتا ہے لیکن امام مالک اور امام حنبل کے نزدیک اس کو بالکل اجازت نہیں مل سکتی
ذمی اسلامی حدود حکومت میں کہیں اپنی عبادت گاہ نہیں بنا سکتا - ذمیوں پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا اور وہ
اسلامی فوج میں نہیں شریک ہو سکتے - ذمی اگر کسی مسلمان کو قصداً قتل کر ڈالے یا کسی مسلمان عورت کے

عمداً

ساتھ زنا کا مرتکب ہو تو اسی وقت اُسکے تمام حقوق باطل ہو جاوینگے اور وہ کافر حربی سمجھا جاویگا یہ احکام بھی عیسائیوں اور یہودیوں کیساتھ خاص ہیں امام شافعیؒ کے نزدیک بت پرستوں کو جزیہ ادا کرنے پر بھی اسلامی حدود میں رہنے کی اجازت نہیں۔

یہ تمام احکام ایسے سخت ہیں جنکا تحمل ایک ضعیف سے ضعیف محکوم قوم بھی نہیں کر سکتی اور یہی وجہ ہو کہ امام شافعی وغیرہ کا مذہب سلطنت کیساتھ نبھ سکا مصر میں بیشبہ ایک مدت تک گورنمنٹ کا مذہب شافعی تھا لیکن اس کا نتیجہ تھا کہ عیسائی اور یہودی قومیں اکثر بغاوت کرتی رہیں۔

اسموقعہ پر یہ بتا دینا بھی ضرور ہو کہ فقہ حنفی کی کتابوں میں ذمیوں کے متعلق چند ایسے احکام بھی مذکور ہیں جو نہایت سختی اور تنگدلی پر مبنی ہیں اور چونکہ وہ اس طریقہ سے ظاہر کئے گئے ہیں کہ گویا وہ خاص امام ابو حنیفہ کے مسائل ہیں اسلئے غیر قوموں کو مذہب حنفی پر بلکہ عموماً مذہب اسلام پر حملہ کرنیکا موقع ملا ہے ہدایہ میں ہے کہ ذمیوں کو ضرور ہو کہ وہ امتیاز نہ لگائیں۔ زنار پہنیں۔ اُنکے گھروں پر علامت بنا دیجاوے جس سے ظاہر ہو کہ وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔ وغیرہ وغیرہ صاحب ہدایہ نے ان احکام کی وجہ یہ بتائی ہو کہ ذمیوں کی تحقیر ضروری ہے۔

فتاوی عالمگیری میں اس سے بھی زیادہ سخت و بیرحمانہ احکام ہیں لیکن یہ جو کچھ ہو متاخرین فقہا کی ایجاد ہو ورنہ امام ابو حنیفہؒ کا دامن اس داغ سے پاک ہو۔

امام ابو حنیفہؒ سے جو کچھ اس باب میں مروی ہے وہ صرف اسقدر ہو[1] کہ ذمی زنار باندہیں اور ایسے زین پر سوار ہوں جنکی شکل ہتیلی کی سی ہوتی ہے البتہ قاضی ابو یوسف صاحب[2] نے بعض اور احکام اسپر بڑہائے ہیں اور وہ یہ ہیں کہ ذمی مسلمانوں کے ساتھ وضع قطع لباس سواری میں مشابہت اختیار کریں اور لمبی ٹوپیاں اوڑہیں اور اُنکے زین کے آگے گول لکڑی ہو اور اُنکی جوتیوں کے تسمے دہرے ہوں اور اُنکی عورتیں کجاوں پر نہ سوار ہوں قاضی صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ذمیوں کے بارہ میں یہی احکام صادر کئے تھے۔ اور اُسکی وجہ خود حضرت عمرؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ذمیوں کی وضع سے مسلمانوں کی وضع الگ رہے۔

بلاشبہ یہ حضرت عمرؓ کے احکام ہیں لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ یہ احکام ذمیوں کی تحقیر کیوجہ سے صادر ہوئے تھے سخت غلطی ہے افسوس ہو کہ اس غلطی کا ارتکاب اکثر متاخرین فقہا نے کیا ہے۔ حضرت عمرؓ کا ایک طبعی مذاق تھا کہ وہ قومی امتیاز کو پسند کرتے تھے۔ اُنھوں نے اہل فوج کو اکثر فرمانوں میں لکھا ہو کہ وہ جاڑوں میں دھوپ کھانا نہ چھوڑیں۔ گھوڑوں پر رکاب کے سہارے سے سوار نہوں موٹے کپڑے استعمال کریں جس سے مقصد تھا کہ اہل عرب اپنے ملک وطن کی خصوصیت کو محفوظ رکھیں اسی بنا پر اُنھوں نے اہل عجم کو جنھوں نے اسلام نہیں قبول کیا

---

[1] دیکھو جامع صغیر امام محمد ۱۲ [2] قاضی ابو یوسف صاحب نے یہ احکام کتاب الخراج میں لکھے ہیں ۱۲

تھا تاکید کی کہ وہ اپنی قومی خصوصیتوں کو ضائع نہونے دیں۔ اہل عجم زمانہ اسلام سے پہلے زنار باندھتے تھے
لمبی ٹوپیاں اوڑھتے تھے۔ اُن کے زین آجکل کے انگریزی زین کے مشابہ ہوتے تھے اُن کی عورتیں اونٹوں پر نہیں
سوار ہوتی تھیں۔ چنانچہ انہیں رسوم و عادات کی نسبت حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ اہل ذمہ اُسکی پابندی کریں یہی
احکام ابو حنیفہؒ اور قاضی ابو یوسفؒ نے قائم کر رکھے تھے جنکا مقصد صرف اسقدر ہے کہ دونوں قومیں اپنی اپنی خصوصیات
پر قائم رہیں۔ البتہ امام ابو حنیفہؒ نے یہ حکم دیا ہے کہ اہل ذمہ اسلامی شہروں میں اپنی عبادت گاہیں نہ بنائیں لیکن انکا
مقصد صرف اسقدر تھا کہ امن و امان میں خلل نہو اور مسلمان رعایا جو اکثر عرب کی نسل سے تھے اور ناقوس کی صداؤں
سے اُنکے کان آشنا نہ تھے فساد پر آمادہ نہوں اس حکم نے ذمیوں کے حق میں چنداں دقت بھی نہیں پیدا کی
مسلمانوں نے جو شہر آباد کئے وہ دو چار شہر سے زیادہ نہ تھے باقی تمام ملک انہیں کے شہروں سے
معمور تھا جو غیر قوموں کے آباد کئے ہوئے تھے اور جہاں ذمیوں کو عموماً عبادتگاہوں کے بنانے کی اجازت تھی اسلامی
شہروں میں بھی یہ قید اُسوقت تک قائم رہی جبتک فتنہ کا احتمال رہا جب خوف جاتا رہا تو ذمیوں کو عام
اجازت ملگئی۔ چنانچہ بغداد میں جو خاص اسلامی شہر تھا سینکڑوں ہزاروں چرچ اور گرجے تعمیر ہوئے۔

نص کا اطلاق قرآن اور حدیث دونوں پر کیا جاتا ہے

(۵) ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ جو احکام نصوص سے ماخوذ ہیں اور جنمیں ائمہ کا اختلاف ہے اُن میں امام ابو حنیفہؒ جو
پہلو اختیار کرتے ہیں وہ عموماً نہایت قوی اور مدلل ہوتا ہے نص کا لفظ قرآن حدیث دونوں پر اطلاق کیا جاتا ہے اور اِس
لحاظ سے وہ احکام بھی نصی کہے جاتے ہیں جو قرآن سے نہیں بلکہ صرف حدیث سے ثابت ہیں لیکن اس موقع پر
ہم اُن سے بحث نہیں کر سکتے اور اُس کے مختلف وجوہ ہیں اول تو یہ کہ اس قسم کے مسائل نہایت کثرت سے ہیں
جن کا مختصر سے مختصر حصہ بھی اس کتاب میں نہیں آسکتا اگرچہ چند مسائل نمونہ کے طور پر بیان کئے جائیں تو
بدگمانوں کو اس سوءظن کا موقع باقی رہتا ہے کہ چند قوی مسائل لے لئے اور ضعیف چھوڑ دیے دوسری بڑی
وجہ یہ ہے کہ آج اُن مسائل کا فیصلہ مجتہدانہ نہیں ہو سکتا۔ حدیث کے متعلق بہت بڑی بحث صحت و عدم
صحت کی پیدا ہوتی ہے اور یہی وہ چیز ہے جس نے مسائل فقہ میں ائمہ کو مختلف الآرا کر دیا ہے ایک امام کے نزدیک
ایک حدیث قابل حجت ہے دوسرے کے نزدیک نہیں۔ اس بحث کے تصفیہ کیلیے جو سامان ہمارے ملک میں موجود ہے وہ
بالکل ناکافی ہے اور اس سے کسی حدیث کی نسبت مجتہدانہ فیصلہ نہیں کیا جا سکتا بڑا مرحلہ اسماء الرجال
کا ہے اس فن کی جو کتابیں ہمارے ملک میں موجود ہیں مثلاً تہذیب الکمال مزی تہذیب التہذیب میزان
الاعتدال طبقات الحفاظ تہذیب الاسماء واللغات وغیرہ ان میں جرح و تعدیل کے متعلق ائمہ کے جو اقوال مذکور ہیں
اکثر انکا سلسلہ سند مذکور نہیں جس سے اُسکے ثبوت و عدم ثبوت کا تصفیہ نہیں ہو سکتا اُسکے علاوہ اکثر جرح مبہم ہیں اور

لہ خلیفہ منصور نے اپنے درباریوں کو اسی قسم کی ٹوپیوں کے اوڑھنے پر مجبور کیا تھا جسکی نسبت مورخین لکھتے ہیں کہ منصور نے عجم کی تقلید کی ۱۲

جن جرحوں کو مفسر قرار دیا ہے وہ بھی ابہام سے خالی نہیں۔ قدماء نے اس فن میں جو تصنیفات لکھیں اُنسے بلاشبہ یہ مباحث طے ہو سکتے ہیں لیکن وہ یہاں میسر نہیں آتیں۔ علمائے حنفیہ نے خاص اس بحث پر کہ حنفی فقہ کے مسائل احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں بہت سی کتابیں لکھی ہیں جسکو زیادہ شوق ہو ان تصنیفات کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔

لیکن قرآن مجید میں اس بحث کا بڑا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے کیونکہ قرآن کے ثبوت میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا اس لئے نزاع کا مدار صرف اسپر رہجاتا ہے کہ جو مسئلہ اس سے مستنبط کیا گیا صحیح طور پر کیا گیا یا نہیں اس حالت میں بحث مختصر رہ جاتی ہے اور نہایت آسانی سے اسکا تصفیہ ہو جاتا ہے قرآن مجید سے جو احکام ثابت ہیں اُنکی تعداد بھی کچھ کم نہیں ہے اور وہ فقہ کے مہمات مسائل ہیں اس لئے اگر یہ ثابت ہو کہ حنفی فقہ کے مسائل نصوص قرآن سے زیادہ مطابق ہیں تو مہمات مسائل میں فقہ حنفی کی ترجیح بآسانی ثابت ہو جائے گی اسکے ساتھ یہ بھی ثابت ہو جائے گا کہ امام ابو حنیفہ کو حیثیت اجتہاد میں تمام ائمہ پر ترجیح ہے کیونکہ اجتہاد کا مدار زیادہ تر استنباط اور استخراج ہی پر ہے۔

ان وجوہ کی بنا پر اگرچہ ہم صرف اُن مسائل پر اکتفا کرتے ہیں جو قرآن سے ثابت ہیں تاہم حدیث کے متعلق ایک اجمالی بحث ضرور ہے جس سے بدگمانوں کو سوء ظن کا موقع نہ ہو بعض لوگوں کا خیال ہے کہ امام صاحب کے بہت سے مسائل احادیث صحیحہ کے مخالف ہیں ان لوگوں میں سے بعض نے الزام دیا ہے کہ امام صاحب نے دانستہ حدیث کی مخالفت کی بعض انصاف پسند وجہ یہ بتاتے ہیں کہ امام صاحب کے زمانہ تک احادیث کا استقصا نہیں کیا گیا تھا اسلئے بہت سی حدیثیں اُنکو نہیں پہنچیں لیکن یہ خیال محض لغو اور بے سر و پا ہے امام صاحب کے زمانہ تک تو حدیثیں جمع نہیں ہوئی تھیں لیکن جب جمع ہو چکیں اُس وقت بڑے بڑے محدثین اُنکے مسائل کو کیوں تسلیم کرتے رہے وکیع بن الجراح جنکی روایتیں صحیح بخاری میں بکثرت موجود ہیں اور جنکی نسبت امام ابن احمد حنبل کہا کرتے تھے کہ میں نے اُنسے بڑھ کر کسی کو حافظ العلم نہیں دیکھا وہ امام ابو حنیفہ کے مسائل کی تقلید کرتے تھے خطیب بغدادی نے اُنکے حال میں لکھا ہے کان یفتی بقول ابی حنیفۃ[1] یحیی بن سعید بن القطان جو فن جرح و تعدیل کے موجد ہیں اکثر مسائل میں امام ابو حنیفہ کے پیرو تھے خود اُن کا قول ہے قد اخذنا باکثر اقوالہ[2] امام طحاوی جو حافظ الحدیث تھے اور مجتہد فی المذہب کا درجہ رکھتے تھے پہلے شافعی تھے پھر امام ابو حنیفہ کے مسائل اختیار کئے اور کہا کرتے تھے کہ میں ابو حنیفہ کا مقلد نہیں ہوں بلکہ مجھکو اُن سے توارد ہے طحاوی امام بخاری اور مسلم کے ہمزبان ہیں اور یہ وہ زمانہ ہے جب حدیث کا دفتر کامل طور سے مرتب ہو گیا تھا۔ متاخرین میں علامہ ماردینی۔ حافظ عینی۔ ابن الہمام قاسم بن قطلوبغا وغیرہم کی نسبت قلت نظر کا کون گمان کر سکتا ہے۔ یہ لوگ عموماً حنفی مسائل کے حامی ہیں۔

اس کے علاوہ جو لوگ عموماً حافظ الحدیث تسلیم کئے گئے ہیں اُنکے مسائل امام ابو حنیفہ سے کیوں موافق ہیں طبقہ

اس بدگمانی کی تردید کہ فقہ حنفی کے مسائل حدیث کے خلاف ہیں

ہمزبان

[1] مختصر تاریخ بغداد لابن جزلہ ترجمہ وکیع بن الجراح ۱۲ [2] تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر ترجمہ امام ابو حنیفہ ۱۲

اولیٰ ہیں سب سے بڑے محدث امام احمد حنبل ہیں جنکی شاگردی پر امام بخاری و مسلم کو ناز تھا اور جنکی نسبت محدثین کا عام قول ہے کہ جس حدیث کو احمد حنبل نہیں جانتے وہ حدیث ہی نہیں۔ امام احمد حنبل بہت سے مسائل میں امام شافعی کے مخالف اور امام ابو حنیفہ کے موافق ہیں۔ خوارزمی نے لکھا ہے کہ فروع و جزئیات چھوڑ کر امہات فقہ کے متعلق ایک سو پچیس مسئلوں میں اُنکو امام ابو حنیفہ کیسا تھ اتفاق ہے اور امام شافعی سے اختلاف ہمنے خود بہت سے مسائل میں تطبیق کی ہے جس سے خوارزمی کے دعوی کی تائید ہوتی ہے۔ سفیان ثوری امام احمد حنبل کو محدثین نے امام الحدیث تسلیم کیا ہے اُن کے مسائل امام ابو حنیفہ کے مسائل کے موافق ہیں۔ قاضی ابو یوسف کہا کرتے تھے کہ واللہ سفیان اکثر متابعة منی لابی حنیفة یعنی خدا کی قسم سفیان مجھ سے زیادہ ابو حنیفہ کی پیروی کرتے ہیں۔ صحیح ترمذی میں سفیان ثوری کے مسائل مذکور ہیں۔ جو زیادہ تر شافعی کے مخالف اور ابو حنیفہ کے موافق ہیں۔

اس خیال کے پیدا ہونے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ بعض محدثین مثلاً امام بخاری ابن ابی شیبہ نے امام ابو حنیفہ کے متعدد مسائل کی نسبت تصریح کی ہے کہ حدیث کے خلاف ہیں ابن ابی شیبہ نے امام ابو حنیفہ کے رد میں ایک مستقل باب لکھا ہے لیکن یہ خیال کرنیوالوں کی کوتاہ نظری ہے اکثر ائمہ نے ایک دوسرے پر جرح اور اعتراض کیا ہے امام شافعی امام مالک کے با اخلاص شاگرد تھے اور کہا کرتے تھے کہ آسمان کے نیچے موطائے امام مالک سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہیں۔

باوجود اس کے انہوں نے امام مالک کے رد میں ایک مستقل رسالہ لکھا جسمیں دعوی کیا ہے کہ امام مالک کے بہت سے مسائل احادیث صحیحہ کے خلاف ہیں امام رازی نے مناقب الشافعی میں اس رسالہ کا دیباچہ نقل کیا ہے اور خود ہماری نظر سے گذرا ہے لیث بن سعید جو مشہور محدث ہیں کہا کرتے تھے کہ امام مالک نے ستر مسئلوں میں حدیث کی مخالفت کی ہے۔ چنانچہ میرا ارادہ ہے کہ میں اُن کو اس امر کی نسبت خط لکھوں۔ امام شافعی بھی اس اعتراض سے نہیں بچے اور کیونکر بچ سکتے تھے جہر بسم اللہ و قنوت فی الفجر و ترک توریث ذوی الارحام وغیرہ مسائل میں اُن کا مذہب صریح حدیثوں کے مخالف معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ اجتہادی امور ہیں اور اُن کی بنا پر ہم کسی کو مخالف حدیث نہیں کہہ سکتے جس حدیث کو ایک مجتہد صحیح سمجھتا ہے ضرور نہیں کہ دوسرے مجتہد کے نزدیک بھی صحیح ہو پھر اس مرحلے کے طے ہونیکے بعد استنباط و استدلال کی بحث باقی رہتی ہے جسمیں مجتہدین بہت کم متفق الرائے ہو سکتے ہیں کیونکہ استنباط اور استدلال کے اصول جداگانہ ہیں امام بخاری کا جزء القراءۃ ہمنے دیکھا ہے جامع صحیح میں جہاں وہ امام ابو حنیفہ کیطرف اشارہ کرتے ہیں اُس سے بھی ہم واقف ہیں بے شبہ اُن مسئلوں میں امام بخاری کا دعوی ہے کہ امام ابو حنیفہ کا مذہب حدیث کے مخالف ہے لیکن امام بخاری کی تحریر اور امام ابو حنیفہ کا فتوی دونوں ہمارے سامنے ہیں اور ہم خود سمجھ سکتے ہیں کہ اُن مسائل میں امام صاحب کا مذہب حدیث کے مخالف ہے یا امام بخاری کے فہم و اجتہاد کے مخالف ہے قرأت فاتحہ کے مسئلہ میں امام ابو حنیفہ کا استدلال اس آیت پر ہے واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا امام بخاری جزء

القرآت میں فرماتے ہیں کہ یہ آیت خطبہ کے بارہ میں اتری ہے یعنی نماز سے اسکو تعلق نہیں۔ امام بخاری کا یہ جواب کس قدر حیرت انگیز ہے اگر رسالہ جزء القراءۃ خود ہماری نظر سے گذرا ہوتا تو ہم کو مشکل سے یقین آتا کہ واقعی یہ امام بخاری کا قول ہے اوّل تو بیسیوں روایتوں سے ثابت ہے کہ یہ آیت نماز میں اتری ہے۔

یہ کون نہیں جانتا کہ موقع ورود کے خاص ہونے سے آیت کا حکم جو صریحاً عام ہے خاص نہیں ہو سکتا۔

امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے کہ امام اور مقتدی کو آمین آہستہ کہنی چاہیئے۔ امام بخاری برخلاف اس کے جہر کے قائل ہیں اور دلیل یہ لاتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ جب امام والضالین کہے تو تم آمین کہو۔ لیکن اس حدیث میں جہر کا کہاں ذکر ہے اور مطلق آمین کہنے سے تو امام ابوحنیفہ کو بھی انکار نہیں۔ امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے کہ نبیذ تمر سے بشرطیکہ مسکر نہو وضو جائز ہے امام بخاری اس کے خلاف ترجمۃ الباب باندھتے ہیں اور حدیث نقل کرتے ہیں کہ کل ما اسکر حرام

امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے کہ مقتدی کیلئے قراءۃ فاتحہ ضروری نہیں۔ امام بخاری جو اسکے مدعی ہیں اور جامع صحیح میں باب باندھا ہے کہ امام و مقتدی پر ہر نماز میں خواہ سفر ہو یا حضر میں ہو۔ نماز خواہ جہری ہو یا سری قرات واجب ہے اس دعوی پر دو حدیثیں پیش کی ہیں ایک یہ کہ "کوفہ والوں نے حضرت عمرؓ کے پاس سعد بن ابی وقاص کی شکایت کی حضرت عمر نے انکو معزول کر دیا۔ اور بجائے انکے عمار کو مقرر کیا۔ کوفہ والے عمار کے بھی شاکی ہوئے کہ انکو تو نماز پڑھنی بھی نہیں آتی حضرت عمر نے عمار کو بلا بھیجا اور ان سے کہا کہ ان لوگوں کا یہ گمان ہے۔ عمار نے کہا واللہ میں انکے ساتھ رسول اللہ کی سی نماز پڑھتا تھا تو پہلی دو رکعتوں میں دیر تک قیام کرتا تھا اور دو آخیر کی رکعتوں میں تخفیف کرتا تھا۔

اس حدیث سے قرات فاتحہ کا وجوب کیونکر ثابت ہوا حافظ ابن حجر وغیرہ نے جو تاویلیں کی ہیں انسے اگر بہزار دقت وجوب پر استدلال بھی ہو تو کیا اس کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے امام ابوحنیفہ نے حدیث کی مخالفت کی !!

حقیقت یہ ہے کہ کسی مجتہد کی نسبت یہ خیال کرنا کہ اسکو احکام کے متعلق حدیثیں نہیں پہنچیں سخت غلطی ہے لیکن چونکہ حدیثوں کا معیار صحت وجوہ استنباط طرق استدلال تمام مجتہدین کے نزدیک متحد نہیں۔ اسلئے مسائل میں اختلاف کا پیدا ہونا ضرور تھا۔

اب ہم اس ضمنی بحث کو چھوڑ کر اصل مقصد کیطرف رجوع کرتے ہیں ہمارا دعوی ہے کہ قرآن مجید کی تمام آیتیں جن سے کوئی مسئلہ فقہی مستنبط کیا گیا ہے اُن کے وہی معنی صحیح اور واجب العمل ہیں جو امام ابوحنیفہ نے قرار دیئے ہیں قرآن مجید میں احکام کی آیتیں سو سے متجاوز ہیں اس لئے ہم اُن کا استقصا تو نہیں کر سکتے البتہ مثال کے طور پر متعدد مسائل کا ذکر کرتے ہیں جن سے ایک عام اجمالی خیال قائم ہو سکتا ہے۔

فرائض وضو

امام صاحب کا مذہب ہے کہ وضو میں چار فرض ہیں۔ امام شافعی دو فرض اور اضافہ کرتے ہیں یعنی نیت اور ترتیب امام مالک بجائے انکے موالات کو فرض کہتے ہیں۔ امام احمد حنبل کا مذہب ہے کہ وضو کے وقت بسم اللہ کہنا ضروری

اور اگر قصداً نہ کیا تو وضو باطل ہی۔ امام صاحب کا استدلال ہی کہ آیت میں صرف چار حکم مذکور ہیں اسلئے جو چیزان احکام کے علاوہ ہیں وہ فرض نہیں ہو سکتی۔ نیت مسوالات وتسمیہ کا تو آیت میں کہیں وجود نہیں۔ ترتیب کا گمان البتہ داؤ کے حرف سے پیدا ہوتا ہے۔ لیکن علمائے عربیت نے متفقاً طے کر دیا کہ داؤ کے مفہوم میں ترتیب داخل نہیں۔

امام رازی نے تفسیر کبیر میں ترتیب کی فرضیت کیلئے متعدد دلیلیں پیش کی ہیں لیکن انصاف یہ ہی کہ انکا رتبہ تاویل سے بڑھ کر نہیں۔ بڑا استدلال یہ ہی کہ فاغسلو وجوھکم میں حرف فا تعقیب کیلئے ہی جس سے اس قدر ضرور ثابت ہوتا ہے کہ منہہ کا پہلے دھونا فرض ہے اور جب ایک رکن میں ترتیب ثابت ہوئی تو باقی ارکان میں بھی ہونی چاہیئے۔ دوسری دلیل یہ لکھی ہے کہ وضو کا حکم خلاف عقل حکم ہی اس لئے اس کی تعمیل بھی اسی ترتیب سے فرض ہونا چاہیئے جس طرح آیت میں مذکور ہی کیونکہ وضو کا حکم جسطرح خلاف عقل ہی، ترتیب بھی خلاف عقل ہی۔ امام رازی کی یہ دلیلیں جس رتبہ کی ہیں خود ظاہر ہیں اُس پر رد وقدح کی ضرورت نہیں۔

امام ابوحنیفہ کا قول ہی کہ عورت کے چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ امام شافعی اسکے مخالف ہیں اور استدلال میں یہ آیت پیش کرتے ہیں۔ وَاِنْ کُنْتُمْ مَّرْضٰۤی اَوْ عَلٰی سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْکُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ[1] اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَیَمَّمُوْا یعنی اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص غائط سے آئے یا تم نے عورت کو چھوا ہو۔ اور تم کو پانی نہ ملے تو تم تیمم کرو۔

عورت کے چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

امام صاحب فرماتے ہیں کہ عورت کے چھونے سے جماع ومقاربت مراد ہی اور یہ قرآن مجید کا عام طرز ہی کہ ایسے امور کو صریحاً تعبیر نہیں کرتا۔ لطف یہ ہی کہ اسی لفظ کا ہم معنی لفظ "مس" جس کے معنی چھونے کے ہیں خدا نے اس آیت میں مالم تمسوھن جماع کے معنی میں استعمال کیا ہی اور خود امام شافعی تسلیم کرتے ہیں کہ وہاں جماع ہی مقصود ہے حقیقت یہ ہی کہ اس آیت میں ملامست کے ظاہری معنی لینے ایسی غلطی ہی جو ہرگز اہل زبان سے نہیں ہو سکتے اس آیت میں غائط کا لفظ بھی تو ہے اسکو تمام مجتہدین کنایہ قرار دیتے ہیں۔ ورنہ ظاہری معنی لئے جائیں تو لازم آئے کہ جو شخص ہموار زمین سے ہو کر آئے اُس پر وضو کرنا واجب ہو۔

میری رائے میں اگرچہ امام شافعی کا یہ مذہب ہے کہ عورت کے چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہی لیکن اُن کا استدلال اس آیت پر نہیں ہی وہ حدیث سے استنباط کرتے ہونگے غالباً ان کے بعد اُنکے مقلدوں نے حنفیہ کے مقابلہ کیلئے آیت سے استدلال کیا اور اُس کو امام شافعی کیطرف منسوب کر دیا۔

امام ابوحنیفہ کا مذہب ہی کہ ایک تیمم سے کئی فرض ادا ہو سکتے ہیں۔ امام مالک وامام شافعی کی رائے ہی کہ ہر فرض کیلئے نیا تیمم کرنا چاہیئے۔ امام صاحب کا استدلال ہی کہ جو حیثیت وضو کے حکم کی ہی وہی تیمم کی ہے اور جب ہر نماز کے

---

[1] غائط کے معنی ہموار زمین کے ہیں۔ لیکن اس سے جائے ضرور یعنی پاخانہ مراد ہی ۱۲

لیئے نئے وضو کی ضرورت نہیں تو تیمم کی بھی ضرورت نہیں البتہ جن لوگوں کا مذہب ہے کہ ایک وضو سے کئی نمازیں ادا نہیں ہو سکتیں وہ تیمم کی نسبت بھی یہ حکم لگا سکتے ہیں۔ لیکن وضو و تیمم میں تفریق کرنی جیسا کہ امام شافعی وغیرہ نے کی محض بے وجہ ہے۔

تیمم کا اثنار نماز میں پانی پر قادر ہونا

امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے کہ اثناء نماز میں تیمم کو اگر پانی ملجائے تو تیمم جاتا رہیگا۔ امام مالک و احمد حنبل اس کے مخالف ہیں۔ امام صاحب کا استدلال یہ ہے کہ قرآن میں تیمم کا جواز اس قید کیساتھ مشروط ہے کہ لم تجدوا ماءً یعنی جب پانی نہ ملے صورت مذکورہ میں جب شرط باقی نہیں رہتی تو مشروط بھی باقی نہیں رہا۔

باب الصلوٰۃ تکبیر تحریمہ جزو نماز نہیں

امام صاحب کا قول ہے کہ تکبیر تحریمہ جزو نماز نہیں اور فارسی زبان میں تکبیر کہنا درست ہے امام شافعی وغیرہ مخالف ہیں۔ امام صاحب کا استدلال ہے کہ جس آیت سے تکبیر کی فرضیت ثابت کیگئی ہے یعنی وذکر اسم ربہ فصلے اس میں زبان کی کوئی خصوصیت نہیں اور چونکہ اس پر فاء تعقیب داخل ہے اس لیئے نماز کا وجود تکبیر سے موخر ہونا ضروری ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ تکبیر گو فرض ہے لیکن نماز میں داخل نہیں۔ اور جزو نماز نہیں۔

مقتدی کو قرأت ضروری نہیں۔

امام صاحب کا مذہب ہے کہ مقتدی کو قرأت فاتحہ ضروری نہیں۔ امام شافعیؒ امام بخاری وجوب کے قائل ہیں۔ اور امام صاحب اس آیت سے استدلال کرتے ہیں وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَ اَنْصِتُوْا جب قرآن پڑھا جائے تو سنو اور چپکے رہو۔ اگرچہ اس آیت سے سری نمازوں میں بھی ترک قرأت کا حکم ثابت ہوتا ہے لیکن خاصکر جہری نماز کیلیئے تو وہ نص قاطع ہے جسکی کوئی تاویل نہیں ہو سکتی تعجب ہے کہ شافعیہ نے ایسے صاف اور صریح آیت کے مقابلہ میں حدیثوں سے استدلال کیا ہے حالانکہ حدیثیں جو اس باب میں وارد ہیں خود متعارض ہیں جس درجہ کی وجوب قرأت کی حدیثیں موجود ہیں اسی درجہ کی ترک قرأت کی بھی ہیں۔

امام بخاری نے اس بحث میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے اور کوشش کی ہے کہ آیت کے استدلال کا جواب دیں۔ لیکن جواب ایسا دیا ہے جسکو دیکھکر تعجب ہوتا ہے اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَۃَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِیْرِ وَمَآ اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْہِ ترجمہ یعنی سوائے اسکے نہیں ہے کہ حرام کیا خدا نے تمپر مردہ کو اور خون کو اور سور کے گوشت کو اور اس چیز کو جسپر خدا کے سوا اور کسی کا نام لیا جاوے لیکن جو شخص مجبور ہو بشرطیکہ نافرمان اور حد سے گذر جانے والا نہ ہو تو اسپر گناہ نہیں اس آیت سے بہت سے مسائل مستنبط ہوتے ہیں جنہیں مجتہدین کو باہم اختلاف ہے ان تمام مختلف فیہ مسائل میں امام ابو حنیفہ نے آیت کا جو مطلب قرار دیا ہے وہی صحیح ہے پہلی بحث یہ ہے کہ مردہ کے کیا معنی ہیں امام ابو حنیفہ وہی عام معنی لیتے ہیں جو عام اطلاق میں شائع ہے امام شافعی نے اسکو بہت وسعت دی ہے یہانتک کہ وہ مردہ جانوروں کے بالوں اور ہڈیوں کو بھی مردہ کہتے ہیں اس بنا پر انکی رائے ہے کہ ان چیزوں سے ان کسی قسم کا نفع مثلاً پوستین وغیرہ کا استعمال جائز نہیں امام مالک بال اور کھال کا استعمال میں لانا جائز قرار دیتے ہیں

لیکن ہڈی کا استعمال اُن کے نزدیک بھی حرام ہے

امام شافعی نے اور امام مالک نے مردہ کے جو معنی لئے ہیں چونکہ صاف غلط معلوم ہوتے ہیں اسلئے اُنکے مقلدوں
نے تاویلیں کیں۔ امام رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ ہڈی کو مردہ کہہ سکتے ہیں کیونکہ خدا نے قرآن میں فرمایا ہے
من یحیی العظام یعنی ہڈی کو کون زندہ کریگا۔ اور زندہ وہی چیز ہو سکتی جو پہلے مر چکی ہو اسیطرح خدا نے زمین کو
مردہ کہا ہے امام رازی کی یہ تاویل نہایت تعجب خیز ہے اس قسم کے اطلاقات مجازی اطلاق ہیں جن پر احکام
کی تفریع نہیں ہو سکتی۔ امام رازی نے زمین کا مردہ ہونا قرآن مجید سے ثابت کیا ہے تو زمین اور خاک کے
استعمال کو بھی ناجائز قرار دینا چاہئے۔

دوسری بحث یہ ہے کہ خون جسکو اس آیت میں حرام کہا ہے اس سے مراد کیا ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک وہ دم مسفوح
ہے یعنی جس خون میں روانی ہو اسی بنا پر مچھلی کے خون کو حرام نہیں کہتے۔ امام شافعی کے نزدیک اس میں
کوئی تخصیص نہیں اور ہر قسم کا خون حرام ہے امام صاحب کا استدلال یہ ہے کہ یہ تخصیص خود خدا نے کی ہے چنانچہ
دوسرے موقع پر فرمایا قل لا اجد فی ما اوحی الی محرما علی طاعم یطعمہ الا ان یکون میتة او دما مسفوحا اس آیت میں
خون کی تحریم کو مسفوح کے ساتھ مقید کر دیا ہے

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ باغ ولا عاد سے کیا مراد ہے امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ کھانے میں بغاوت و عدوان نہ ہو یعنی جو
شخص مجبور ہو اور جاں بلب ہو اسکو مردہ و سور کا گوشت کھانا جائز ہے لیکن اس شرط پر کہ سد رمق سے زیادہ
نہ کھائے اور کسی دوسرے مضطر سے چھین کر نہ کھائے۔ امام شافعی بغاوت اور عدوان کے یہ معنی لیتے ہیں
کہ اس شخص نے سلطان وقت سے بغاوت نہ کی ہو اور گنہگار نہو اس اختلاف کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک مسلمان شخص
جو سلطان وقت سے باغی ہو کسی موقع پر فاقہ سے جاں بلب ہو جائے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کو مردہ یا سور
کا گوشت بقدر سد رمق کھانا جائز ہے بخلاف اسکے امام شافعی کا قول ہے کہ اگر وہ باغی نہوتا تو کھانا جائز تھا
لیکن بغاوت کی حالت میں اُسکو یہ اجازت نہیں ملسکتی۔

امام شافعی نے ان الفاظ کے جو معنی لئے اولاً تو سیاق عبارت سے بالکل بیگانہ ہیں دوسرے اصول شرع اُسکی
مساعدت نہیں کرتے شریعت نے ضرورت کیوقت جن چیزوں کی رخصت یا اجازت دی ہے وہ کسی جرم و عصیان
سے باطل نہیں ہوتی جھوٹ بولنا گناہ ہے اور بعض حالتوں میں مثلاً جب جان کا خوف ہو اُسکی اجازت دی
گئی ہے کیا ایک گنہگار شخص اس اجازت سے متمتع نہیں ہو سکتا؟ صورت متنازعہ میں اگر اس شخص کو اسلئے کھانا
کی اجازت نہیں دیگئی کہ اس کا ہلاک ہونا ہی بہتر ہے تو حرام کی کیا تخصیص ہے اُسکے لئے تو حلال غذا کی بھی اجازت
نہونی چاہئے

یہ مسائل تو نصی تھے امام ابوحنیفہ نے اس آیت سے ایک قیاسی مسئلہ قائم کیا ہے اور امام شافعی نے اُس سے مخالفت کی ہے یعنی ایک شخص پیاس سے جاں بلب ہو اور بجز شراب کے اور کوئی چیز نہ مل سکے تو اُس کو شراب پینے کی اجازت ہے یا نہیں امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے اور امام شافعی کے نزدیک نہیں اور امام شافعی اگر ظاہریوں کی طرح قیاس کے منکر ہوتے تو اس جواب سے کچھ تعجب نہ ہوتا لیکن قیاس کے قائل ہو کر یہ مخالفت محل تعجب ہے کیونکہ یہ حالت اور جس حالت کا ذکر قرآن میں صریحاً ہے دونوں کی علت مشترک ہے یعنی حفاظت نفس پھر حکم کے نہ مشترک ہونیکی کوئی وجہ نہیں۔

بابِ جنایات

جنایات کے بارے میں جو احکام قرآن مجید میں وارد ہیں اُنکی تعبیر جس صحت کیساتھ امام ابوحنیفہ نے کی ہے کسی دوسرے مجتہد نے نہیں کی زمانہ جاہلیت میں قصاص کے جو قاعدے رائج تھے نہایت ناانصافی اور جہالت پر مبنی تھے اسلام نے نہایت خوبی سے اُنکی اصلاح کی اور ایسے احکام مقرر کئے جن سے بڑھ کر کبھی ہو نہیں سکتے ہیں جاہلیت میں قصاص کا اعتبار مقتول و قاتل کی حیثیت سے کیا جاتا تھا جو معزز قبیلے تھے وہ دوسرے قبیلوں سے اسطرح قصاص لیتے تھے کہ اپنے غلام کے بدلے دوسرے قبیلے کے آزاد کو اپنی عورت کے بدلے اُنکی مرد کو اور اپنے مرد کی بدلے دوسرے قبیلوں کے دو مردوں کو قتل کرتے تھے خدا نے قصاص کا عام حکم صادر فرمایا جسکا یہ مطلب ہے کہ قصاص کا حکم کسی قید کیساتھ مقید نہیں ہے قاتل ہر حالت میں مقتول کے بدلے مارا جائیگا خواہ شریف ہو یا رذیل۔ مرد ہو یا عورت غلام ہو یا آزاد مسلم یا ذمی۔ زیادہ توضیح کیلئے اُن صورتوں کی خاص طور پر نفی کی جو عرب میں اسلام سے پہلے جاری تھیں چنانچہ ارشاد فرمایا کہ کتب علیکم القصاص فی القتلی الحر بالحر والعبد بالعبد والانثی بالانثی ترجمہ یعنی تم پر مقتول کے بارے میں قصاص فرض کیا گیا۔ آزاد آزاد کے بدلے میں غلام غلام کے بدلے میں عورت عورت کے بدلے۔

زمانہ جاہلیت میں یہ بھی دستور تھا کہ قتل عمد کے بدلے میں مالی معاوضہ دیدینا کافی سمجھا جاتا تھا اور اُس کو دیت کہتے تھے اسلام نے اُس کو باطل کیا اور دیت کو جو ایک قسم کا جرمانہ ہے صرف شبہ عمد اور قتل خطا کی حالت میں جائز رکھا اور اُس کی مقدار مسلمان و ذمی کیلئے یکساں مقرر کی چنانچہ خدا نے ارشاد فرمایا کہ وما کان لمومن ان یقتل مومنا الا خطاءً ومن قتل مومنا خطاءً فتحریر رقبة مومنة ودية مسلمة الى اهله الا ان يصدقوا فان كان من قوم عدو لكم وهو مومن فتحرير رقبة مومنة وان كان من قوم بينكم وبينهم ميثاق فدية یعنی مسلمان کی شان نہیں کہ کسی مسلمان کو قتل کرے۔ مگر غلطی سے جو شخص کسی مسلمان کو غلطی سے قتل کرے تو اُس کو ایک مسلمان غلام آزاد کرنا ہوگا۔ اور مقتول کے اہل کو دیت دینی ہوگی۔ اور اگر مقتول اُس قوم سے ہو کہ تمہارے اور اُنکے درمیان میثاق ہے تو دیت دینی ہوگی۔ اور ایک مسلمان غلام آزاد کرنا ہوگا۔

یہ احکام نہایت صاف اور صریح طور پر قرآن سے ثابت ہوتے ہیں اور امام ابوحنیفہ انہیں احکام کے قائل ہیں لیکن امام شافعی وغیرہ نے بعض مسائل میں اختلاف کیا ہے جسکی نسبت ہم افسوس کیساتھ کہتے ہیں کہ یقیناً اُنکی غلطی ہے

پہلا اختلاف یہ ہے کہ امام شافعی و امام مالک و امام احمد حنبل قائل ہیں کہ غلام کے بدلے آزاد قتل نہیں کیا جا سکتا غلام اور آزاد میں ایسا بیرحمانہ تفرقہ کرنا ہرگز قرآن سے ثابت نہیں ہوتا۔ اگر الحر بالحر کی تخصیص سے استدلال ہے تو الانثیٰ بالانثیٰ کی تخصیص سے لازم آتا ہے کہ عورت کے بدلے مرد نہ قتل کیا جاوے حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں۔

دوسرا اختلاف یہ ہے کہ امام شافعی ذمی کی دیت مسلمان کی دیت سے کم قرار دیتے ہیں حالانکہ دیت کے جو الفاظ خدا نے مومن کے حق میں استعمال کئے وہی اُن لوگوں کے حق میں بھی ارشاد کئے جو مسلمانوں سے میثاق و معاہدہ رکھتے ہیں بے شبہ یہ اسلام کی نہایت فیاض دلی ہے کہ اُس نے مسلمان و ذمی کا حق برابر رکھا۔ لیکن افسوس ہے کہ ایسے فیاضانہ حکم کی لوگوں نے غلط تاویل کی ہے۔

تیسرا اختلاف یہ ہے کہ امام شافعی قتل عمد کی حالت میں بھی مالی معاوضہ ادا کرنا کافی سمجھتے ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید میں قتل عمد کی حالت میں قصاص کا حکم ہے دیت کی کہیں اجازت نہیں اور یہی اقتضائے عقل ہے جاہلیت میں قتل مقدمات دیوانی کی حیثیت رکھتا تھا اور اس وجہ سے مالی معاوضہ اس کا بدل ہو سکتا تھا۔ لیکن اسلام ایسی غلطی کا مرتکب نہیں ہو سکتا تھا۔

چوتھا اختلاف یہ ہے کہ امام شافعی کیفیت قتل میں مساوات کو لازمی قرار دیتے ہیں یعنی اگر قاتل نے پتھر سے سر پھوڑ کر کسی کو مارا ہو تو وہ بھی پتھر سے سر توڑ کر مارا جائے یا کسی نے آگ سے جلا کر مارا ہو تو وہ بھی آگ سے جلا کر مارا جائے۔ لیکن اس قسم کی مساوات پر قرآن کا کوئی لفظ دلالت نہیں کرتا۔

پانچواں اختلاف یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک قتل عمد کی حالت میں کفارہ لازم نہیں آتا۔ امام شافعی قصاص و کفارہ دونوں لازمی قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید میں کفارہ کا حکم قتل خطا کیساتھ مخصوص ہے قتل عمد میں کفارہ کا کچھ ذکر نہیں۔

وراثت کے بعض احکام میں جو نہایت مہتم بالشان ہیں امام ابو حنیفہ نے جو پہلو اختیار کیا وہ نہایت صحیح طور سے قرآن سے ثابت ہے وراثت کے قاعدے جو اسلام نے مقرر کئے ہیں۔ وہ تمام دنیا کے قواعد وراثت سے الگ ہیں اور ایسے دقیق اور نازک اصول پر مبنی ہیں جو علانیہ اس بات کی دلیل ہیں کہ خدا کے سوا اور کوئی اُن احکام کا واضع نہیں ہو سکتا۔ وراثت کا اصلی اصول یہ ہے کہ متوفی اگر اپنی جائداد کسی خاص شخص کو دیجاتا تو اُسی کو ملتی لیکن جب اُس نے کوئی ہدایت نہیں کی تو اسپر لحاظ ہوگا کہ اُس کے فطری تعلقات کن کن لوگوں کیساتھ کس کس تفاوت کیساتھ تھے جو لوگ یہ تعلقات رکھتے ہیں وہ اسی تفاوت درجہ کیساتھ اُس کی جائداد کے مالک ہونگے گویا متوفی کی یہ معنوی ہدایت ہے کہ لوگوں کو اسی مناسبت سے دیا جائے جس نسبت سے میرے تعلقات اُن کے ساتھ تھے۔ دوسرا اصول جو پولیٹکل اکانمی کا عام اصول ہے یہ ہے کہ دولت کا بہت سے اشخاص میں تقسیم ہونا اس سے اچھا ہے کہ دو ایک شخص تک محدود رہے۔ یہ عمدہ اصول تمام اور قوموں کی نگاہ سے رہ گئے۔ اور اس وجہ سے اُن کا قانون وراثت بھی

ناتمام اور محدود رہگیا۔ عیسائیوں کے قانون میں بڑے بیٹے کو جائداد پہنچتی ہے۔ دوسرے بھائیوں کو کچھ دستیاب نہیں
ملتا ہے۔ ہندوؤں کے ہاں صرف اولاد ذکور جائداد کی مالک ہے۔ باپ بھائی وغیرہ محروم مطلق ہیں لیکن اسلام نے
وقت نظر سے اُن نازک تعلقات پر نگاہ کی جو ورثہ کو متوفی کیساتھ ہیں اور اسی نسبت سے تین درجے قرار دئے
ذوی الفروض۔ عصبات۔ ذوی الارحام ان تینوں درجوں کی تصریح قرآن مجید میں موجود ہے اور خاصکر ذوی الارحام
کا ذکر ان آیتوں میں ہے لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ
وَالْأَقْرَبُونَ وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ امام ابوحنیفہ نے توریث کے احکام میں یہ تینوں مراتب
قائم رکھے۔ لیکن امام شافعی و امام مالک نے ذوی الارحام کو سرے سے خارج کر دیا چنانچہ اُنکے نزدیک نانا بھتیجا
بھانجے وغیرہ کسی حال میں ورثہ نہیں پاسکتے اُن بزرگوں نے ذوی الارحام کو عام سمجھا ہے اور ذوی الفروض
وعصبات اُس کے افراد قرار دئے ہیں جیسا کہ امام رازی نے تفسیر کبیر میں ذکر کیا ہے لیکن یہ ایک صریح غلطی ہے۔

نکاح و طلاق

نکاح و طلاق کے متعلق قرآن میں بہت سے احکام مذکور ہیں جنمیں سے بعض بعض میں مجتہدین مختلف الآراء ہیں
ان اختلافی مسائل میں دو مسئلے نہایت مہتم بالشان ہیں اور ہم اس موقعہ پر اُنہیں کا ذکر کرتے ہیں۔

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ امام شافعی کے نزدیک گو عورت بالغہ اور عاقلہ ہو تاہم کسی حالت میں بغیر ولی کی ولایت کے نکاح
نہیں کر سکتی امام ابوحنیفہ کے نزدیک بالغہ عاقلہ اپنے نکاح کی آپ مختار ہے اس دعوی پر دونوں طرف سے قرآن کی آیتیں
اور حدیثیں پیش کی گئیں ہیں احادیث کی بحث کا تو یہ محل نہیں۔ قرآن مجید سے امام شافعی کا جو استدلال ہے
اور جسکو خود انہوں نے کتاب الام میں بڑے شد ومد سے لکھا ہے وہ اس آیت پر مبنی ہے وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ
فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ ترجمہ اور جب تم طلاق دو عورتوں کو اور وہ اپنی مدت کو
پہنچیں تو ان کو اس بات سے نہ روکو کہ وہ اپنے شوہروں سے نکاح کریں۔ امام شافعی کہتے کہ تعضلوھن
اولیائے نکاح سے خطاب ہے اور اُنکو حکم دیا گیا ہے کہ عورتوں کو نکاح سے نہ روکیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اولیائے
نکاح کو روکنے کا حق حاصل ہے ورنہ نہی کی کیا ضرورت تھی امام شافعی نے اس مطلب کی تائید میں آیت کی شان نزول کا ذکر کیا
ہے چنانچہ لکھتے ہیں کہ معقل بن یسار نے اپنی بہن کی شادی اپنے چچیرے بھائی سے کر دی تھی۔ شوہر نے چند روز کے
بعد طلاق دیدی۔ لیکن عدت گذر جانیکے بعد اُس کو ندامت ہوئی اور اُس نے دوبارہ نکاح کرنا چاہا عورت بھی راضی
ہوگئی معقل نے سنا تو بہن کے پاس گئے اور کہا کہ میں نے نکاح کر دیا تھا اُسنے طلاق دیدی۔ اب میں کبھی اُس سے نکاح
نہونے دونگا۔ اسپر یہ آیت اُتری۔ امام شافعی نے آیت کے جو معنی لئے ہیں اگر ہم نے خود اُنکی کتاب میں اسکو
تصریحاً نہ دیکھا ہوتا تو ہم کو مشکل سے یقین آتا کہ یہ اُنہیں کا قول ہے۔

اوّل ہم کو اسپر غور کرنا چاہیئے کہ آیت کے یہ معنی ہو بھی سکتے ہیں یا نہیں اسقدر تو سب کے نزدیک مسلم ہے کہ طلقتم

میں شوہروں کی طرف خطاب ہے اور جب یہ مسلم ہی تو ضرور ہی کہ تعضلوہن میں بھی اُنھیں کی طرف خطاب ہو ورنہ عبارت بالکل بے ربط ہوگی کیونکہ اس تقدیر پر آیت کا ترجمہ یہ ہوگا کہ اے شوہرو جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی مدت کو پہنچ چکیں۔ تو اے نکاح کے اولیا، تم اُن عورتوں کو نکاح سے مت روکو،، اس عبارت کی بے ربطی میں کون شبہہ کرسکتا ہی؟ شرط میں تو شوہروں سے خطاب ہوا اور جزا میں اُن سے کچھ واسطہ نہ رہے اور اولیائے نکاح سے تخاطب کیا جائے۔ یہ کونسا طریقہ کلام ہی؟ امام رازی باوجودیکہ شافعی ہیں تاہم انھوں نے تفسیر کبیر میں صاف تصریح کی ہی کہ یہ معنی بالکل غلط ہیں۔ اور خدا ایسی بے ربط عبارت بول نہیں سکتا،، اگر ہم یہ معنے تسلیم بھی کرلیں تو بھی امام شافعی کا استدلال تمام نہیں ہوتا کیونکہ یہ ضرور نہیں کہ جو شخص ایک کام سے روکا جائے وہ اس کام کا حق بھی رکھتا ہو۔

اب ہم اس آیت کا صحیح محل بیان کرتے ہیں۔ جاہلیت میں اکثر دستور تھا کہ لوگ اپنی بیویوں کو طلاق دیتے تھے اور اس غیرت سے کہ جو عورت اُن کے ہم بستر رہ چکی ہے دوسرے کے آغوش میں نہ جانے پائے اُس عورت کو دوسرا نکاح بھی نہیں کرنے دیتے تھے اس بُری رسم کو خدا نے مٹایا اور یہ آیت نازل کی جس کا صحیح ترجمہ یہ ہی کہ اے شوہرو جب تم عورت کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت کو پہنچ چکیں تو اُن کو اس بات سے نہ روکو کہ وہ اپنے شوہروں سے (یعنی جنکو وہ اب شوہر بنانا چاہتی ہیں) نکاح کریں۔ امام ابوحنیفہ نے اس آیت سے یہی معنی لئے ہیں اور اس سے وہ استدلال کرتے ہیں کہ عورتیں نکاح کے معاملہ میں خود مختار ہیں استدلال کی زیادہ تائید ینکحن کے لفظ ہوتی ہی کیونکہ اس لفظ میں نکاح کے فعل کو عورتوں کی طرف منسوب کیا ہی نہ اولیائے نکاح کی طرف۔

دوسرا مسئلہ تین طلاقوں کا ہے اسقدر تو چاروں آئمہ مجتہدین کے نزدیک مسلم ہے کہ اگر کوئی شخص ایک بار تین طلاق دے تو طلاق واقع ہوجائے گی اور پھر رجعت نہ ہوسکیگی۔ لیکن اس میں اختلاف ہے کہ اسطرح طلاق دینا جائز اور مشروع ہے یا نہیں۔ امام شافعیؒ کے نزدیک مشروع ہی اور خدا نے اسکی اجازت دی ہی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حرام اور ممنوع ہے اور طلاق دینے والا گنہگار ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کا استدلال یہ ہی کہ خدا نے جو طلاق کا یہ طریقہ بتلایا ہے اور وہ اس آیت پر محدود ہی الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان یعنی طلاق دو بار کرکے ہی پھر یا تو بھلائی کے ساتھ روک لینا ہے یعنی رجعت کرلینا ہے یا احسان کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔ پس اس آیت میں طلاق کا جو طریقہ بتایا گیا ہے صرف وہی شرعی طلاق ہوسکتا ہی بعض لوگوں نے امام ابوحنیفہ کے قول پر یہ اعتراض کیا ہی کہ اگر ایکبار تین طلاق دینا شرعاً جائز نہیں تو اُسکے نفاذ کے کیا معنی حالانکہ نفاذ سے امام ابوحنیفہ کو بھی انکار نہیں اس کا جواب ایک بڑی نازک بحث پر مبنی ہی جس کا یہ موقع نہیں مگر اجمالاً یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ کسی کام کا ممنوع ہونا دوسری چیز ہے اور نافذ ہونا دوسری چیز ہی۔ باپ کا اولاد کو کم و بیش حصہ نہیں جائداد کا ہبہ کرنا شرعاً ممنوع ہی لیکن اگر

کوئی ناانصاف باپ ایسا کرے تو اُسکا نفاذ ضرور ہوگا۔

اب ہم اس بحث کو ختم کرتے ہیں لیکن یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ ہم امام ابوحنیفہ کی نسبت یہ عام دعویٰ کرتے ہیں کہ اُنکے مسائل صحیح اور یقینی ہیں۔ امام ابوحنیفہ مجتہد تھے پیغمبر نہ تھے اسی لئے اُنکے مسائل میں غلطی کا ہونا ممکن ہے نہ صرف امکان بلکہ ہم وقوع کا دعویٰ کرسکتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ خود اُنکے خاص شاگردوں نے بہت سے مسائل میں اُن سے مخالفت کی۔ مدت رضاعت۔ قضاء قاضی کا ظاہراً و باطناً نافذ ہونا۔ قتل بالمثقل۔ نکاح محرمات میں حد کا نہ لازم آنا۔ ان تمام مسائل میں ہمارے نزدیک امام ابوحنیفہ کے مذہب کی کوئی صحیح تاویل نہیں ہو سکتی ایسے اور بھی مسائل ہیں لیکن ہمارا مقصد اس موقع پر صرف یہ ہی کہ ایک مجتہد کا جس حد تک صاحب الرائے ہونا ممکن ہی امام صاحب اُس حد تک صاحب الرائے تھے۔

خاتمہ

امام صاحب کے تلامذہ

ایشیائی ملکوں میں اگرچہ شاگردی اور اُستادی کا تعلق عموماً نہایت قوی تعلق ہوتا ہی لیکن بعض شاگردوں کو مختلف وجوہ سے کچھ ایسی خصوصیت ہوجاتی ہی کہ جہاں اُستاد کا نام آتا ہی ممکن نہیں کہ اُنکا نام نہ آئے جیسا کہ ہم اِس کتاب کے پہلے حصے میں لکھ آئے ہیں امام ابوحنیفہ کی درس تدریس کا دائرہ اِس قدر وسیع تھا کہ خلیفہ وقت کی حدود حکومت اس سے زیادہ وسیع نہ تھیں۔ حافظ ابوالمحاسن شافعی نے نوسو اٹھارہ شخصوں کے نام بقید نام و نسب لکھے ہیں جو امام صاحب کے حلقہ درس سے مستفید ہوئے تھے۔ اس گروہ میں سے چند بزرگ ایسے ہیں جنکی بیوگرفی کے بغیر امام صاحب کی علمی تاریخ ناتمام رہتی ہی چالیس شخص جو امام صاحب کے ساتھ فقہ کی ترتیب و تدوین میں شریک تھے اُنکے شاگرد اور ارادت مند خاص تھے امام صاحب کی زندگی کا بڑا کارنامہ فقہ ہے۔ اِس لئے یہ کیونکر ممکن ہے کہ امام صاحب کی تاریخ میں اُن لوگوں کا ذکر چھوڑ دیا جائے جو ایسے بڑے کام میں اُنکے شریک اور مددگار تھے۔ اُن لوگوں کے حالات صرف امام ابوحنیفہ کی تاریخ سے وابستہ نہیں ہیں بلکہ اُس سے عام طور پر حنفی فقہ کے متعلق ایک اجمالی خیال قائم ہوتا ہی یعنے اُن لوگوں کی عظمت و شان سے فقہ حنفی کی خوبی اور عمدگی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ ساتھ ہی امام صاحب کا بلند رتبہ ہونا ثابت ہوتا ہے کہ جس شخص کے شاگرد اس رتبہ کے ہوں گے وہ خود کس پایہ کا ہوگا خطیب بغدادی نے وکیع بن الجراح کے حال میں جو ایک مشہور محدث تھے لکھا ہی کہ ایک موقع پر وکیع کے پاس چند اہل علم جمع تھے کسی نے کہا کہ اس مسئلہ میں ابوحنیفہؒ نے غلطی کی۔ وکیع بولے ابوحنیفہؒ کیونکر غلطی کرسکتے ہیں۔ ابویوسف و زفر قیاس میں یحییٰ بن زائدہ حفص بن غیاث حبان مندل۔ حدیث میں۔ قاسم بن معن لغت و عربیت میں۔ داؤد الطائی و فضیل بن عیاض زہد و تقویٰ میں اس رتبہ کے لوگ جس شخص کیساتھ ہوں وہ غلطی کرسکتا ہی اور کرتا بھی تو یہ لوگ اُسکو کب غلطی پر رہنے دیتے۔

شاگرد کا رتبہ واعزاز اُستاد کیلئے باعثِ فخر خیال کیا جاتا ہی۔ اگر یہ فخر صحیح ہی تو اسلام کی تمام تاریخ میں کوئی شخص امام ابوحنیفہ سے بڑھکر اس فخر کا مستحق نہیں ہی۔ امام صاحب اگر یہ دعویٰ کرتے تو بالکل بجا تھا کہ جو لوگ امام صاحب کے شاگرد تھے وہ بڑے بڑے آئمہ مجتہدین کے شیخ اور اُستاد تھے۔ امام شافعی ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ میں نے امام محمدؒ سے ایکبار شتر علم حاصل کیا ہے۔ یہ وہی امام محمد ہیں جو امام ابوحنیفہؒ کے مشہور شاگرد ہیں اور جنکی تمام عمر امام صاحب کی حمایت میں صرف ہوئی۔ انصاف یہ ہی کہ امام صاحب کے بعض شاگرد خصوصاً قاضی ابویوسفؒ وامام محمد اس رتبہ کے عالم تھے کہ اگر امام ابوحنیفہؒ کی تبعیت سے الگ ہوکر مستقل اجتہاد کا دعویٰ کرتے تو اُن کا جُدا طریقہ قائم ہو جاتا اور امام مالکؒ وشافعی کی طرح اُن کے بھی ہزاروں لاکھوں مقلدین بنجاتے۔

امام صاحب کے زمانہ میں جو مذہبی علوم نہایت اوج وترقی پر تھے وہ فقہ حدیث اسماء الرجال تھے۔ یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ جو لوگ ان علوم کے ارکان تھے اکثر امام صاحب ہی کے شاگرد تھے اور شاگرد بھی برائے نام شاگرد نہ تھے بلکہ مدتوں امام صاحب کی صحبت میں رہے اور اُنکی فیض صحبت کا ہمیشہ اعتراف کرتے رہے فقہ کے متعلق تو غالباً کسی کو انکار نہیں ہوسکتا لیکن حدیث کی نسبت اس دعوے پر لوگوں کو تعجب ہوگا اور تعجب بجا ہی کیونکہ امام صاحب کی شاگردی کے تعلق سے جو لوگ مشہور ہوئے وہ اکثر فقیہی تھے محدثین میں سے جو امام کے شاگرد ہیں اگرچہ بجائے خود شہرت عام رکھتے ہیں لیکن اُنکی شاگردی کا تعلق چنداں مشہور نہیں ہی اس موقع پر جن لوگوں کے نام لکھونگا اس تعلق کا ذکر بھی خصوصیت کیساتھ کرونگا اور رجال کی نہایت معتبر کتاب کا حوالہ دونگا۔ امام صاحبؒ کے بیشمار شاگردوں میں سے ہم اُن چالیس شخصوں کا مختصر تذکرہ لکھنا چاہتے تھے جو امام صاحب کے ساتھ تدوین فقہ میں شریک تھے لیکن افسوس ہی کہ ہم اُنمیں سے صرف چند شخصوں کا نام معلوم کرسکے یعنی قاضی ابویوسف۔ زفر۔ اسد بن عمر۔ عافیۃ الاودی۔ داؤد الطائی۔ قاسم بن معن علی بن مسہر یحییٰ بن زکریا۔ حبان۔ مندل۔ چنانچہ ان لوگوں کے مختصر حالات ہم ذیل میں لکھتے ہیں اُن کے علاوہ بعض اُن شاگردوں کا ذکر بھی ضروری ہی جو حدیث ورجال کے فن میں امام وقت تھے چنانچہ پہلے ہم اُنہیں سے شروع کرتے ہیں

یحییٰ بن سعید القطان

تلامذہ محدثین

فن رجال کا سلسلہ انہی سے شروع ہوا۔ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ فن رجال میں اوّل جس شخص نے لکھا وہ یحییٰ بن سعید القطان ہیں پھر اُنکے بعد اُنکے شاگردوں میں یحییٰ بن معین علی بن المدینی امام احمد حنبل عمرو بن علی الفلاس ابوخثیمہ نے اس فن میں گفتگو کی اور اُنکے بعد اُنکے شاگردوں یعنی امام بخاری ومسلم وغیرہ نے حدیث میں اُن کا یہ پایہ تھا کہ جب حلقۂ درس میں بیٹھتے تو امام احمد حنبل علی بن المدینی وغیرہ مؤدب کھڑے ہوکر اُنسے حدیث کی تحقیق کرتے اور نماز عصر سے جو اُنکے درس کا وقت تھا مغرب تک برابر کھڑے رہتے۔ راویوں کی تحقیق وتنقید میں ایسا کمال پیدا کیا تھا کہ آئمہ حدیث عموماً کہا کرتے تھے کہ یحییٰ جسکو چھوڑ دینگے ہم بھی اُسکو چھوڑ دینگے۔ امام احمد حنبل کا مشہور قول ہے

لہ [illegible] مقدمہ [illegible] تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر ترجمہ یحییٰ القطان [illegible]

مارأیت لعینی مثل یحیی بن سعید القطان[1] یعنی میں نے اپنی آنکھوں سے یحیی کا مثل نہیں دیکھا اس فضل و کمال کیساتھ امام ابوحنیفہ کے حلقۂ درس میں اکثر شریک ہوتے اور اُن کی شاگردی پر فخر کرتے اُس وقت تک تقلید معین کا رواج نہیں ہوا تھا تاہم اکثر مسائل میں وہ امام صاحب ہی کی تقلید کرتے تھے خود اُن کا قول ہی قد اخذنا باکثر اقواله[2] یعنی ہم نے امام ابوحنیفہ کے اکثر اقوال اخذ کئے۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں جہاں وکیع بن جرلح کا ذکر کیا ہے لکھا ہے یفتی بقول ابی حنیفة وکان یحیی القطان یفتی بقوله ایضاً یعنی وکیع امام ابوحنیفہ کے قول پر فتویٰ دیتے تھے اور یحیی قطان بھی انہیں کے قول پر فتویٰ دیتے تھے سنہ١٢٠ھ میں پیدا ہوئے اور ١٩٨ھ میں بمقام بصرہ وفات پائی

عبداللہ بن المبارک

محدث نووی نے تہذیب الاسماء واللغات میں اُنکا ذکر اِن لفظوں سے کیا ہی وہ امام جس کی امامت و جلالت پر ہر باب میں عموماً اجماع کیا گیا ہی جسکے ذکر سے خدا کی رحمت نازل ہوتی ہی جسکی محبت سے مغفرت کی اُمید کیجا سکتی ہی۔[3]

حدیث میں جو اُن کا پایہ تھا اُس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہی کہ محدثین اُنکو امیر المومنین فی الحدیث کے لقب سے پکارتے تھے ایک موقع پر اُنکے شاگردوں میں سے ایک شخص نے اُنسے خطاب کیا کہ یا عالم المشرق امام سفیان ثوری جو مشہور محدث ہیں اس موقع پر موجود تھے بولے کہ کیا غضب ہے عالم مشرق کہتے ہو وہ عالم المشرق والمغرب ہیں" امام احمد حنبل کا قول ہی کہ عبداللہ بن المبارک کے زمانہ میں اُن سے بڑھکر کسی نے حدیث کی تحصیل میں کوشش نہیں کی۔ خود عبداللہ بن المبارک کا بیان ہی کہ میں نے چار ہزار شیوخ سے حدیث سیکھی جن میں سے ہزار سے روایت کی صحیح بخاری و مسلم میں ان کی روایت سے سینکڑوں حدیثیں مروی ہیں اور حقیقت یہ ہی کہ وہ فن روایت کے بڑے ارکان میں سے ہیں حدیث و فقہ میں اُنکی بہت سی تصنیفات ہیں لیکن افسوس ہی کہ آج اُن کا پتہ نہیں اُنکے فضل و کمال زہد و تقویٰ نے اسقدر لوگوں کو مسخر کر لیا تھا کہ بڑے بڑے امراء و سلاطین کو وہ رتبہ حاصل نہ تھا۔ ایک دفعہ خلیفہ ہارون رشید رقہ گیا۔ اسی زمانہ میں عبداللہ بن المبارک بھی رقہ پہنچے اُنکے آنیکی خبر مشہور ہوئی تو ہر طرف سے لوگ ٹوٹ پڑے اسقدر کشمکش ہوئی کہ لوگوں کی جوتیاں ٹوٹ گئیں ہزاروں آدمی ساتھ ہوئے اور ہر طرف گرد چھا گئی ہارون الرشید کی ایک حرم نے جو برج کے غرفہ سے یہ تماشا دیکھ رہی تھی حیرت زدہ ہوکر پوچھا کہ یہ کیا حال ہی۔ لوگوں نے کہا خراسان کا عالم آیا ہی جس کا نام عبداللہ بن المبارک ہی بولی کہ حقیقت میں سلطنت اسکا نام ہی ہارون الرشید کی حکومت بھی کوئی حکومت ہی کہ پولیس اور سپاہ کے بغیر ایک آدمی بھی حاضر نہیں ہو سکتا۔[4]

یہ امام ابوحنیفہ کے مشہور شاگردوں میں ہیں اور امام صاحب کیساتھ انکو خاص خلوص تھا انکو اعتراف تھا کہ جو کچھ مجھکو حاصل ہوا امام ابوحنیفہؒ اور سفیان ثوری کے فیض سے حاصل ہوا۔ اُن کا مشہور قول ہی کہ لولا ان اللہ تعالیٰ

---

[1] میزان الاعتدال علامہ ذہبی - دیباچہ ١٢ [2] تہذیب التہذیب حافظ ابن الحجر ترجمہ امام ابوحنیفہ ١٢ [3] تہذیب الاسماء واللغات علامہ نووی ١٢

[4] خلاصہ تہذیب الکمال ترجمہ عبداللہ بن المبارک [5] تاریخ ابن خلکان ترجمہ عبداللہ بن المبارک ١٢

اغاثنی بابی حنیفۃ وسفیان کنت کمائر الناس[1] یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے ابوحنیفہ وسفیان کے ذریعے میری دستگیری نہ کی ہوتی تو میں ایک عام آدمی سے بڑھ کر نہ ہوتا۔ امام ابوحنیفہ کی شان میں اُنکے اشعار اکثر منقول ہیں خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں چند اشعار نقل کئے ہیں جنمیں سے ایک شعر یہ ہے

رایت اباحنیفۃ حین تولی   ویطلب علمہ بحرا عزیزا

مرو کے رہنے والے تھے ۱۱۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۸۱ھ میں مقام ہیت وفات پائی۔

یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدۃ محدث

مشہور محدث تھے۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں صرف اُن لوگوں کا تذکرہ لکھا ہے جو حافظ الحدیث کہلاتے تھے۔ چنانچہ یحییٰ کو بھی انہیں لوگوں میں داخل کیا ہے۔ اور اُنکے طبقہ میں سب سے پہلے انہیں کا نام لکھا ہے علی بن المدینی جو امام بخاری کے مشہور اُستاد تھے کہا کرتے تھے کہ یحییٰ کے زمانہ میں یحییٰ پر علم کا خاتمہ ہو گیا[2] صحاح ستہ میں اُنکی روایت سے بہت سی حدیثیں ہیں وہ محدث اور فقیہ دونوں تھے اور ان دونوں فنوں میں بہت بڑا کمال رکھتے تھے چنانچہ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں ان کا ترجمہ ان لفظوں سے شروع کیا ہے احد الفقہاء الکبار والمحدثین الاثبات۔

یہ امام ابوحنیفہ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اور مدت تک اُنکے ساتھ رہے تھے یہانتک کہ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں انکو صاحب ابی حنیفہ کا لقب دیا ہے۔ تدوین فقہ میں امام صاحب کے شریک عظیم تھے امام طحاوی نے لکھا ہے کہ وہ تیس برس تک شریک رہے" اگرچہ یہ مدت صحیح نہیں ہے لیکن کچھ شبہ نہیں ہے کہ وہ بہت دنوں تک امام صاحب کیساتھ تدوین فقہ کا کام کرتے رہے اور خاصکر تصنیف و تحریر کی خدمت انہیں سے متعلق تھی[3] میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ بعض لوگوں کا قول ہے کہ کوفہ میں اوّل جس شخص نے تصنیف کی وہ یحییٰ ہیں معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ تحریر کا کام یحییٰ سے متعلق تھا اس لئے بعض لوگوں نے انہیں مستقل مصنف سمجھ لیا۔

مدائن میں منصب قضا پر ممتاز تھے اور وہیں ۱۸۲ھ میں ۶۳ برس کی عمر میں وفات پائی۔

وکیع بن الجراح

فن حدیث کے ارکان میں شمار کیے جاتے ہیں۔ امام احمد حنبل کو اُنکی شاگردی پر فخر تھا۔ چنانچہ جب وہ اُنکی روایت سے کوئی حدیث بیان کرتے تھے تو اُن لفظوں سے شروع کرتے تھے۔ یہ حدیث مجھ سے اُس شخص نے روایت کی کہ تیری آنکھوں نے اُسکے مثل نہ دیکھا ہوگا۔ یحییٰ بن معین جو فن رجال کے ایک رکن خیال کیے جاتے ہیں اُنکا قول تھا کہ میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جسکو وکیع پر ترجیح دوں[4]۔ اکثر ائمہ حدیث نے اُنکی شان میں اس قسم کے الفاظ لکھے ہیں بخاری و مسلم میں اُنکی روایت سے حدیثیں مذکور ہیں۔ فن حدیث و رجال کے متعلق اُن کی روایتیں اور رائیں نہایت مستند خیال کی جاتی ہیں

[1] تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر ترجمہ امام ابوحنیفہ ۱۲ [2] میزان الاعتدال علامہ ذہبی ترجمہ یحییٰ ۱۲ [3] الجواہر مضیۃ ترجمہ یحییٰ ۱۲ [4] تہذیب الاسماء واللغات علامہ نووی ترجمہ وکیع بن جراح [5] تہذیب الاسماء واللغات ۱۲

یہ امام ابوحنیفہ کے شاگرد خاص تھے اور اُنسے بہت سی حدیثیں سُنی تھیں اکثر مسائل میں امام صاحب کی تقلید کرتے تھے اور اُنہیں کے قول کے موافق فتویٰ دیتے تھے خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہی کان یفتی بقول ابی حنیفة وکان قد سمع منه شیئا کثیرا[1] علامہ ذہبی نے بھی تذکرۃ الحفاظ میں اسکی تصدیق کی ہی سنہ ۱۹۷ھ میں وفات پائی

یزید بن ہارون

فن حدیث کے مشہور امام ہیں۔ بڑے بڑے ائمہ حدیث اُنکے شاگرد تھے امام احمد حنبل علی بن المدینی یحییٰ بن معین ابن ابی شیبہ وغیرہ نے اُن کے سامنے زانوے شاگردی تہ کیا ہی۔ علامہ نووی نے اُنکے تلامذہ کی نسبت لکھا ہی کہ انکا شمار نہیں ہو سکتا۔ یحییٰ بن ابی طالب کا بیان ہی کہ ایک بار میں اُنکے حلقہ درس میں شریک تھا۔ لوگ تخمینہ کرتے تھے کہ حاضرین کی تعداد کم و بیش ستر ہزار تھی۔ کثرت حدیث میں لوگ انکی مثال دیتے تھے خود ان کا بیان ہی کہ مجھ کو بیس ہزار حدیثیں یاد ہیں۔ علی بن المدینی (امام بخاری کے اُستاد) کہا کرتے تھے کہ میں نے ان سے زیادہ کسی کو حافظ حدیث نہیں دیکھا۔ فن حدیث میں انکو امام ابوحنیفہ سے تلمذ تھا علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں جہاں اُن لوگوں کے نام لکھے ہیں جنہوں نے امام صاحب سے حدیثیں روایت کیں اُنکا نام بھی لکھا ہی۔ یہ ایک مدت تک امام صاحب کی صحبت میں رہے اور اسوجہ سے انکو امام صاحب کے اخلاق و عادات پر رائے قائم کرنیکا کافی موقع ملا تھا اُنکا قول ہی کہ میں نے بہت سے لوگوں کی صحبت اُٹھائی لیکن ابوحنیفہ سے کسی کو بڑھکر نہیں پایا سنہ ۱۱۸ھ میں پیدا ہوئے اور سنہ ۲۰۶ھ میں وفات پائی

حفص بن غیاث

بہت بڑے محدث تھے خطیب بغدادی نے انکو کثیر الحدیث لکھا ہی اور علامہ ذہبی نے انکو حفاظ حدیث میں شمار کیا ہی امام احمد حنبل۔ علی بن المدینی وغیرہ نے اُن سے حدیثیں روایت کیں۔ اِس خصوصیت میں ممتاز تھے کہ جو کچھ روایت کرتے تھے زبانی کرتے تھے کاغذ یا کتاب پاس نہیں رکھتے تھے چنانچہ اسی طرح جو حدیثیں روایت کیں اس کی تعداد تین یا چار ہزار ہے۔ یہ امام صاحب کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں امام صاحب کے شاگردوں میں چند بزرگ نہایت مقرب اور با اخلاص تھے جن کی نسبت وہ فرمایا کرتے تھے کہ تم میرے دل کی تسکین اور میرے غم کے مٹانیوالے ہو حفص کی نسبت بھی امام صاحب نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے ہیں مختصر تاریخ بغداد میں اُنکی نسبت لکھا ہی کہ امام صاحب کے مشہور شاگردوں میں تھے۔ مدت تک دنیاوی تعلقات سے آزاد رہے لیکن اخیر میں ضرورتوں نے بہت تنگ کیا اتفاق یہ کہ انہیں دنوں یعنی سنہ ۱۷۷ھ میں ہارون الرشید نے شہرہ سُن کر ان کو طلب کیا اور قضا کی خدمت سپرد کی۔ چونکہ قرض سے زیر بار تھے مجبوراً قبول کرنا پڑا۔ قاضی ابو یوسف قاضی القضاۃ اور قضاۃ کا تمام سررشتہ اُنکے اہتمام میں تھا۔ چونکہ ہارون الرشید نے قاضی صاحب کے بغیر اطلاع حفص کو مقرر کر دیا اسلئے اُنکو فی الجملہ خیال ہوا اور حسن

---

[1] حافظ ابن عبد البر کے قول میں شیئا کی بجائے "حدثنا" کا لفظ ہی جو صاف اور صریح اس دعوی پر دلالت کرتا ہی دیکھو عقود الجمان خاتمہ فصل اول ۱۲ [2] میزان الاعتدال ترجمہ حفص ۱۲ [3] تہذیب الاسماء واللغات نووی ترجمہ یزید بن ہارون ۱۲ [4] تہذیب الاسماء واللغات ۱۲ [5] تہذیب الکمال حافظ مزی ترجمہ امام ابوحنیفہ ۱۲ [6] میزان الاعتدال ترجمہ حفص ۱۲

بن زیاد سے کہا کہ حفص کے فیصلے ہمارے مرافعہ میں آئیں تو اُنکو نکتہ چینی کی نگاہ سے دیکھنا چاہیے لیکن جب اُنکے فیصلے دیکھے تو اعتراف کیا کہ حفص کیساتھ تائید الٰہی [1] ہے۔

سنہ ۱۱۷ھ میں پیدا ہوئے۔ تیرہ برس کوفہ میں اور دو برس بغداد میں قاضی رہے سنہ ۱۹۶ھ میں وفات پائی۔

ابو عاصم النبیل

ان کا نام ضحاک بن مخلد ہے مشہور محدث ہیں۔ صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں انکی روایت سے بہت سی حدیثیں مروی ہیں۔ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ اُنکی توثیق پر تمام لوگوں کا اتفاق ہے نہایت پارسا اور متورع تھے امام بخاری نے روایت کی ہے کہ ابو عاصم نے خود کہا کہ جب سے مجھکو معلوم ہوا ہے کہ غیبت حرام ہے میں نے آجتک کسی کی غیبت نہیں کی۔

ان کا لقب نبیل تھا جسکے معنی معزز کے ہیں اس امر میں اختلاف ہے کہ یہ لقب کیوں ہوا؟ ایک روایت ہے کہ ایک دفعہ شعبہ نے کسی وجہ سے قسم کھالی کہ میں حدیث نہیں روایت کرونگا چونکہ وہ بہت بڑے محدث تھے اور اُنکے درس سے ہزاروں طلبا مستفید ہوتے تھے لوگونکو بہت تشویش ہوئی ابو عاصم نے یہ حال سُنا تو اُسی وقت شعبہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ میں اپنے غلام کو آپکی قسم کے کفارہ میں آزاد کرتا ہوں آپ قسم توڑ ڈالئے اور حدیث کا درس دیجیے۔ شعبہ کو اُنکے شوق اور ہمت پر تعجب ہوا اور فرمایا کہ انت نبیل اُس وقت سے یہ لقب مشہور ہوگیا یہ بھی امام صاحب کے مختص شاگردوں میں تھے[2] خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ کسی نے اُن سے پوچھا کہ سفیان ثوری زیادہ فقیہ ہیں یا ابو حنیفہؒ بولے کہ "موازنہ تو اُن چیزوں میں ہوتا ہے جو ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہوں۔ ابو حنیفہ نے فقہ کی بنیاد ڈالی اور سفیان صرف فقیہ ہیں۔

سنہ ۲۱۲ھ میں نوے برس کی عمر میں وفات پائی

عبد الرزاق بن ہمام

علامہ ذہبی نے اُن کا ترجمہ ان لفظوں سے شروع کیا ہے احد الاعلام الثقات بہت بڑے نامور محدث تھے صحیح بخاری و مسلم وغیرہ اُنکی روایتوں سے مالا مال ہیں۔ امام احمد حنبل سے کسی نے پوچھا کہ حدیث کی روایت میں آپ نے عبد الرزاق سے بڑھ کر کسی کو دیکھا جواب دیا کہ نہیں" بڑے بڑے ائمہ حدیث مثلاً سفیان بن عیینہ یحییٰ بن معین۔ علی بن المدینی امام احمد حنبل فن حدیث میں اُن کے شاگرد تھے طالبان حدیث بہت دور سے قطع منازل کرکے اُنکی خدمت میں سیکھنے جاتے تھے یہاں تک کہ بعضوں کا قول ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی شخص کے پاس اس قدر دور و دراز سے مسافتیں طے کرکے لوگ نہیں گئے۔

---

[1] الجواہر المضیہ ترجمہ حفص بن غیاث ۱۲ [2] الجواہر المضیہ ترجمہ ابو عاصم ۱۲ [3] الجواہر المضیہ ۱۲ [4] انساب سمعانی و تاریخ یافعی ترجمہ عبد الرزاق بن ہمام ۱۲

حدیث میں انکی ضخیم تصنیف موجود ہے جو جامع عبدالرزاق کے نام سے مشہور ہے امام بخاری نے اعتراف کیا ہے کہ میں اس کتاب سے مستفید ہوا ہوں۔ علامہ ذہبی نے اس کتاب کی نسبت میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ علم کا خزانہ ہے۔ ان کو ابوحنیفہؒ سے فن حدیث میں تلمذ تھا عقود الجمان کے مختلف مقامات سے ثابت ہوتا ہے کہ امام صاحب کی صحبت میں زیادہ رہے ہے چنانچہ اُن کے اخلاق و عادات کے متعلق اُنکے اکثر اقوال کتابوں میں مذکور ہیں۔ انکا قول تھا کہ میں نے امام ابوحنیفہ سے بڑھ کر کسی کو حلیم نہیں دیکھا سنہ ۱۲۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۱۱ھ میں انتقال کیا

داؤد الطائی

خدا نے عجیب حسن قبول دیا تھا صوفیہ انکو بہت بڑا مرشد کامل مانتے ہیں۔ تذکرۃ الاولیا میں اُنکے مقامات عالیہ مذکور ہیں فقہا اور خصوصاً فقہائے حنفیہ اُنکے تفقہ اور اجتہاد کے قائل ہیں محدثین کا قول ہے کہ تفقہ تفقہ بلا نزاع اور حقیقت یہ ہے کہ وہ ان تمام القاب کے مستحق تھے۔ محارب بن دثار جو مشہور محدث تھے کہا کرتے تھے کہ داؤد اگر اگلے زمانہ میں ہوتے تو خدا قرآن مجید اُن کا قصہ بیان کرتا[1]

ابتدا میں فقہ و حدیث کی تحصیل کی پھر علم کلام میں کمال پیدا کیا اور بحث و مناظرہ میں مشغول ہوئے ایک دن کسی موقع پر ایک شخص سے گفتگو کرتے کرتے اُس پر کنکری پھینک ماری اُس نے کہا داؤد تمہاری زبان اور ہاتھ دونوں دراز ہو چلے" ان پر عجیب اثر ہوا بحث و مناظرہ بالکل چھوڑ دیا۔ تاہم تحصیل کا مشغلہ جاری تھا برسوں کے بعد کل کتابیں دریا میں ڈبو دیں اور کل چیز سے قطع تعلق کر لیا امام محمد کا بیان ہے کہ میں داؤد سے اکثر مسئلے پوچھنے جاتا۔ اگر کوئی ضروری اور عملی مسئلہ ہوتا تو بتا دیتے ورنہ کہتے کہ بھائی مجھے اور ضروری کام ہیں" یہ امام ابوحنیفہؒ کے مشہور شاگرد ہیں خطیب بغدادی۔ ابن خلکان۔ علامہ ذہبی اور دیگر مورخین نے جہاں اُنکے حالات لکھے ہیں امام صاحب کی شاگردی کا ذکر خصوصیت کیساتھ کیا ہے۔ تدوین فقہ میں امام صاحب کے شریک تھے اور اس مجلس کے معزز ممبر تھے سنہ ۱۶۰ھ میں وفات پائی ان بزرگوں کے سوا اور بھی نامور محدثین مثلاً فضل بن دکین۔ حمزہ بن حبیب الزیات۔ ابراہیم بن طہمان۔ سعید بن اوس۔ عمرو بن میمون فضل بن موسیٰ وغیرہ امام صاحب کے تلامذہ میں داخل ہیں لیکن ہم نے صرف اُن لوگوں کا ذکر کیا ہے جو تلامذہ خاص کہے جا سکتے ہیں اور جو مدتوں امام صاحب کی صحبت سے مستفید ہوئے ہیں۔

فقہا جو تدوین فقہ میں شریک تھے

قاضی ابو یوسف

انکی منزلت اور عظمت شان اس قابل تھی کہ ان کا مستقل تذکرہ لکھا جاتا اور جب ہی اُن کے علمی کمالات

[1] تاریخ ابن خلکان ۱۲

کا اندازہ بھی ہو سکتا۔ لیکن یہ فرصت کے کام ہیں خدا کسی کو توفیق دے تو یہ کام پورا ہو سکتا ہی۔ اس کتاب کے موضوع کے لحاظ سے میرا اسی قدر فرض ہی کہ اُن کی مختصر تاریخ الجہدوں جس سے اُنکی لائف اور علمی کمالات پر ایک اجمالی رائے قائم ہو سکے اُنکا نسب انصار سے ملتا ہی اِنکے مورث اعلیٰ سعد بن حبتہ رسول اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے تھے اُنکے باپ ایک غریب آدمی تھے مزدوری محنت کرکے زندگی بسر کرتے تھے یہ ۱۱۳ھ یا ۱۱۷ھ میں بمقام کوفہ پیدا ہوئے اُنکو اگرچہ بچپن سے لکھنے پڑھنے کا ذوق تھا لیکن باپ کی مرضی نہ تھی وہ چاہتے تھے کہ کوئی پیشہ سیکھیں اور گھر میں چار پیسے کما کر لائیں تاہم جب قاضی صاحب موقع اور فرصت پاتے علما کی صحبت میں جا بیٹھتے۔ ایک دن امام ابو حنیفہ کے حلقہ درس میں حاضر تھے کہ اُنکے باپ پہنچے اور وہاں سے زبردستی اُوٹھا لائے گھر پر آکر سمجھایا کہ بیٹا ابو حنیفہ کو خدا نے رزق کیطرف سے للمیان دیا ہی تم اُنکی ریس کیوں کرتے ہو؟ قاضی صاحب نے مجبوراً لکھنا پڑھنا چھوڑ دیا اور باپ کے ساتھ رہنے لگے امام ابو حنیفہ نے دو چار دن کے بعد لوگوں سے پوچھا کہ یعقوب اب نہیں آتے اُنکو امام صاحب کی جستجو کا حال معلوم ہوا تو حاضر ہوئے اور ساری کیفیت بیان کی امام صاحب نے چپکے سے ایک تھیلی حوالکی گھر پر آکر دیکھا تو اُس میں سو درہم تھے امام صاحب نے اُن سے یہ بھی کہدیا کہ جب خرچ ہو چکے تو مجھ سے کہنا اِس طرح ہمیشہ اُنکو مدد دیتے رہے۔ یہاں تک کہ قاضی صاحب نے تمام علوم میں کمال حاصل کیا اور استاد وقت بن گئے۔

اساتذہ

قاضی صاحب نے امام ابو حنیفہ کے علاوہ اور بہت سے آئمہ وقت کی خدمت میں علم کی تحصیل کی اعمش ہشام بن عروہ سلیمان تیمی۔ ابو اسحٰق شیبانی یحییٰ بن سعید الانصاری وغیرہ سے حدیثیں روایت کیں محمد بن اسحٰق سے مغازی و سیر پڑھی۔ محمد بن ابی لیلیٰ سے فقہ کے مسائل سیکھے خدا نے ذہن و حافظہ ایسا قوی دیا تھا کہ ایک ہی زمانہ میں ان تمام علوم کی تحصیل کرتے تھے حافظ ابن عبد البر نے جو ایک مشہور محدث ہیں لکھا ہی کہ ابو یوسف محدثین کے پاس حاضر ہوتے تھے اور ایک جلسہ میں پچاس ساٹھ حدیثیں سنکر یاد کر لیتے۔

عہد قضا

امام ابو حنیفہ جبتک زندہ رہے قاضی صاحب اُنکے حلقہ درس میں ہمیشہ حاضر ہوتے رہے اُن کی وفات کے بعد دربار سے تعلق پیدا کرنا چاہا چنانچہ خلیفہ مہدی عباسی نے ۱۶۶ھ میں اُن کو قاضی کی خدمت دی۔ مہدی کے بعد اُس کے جانشین ہادی نے بھی اُن کو اُسی عہدہ پر بحال رکھا لیکن ہارون الرشید نے ان کی لیاقتوں سے واقف ہو کر تمام ممالک اسلامیہ کا قاضی القضاۃ مقرر کیا اور یہ وہ عہدہ تھا جو اُس وقت تک اسلام کی تاریخ میں کسی کو نصیب نہیں ہوا تھا بلکہ زمانہ مابعد میں بھی بجز قاضی احمد بن داؤد کے اور کسی کو نصیب نہیں ہوا۔ قاضی صاحب نے سررشتہ قضا میں جو ترقیاں کیں اُنکی تفصیل خود اُن کی لائف میں لکھی جائے تو لکھی جا سکتی ہی۔

وفات

جمعرات کے دن ظہر کے وقت ربیع الاول کی پانچویں تاریخ ۱۸۲ھ میں وفات پائی محمد بن سماعہ کا بیان ہے کہ مرتے وقت یہ الفاظ اُنکی زبان پر تھے کہ اے خدا تو جانتا ہی کہ میں نے کوئی فیصلہ عمداً خلاف واقع نہیں کیا ہی

ہمیشہ کوشش رہی کہ جو فیصلہ کروں تیری کتاب اور تیرے پیغمبر کے طریقہ کے موافق ہو جب کوئی مشکل مسئلہ آتا تھا تو میں امام ابو حنیفہ کو واسطہ بناتا تھا اور جہاں تک مجھکو معلوم ہے ابو حنیفہ تیرے احکام کو خوب سمجھتے تھے اور عمداً حق کے راستہ سے باہر نہ جاتے تھے قاضی صاحب بہت بڑے دولتمند تھے لیکن دولت کا استعمال اچھی طرح کیا مرتے وقت وصیت کی کہ چار لاکھ روپیہ مکہ معظمہ مدینہ منورہ۔ کوفہ۔ بغداد کے محتاجوں کو دئے جائیں۔

کثرت حدیث

قاضی صاحب متعدد علوم میں کمال رکھتے تھے۔ مورخ ابن خلکان نے ہلال بن یحییٰ کا قول نقل کیا ہے کہ ابو یوسف تفسیر، مغازی، ایام العرب کے حافظ تھے اور فقہ اُن کا ادنیٰ سا علم تھا حدیث میں اُنکا یہ پایہ تھا کہ حفاظ حدیث میں شمار کئے جاتے تھے چنانچہ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں اُن کا ترجمہ لکھا ہے یحییٰ بن معین کہا کرتے تھے کہ اہل الرائے میں ابو یوسف سے بڑھ کر کوئی شخص کثیر الحدیث نہیں ہے امام احمد حنبل کا قول ہے کہ "کان منصفا فی الحدیث" مزنی جو امام شافعی کے مشہور شاگرد ہیں کہا کرتے تھے ابو یوسف اتبع القوم للحدیث[1] خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں امام احمد حنبل کا قول نقل کیا ہے کہ اوّل جب مجھکو علم حدیث کا شوق پیدا ہوا تو ابو یوسف کی خدمت میں حاضر ہوا"

یحییٰ بن معین و امام احمد حنبل اور بہت سے ائمہ حدیث نے قاضی صاحب سے حدیثیں روایت کیں۔ اس سے زیادہ اُن کی عظمت و شان کی کیا دلیل ہوگی[2]

فقہ میں جو اُن کا پایہ ہے اُس سے کون انکار کر سکتا ہے امام ابو حنیفہ کو خود اُن کے کمال کا اعتراف تھا ایک دفعہ وہ بیمار ہوئے امام صاحب عیادت کو گئے واپس آئے تو ساتھیوں سے کہا کہ اگر خدانخواستہ یہ شخص ہلاک ہوا تو دنیا کا علم ہلاک ہوا" اور ائمہ بھی اُن کے جدت ذہن اور قوت فہم کے معترف تھے امام اعمش اُس زمانہ کے ایک مشہور محدث تھے اُنہوں نے قاضی صاحب سے ایک مسئلہ پوچھا اُنہوں نے جواب بتلایا امام اعمش نے کہا اس پر کوئی سند بھی ہے قاضی صاحب نے فرمایا ہاں وہ حدیث جو فلاں موقع پر آپنے مجھ سے بیان کی تھی امام اعمش نے کہا کہ "یعقوب یہ حدیث مجھکو اُس وقت سے یاد ہے جب تمہارے والدین کا عقد بھی نہیں ہوا تھا لیکن اُسکا صحیح مطلب آج ہی سمجھ میں آیا"۔

قاضی صاحب پہلے شخص ہیں جس نے فقہ حنفی میں تصنیفیں کیں مختلف علوم میں اُن کی تصنیفات ہیں اور ابن الندیم نے کتاب الفہرست میں اُن کی مفصل فہرست بھی نقل کی ہے لیکن ہماری نگاہ سے صرف کتاب الخراج گزری ہے اس لئے ہم اُس کے متعلق کچھ لکھنا چاہتے ہیں۔ ہارون الرشید نے خراج و جزیہ وغیرہ کے متعلق قاضی صاحب سے یادداشتیں طلب کی تھیں قاضی صاحب نے اُس کے جواب میں چند تحریریں بھیجیں۔ یہ کتاب انہیں تحریروں کا مجموعہ[3] ہے اگرچہ اُسمیں بہت سے مضامین ہیں لیکن زیادہ تر خراج کے مسائل ہیں اور اسواسطے اُسکو اس زمانہ کا قانون مال گذاری

[1] یہ اقوال علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں نقل کئے ہیں ۱۲ [2] قاضی صاحب کی نسبت کتب رجال میں جرحیں بھی منقول ہیں مگر وہ عموماً ناقابل اعتبار ہیں کیونکہ یا تو وہ مبہم جرحیں ہیں یا اُن کا منشا اجتہادی مسائل کا اختلاف ہے ۱۲ [3] ابن خلکان ترجمہ قاضی ابو یوسف ۱۲ [3] یہ کتاب مصر کے مطبع میریہ میں سنہ ۱۳۰۲ھ میں چھاپی گئی ۱۲ –

لکھے گئے ہیں اس کتاب میں زمین کے اقسام بلحاظ حیثیت اور بلحاظ تنوع لگان کی مختلف شرحیں کاشت کاروں کی حیثیتوں کا اختلاف پیداوار کی قسمیں اس قسم کے اور مراتب کو اس خوبی اور دقت نظر کے ساتھ منضبط کیا ہے اور اُن کے متعلق قواعد قرار دیئے ہیں کہ اس زمانہ کے لحاظ سے تعجب ہوتا ہے طرز تحریر میں ایک بڑی خوبی ہے کہ نہایت آزادانہ ہی قواعد اور ہدایتوں کے ساتھ خلیفہ وقت کو متوجہ کیا ہے۔

آزادی کے ساتھ اپنے فرائض کا انجام دیا

قاضی صاحب کی تاریخ زندگی میں جو چیز سب سے زیادہ قابل قدر ہے وہ یہ ہے کہ ہارون الرشید جیسے جبار اور خود پرست بادشاہ کے دربار میں وہ اپنے فرائض اس جرات اور آزادی سے ادا کرتے تھے جس کی مثال ایشائی سلطنتوں میں بہت کم مل سکتی ہے کتاب الخراج میں ایک جگہ وہ ہارون الرشید کو لکھتے ہیں کہ اے امیر المومنین! اگر تو اپنی رعایا کے انصاف کے لئے مہینہ میں ایک بار بھی دربار کرتا اور مظلوموں کی فریاد سنتا تو میں اُمید کرتا ہوں کہ تیرا شمار اُن لوگوں میں نہ ہوتا جو رعیت سے پردہ کرتے ہیں اور اگر تو دو ایک دربار بھی کرتا تو یہ خبر تمام اطراف میں پھیل جاتی اور ظالم اپنے ظلم سے باز آتے بلکہ اگر عمال و صوبہ داروں کو یہ خبر پہنچے کہ تو برس دن میں ایک دفعہ انصاف کے لئے بیٹھتا ہے تو ظالموں کو کبھی ظلم پر جرات نہ ہونے پائے۔

قاضی صاحب کے سوا کس کو جرأت تھی کہ ہارون الرشید کو یہ الفاظ لکھتا۔

مخالفین کی تہمت آمیز روایتیں

تعجب ہے کہ ایسا آزاد اور پاکیزہ نفس بھی دشمنوں کے حملہ سے نہیں بچا قاضی صاحب کے مخالفین نے اُن کو خوشامدی اور زمانہ ساز کہا ہے اور اس مضمون کی چند اور روایتیں بھی گھڑلی ہیں بعض مورخین جنکو رطب و یابس سے کچھ بحث نہیں ان بیہودہ روایتوں کو نقل بھی کردیتے ہیں جو کوتاہ بینوں کے لئے ہوئے لبس است کا کام دیتی ہے اس قسم کی بعض حکایتیں تاریخ الخلفا میں منقول ہیں۔

لیکن یہ ظاہر ہے کہ کتاب الخراج کے فقرے جو ہم نے نقل کئے ہیں جس قطعیت کے ساتھ ثابت ہیں اُن کے مقابلہ میں ان روایتوں کا کس حد تک اعتبار ہوسکتا ہے۔

حاطب اللیل مورخین ایک طرف بعض محدثین نے بھی مخالفت کے جوش میں تحقیق حق کی پروانہ کی۔ بیہقی نے امام شافعی کے حالات میں ایک ضخیم کتاب لکھی ہے اُس میں لکھا ہے کہ امام شافعی جب ہارون الرشید کے دربار میں گرفتار ہوکر آئے تو قاضی ابو یوسف اور امام محمد نے ہارون رشید کو امام شافعی کے قتل کی رائے دی اور کہا کہ اگر جلد تدارک نہیں کیا جائے گا تو یہ شخص سلطنت کو صدمہ پہنچائے گا۔

افسوس امام بیہقی کو باایں ہمہ محدثیت یہ بھی خیال نہ آیا کہ قاضی ابو یوسف اس زمانے سے بہت پہلے انتقال کر چکے تھے۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ خود محدثین ہی نے اس روایت کی تکذیب کی حافظ ابن حجر نے جنسے بڑھکر اُن کے بعد محدث نہیں ہوا امام شافعی کے حالات میں ایک کتاب لکھی ہے جو آجکل مصر میں چھاپی گئی ہے وہ اس روایت

سلہ اس کتاب کا نام توالی التاسیس بمعالی ابن ادریس ہے اور ۱۳۰۱ھ میں مطبع امیریہ میں طبع ہوئی ہے ۱۲

کو نقل کر کے لکھتے ہیں فہی مکذوبۃ وغالب ما فیہا موضوع وبعضہا ملفق من روایات ملفقۃ وواضح ما فیہا من الکذب قولہ فیہا ان ابا یوسف ومحمد بن الحسن حرضا الرشید علی قتل الشافعی یعنی روایت جھوٹی ہے اور اُسکا اکثر حصہ موضوع ہے اور بعض حصے دوسری مختلط روایتوں سے ماخوذ ہیں اور جو صریح جھوٹ اسمیں ہے وہ یہ ہے کہ ابو یوسف و محمد بن الحسن نے ہارون الرشید کو امام شافعی کے قتل کی ترغیب دی ہے۔

قاضی صاحب کی طرف بعض اولیات بھی منسوب ہیں مورخ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ قاضی ابو یوسف پہلے شخص ہیں جس نے علماء کے لئے ایک خاص لباس تجویز کیا جو آجتک سنا جاتا ہے ورنہ اُنسے پہلے تمام لوگوں کا ایک لباس تھا

امام محمد بن الحسن الشیبانی

یہ فقہ حنفی کے دوسرے بانی ہیں ان کا اصلی وطن دمشق کے متصل ایک گاؤں تھا جسکو حرستا کہتے ہیں اُن کے والد وطن چھوڑ کر واسط چلے آئے اور وہیں سکونت اختیار کی امام محمد ۱۳۵ھ میں یہیں پیدا ہوئے سن رشد کا آغاز تھا کہ کوفہ جانا ہوا یہاں علوم کی تحصیل شروع کی اور بڑے بڑے محدثین وفقہا کی صحبت اٹھائی مسعر بن کدام۔ امام سفیان ثوری۔ مالک بن دینار۔ امام اوزاعی۔ وغیرہ سے حدیثیں روایت کیں۔ کم وبیش دو برس تک امام ابو حنیفہ کی خدمت میں رہے امام صاحب کی وفات کے بعد قاضی ابو یوسف سے بقیہ تحصیل کی پھر مدینہ منورہ گئے اور تین برس تک امام مالک سے حدیث پڑھتے رہے۔ آغاز شباب ہی میں اُنکے فضل وکمال کے چرچے پھیل گئے تھے بیس برس کے سن میں مسند درس پر بیٹھے اور لوگوں نے اُن سے استفادہ شروع کیا ہارون رشید اُنکے فضل وکمال سے واقف ہو کر قضا کی خدمت دی اور اکثر اپنے ساتھ رکھتا تھا ۱۸۹ھ میں رے گیا تو ان کو بھی ساتھ لے گیا رے کے قریب نبویہ ایک گاؤں ہے وہاں پہنچکر قضا کی۔ اتفاق یہ کہ کسائی جو مشہور نحوی گزرا ہے وہ بھی اس سفر میں ساتھ تھا اور اس نے بھی یہیں انتقال کیا۔ ہارون الرشید کو نہایت صدمہ ہوا اور کہا آج فقہ اور نحو دونوں کو ہم دفن کر آئے" علامہ یزیدی نے جو ایک مشہور ادیب اور ہارون الرشید کے درباریوں میں تھے جا نگداز مرثیہ لکھا جس کا ایک شعر یہ ہے۔

فقلت اذا ما اشکل الخطب من لنا　　بایضاحہ یوما وانت فقید

ترجمہ یعنے ہم نے کہا کہ جب تو نہ رہا تو ہمارے لئے مشکلات کا حل کرنیوالا کہاں سے آئے گا۔ امام محمد نے اگرچہ زندگی کا بڑا حصہ دربار کے تعلق سے بسر کیا لیکن آزادی اور حق گوئی کا سر رشتہ کبھی ہاتھ سے نہ چھوٹا ۱۷۵ھ میں یحییٰ علوی نے جب علم بغاوت بلند کیا تو ہارون رشید ان کا سر وسامان دیکھکر حواس باختہ ہو گیا اور دیکر صلح اختیار کی معاہدہ صلح تصنیف ہوا اور یحییٰ کے اطمینان کے لئے بڑے بڑے علماء فضلاء فقہاء اور محدثین نے اُسپر دستخط کئے یحییٰ صلح پر راضی ہو کر بغداد میں آئے چند روز کے بعد ہارون الرشید نے نقض عہد کرنا چاہا تمام علماء نے ہارون الرشید

کے خوف سے فتویٰ دیدیا کہ صورت موجودہ میں نقضِ عہد جائز ہی لیکن امام محمدؒ نے علانیہ مخالفت کی اور اخیر تک اپنے اصرار پر قائم رہے۔

امام محمد جس رتبہ کے شخص تھے اُس کا اندازہ ائمہ مجتہدین کے قول سے ہوسکتا ہی امام شافعی کا قول ہو کہ امام محمدؒ جب کوئی مسئلہ بیان کرتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ وحی اُتر رہی ہے۔ اُنہیں کا قول ہے ''کہ میں نے امام محمدؒ سے ایک بار شتر کے برابر علم حاصل کیا۔

امام احمد حنبل سے کسی نے پوچھا کہ یہ دقیق مسائل کہاں سے حاصل ہوئے فرمایا محمدؒ بن الحسن کی کتابوں سے[۵۱]

امام محمدؒ کے حلقۂ درس سے اگرچہ اور بہت سے علماء تعلیم پاکر نکلے لیکن اُن سب میں امام شافعیؒ کا نام خصوصیت کے ساتھ لیا جاسکتا ہو۔ ہماری زمانہ کے کم نظروں کو اِس سے تعجب ہوگا اگلے زمانہ میں بھی ابن تیمیہ نے امام شافعی کی شاگردی سے انکار کیا تھا۔ لیکن حق کو کون دبا سکتا ہے تاریخ و رجال کی آج سینکڑوں کتابیں موجود ہیں وہ کیا شہادت دے رہی ہے ؟ بے شبہ امام شافعی امام محمدؒ کی فیضِ صحبت نے بڑے بڑے کمالات کے راستے دکھائے اور اُس کا خود اُنکو اعتراف تھا۔ حافظ ابن حجر امام شافعی کا قول نقل کرتے ہیں۔ کان محمد بن الحسن جلیل المنزلة عند الخلیفة فاختلفت الیه وقلت هو اولی من جهة الفقه فلومت کتب عنه[۵۲] یعنی محمد بن الحسن خلیفہ کے ہاں بہت معزز تھے اسلئے میں اُنکے پاس آتا جاتا تھا میں نے اپنے جی میں کہا کہ وہ فقہ کے لحاظ سے بھی عالی رتبہ ہیں اسلئے میں نے اُنکی صحبت لازم پکڑی اور اُن کا درس قلم بند کرتا رہا۔''

امام محمدؒ خود بھی امام شافعی کی نہایت عزت کرتے تھے اور تمام شاگردوں کی نسبت اُنکے ساتھ خاص مراعات کے ساتھ پیش آتے تھے۔ ایک دن ہارون الرشید کے دربار میں جارہے تھے راہ میں امام شافعی ملے جو اُنکی ملاقات کو آرہے تھے اُسی وقت گھوڑے سے اُتر پڑے اور نوکر سے کہا کہ خلیفہ کے پاس جا اور عذر بیان کر کہ میں اس وقت حاضر نہیں ہوسکتا امام شافعی نے کہا کہ میں اور کسی وقت حاضر ہونگا امام محمدؒ نے کہا نہیں وہاں جانا کچھ ضرور نہیں[۵۳]'' امام محمدؒ و امام شافعی میں اکثر مناظرات بھی رہتے تھے اسی بنا پر بعضوں کو اُن کی شاگردی سے انکار ہے لیکن اس زمانہ کی اُستادی و شاگردی میں یہ اُمور معیوب نہ تھے اور درحقیقت آج بھی معیوب نہیں۔

امام محمدؒ کی شہرت زیادہ تر فقہ میں ہے اور اُنکی تصنیفات عموماً اسی فن کے متعلق پائی جاتی ہیں لیکن وہ تفسیر، حدیث، ادب میں بھی اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے۔

امام شافعی کا قول ہے کہ میں نے قرآن مجید کا عالم امام محمدؒ سے بڑھکر نہیں دیکھا[۵۴]'' ادب و عربیت میں اگرچہ اُن کی کوئی تصنیف موجود نہیں لیکن فقہ کے جو مسائل نحو کی جزئیات پر مبنی ہیں اکثر جامع کبیر میں مذکور ہیں اور اُنسے

---

[۵۱] یہ تمام اقوال محدث نووی نے تہذیب الاسماء واللغات میں نقل کئے ہیں ۱۲ [۵۲] دیکھو توالی التاسیس مطبوعہ مصر صفحہ ۱۴۱۹ [۵۴] توالی التاسیس صفحہ ۱۲۹
[۵۳] الجواہر المضیۃ ترجمہ امام محمدؒ ۱۲

ثابت ہوتا ہو کہ اس فن میں اُن کا کیا پایہ تھا چنانچہ ابن خلکان وغیرہ نے خصوصیت کیساتھ اسکا ذکر کیا ہی۔
حدیث میں اُن کی کتاب مؤطا مشہور ہی۔ اس کے علاوہ کتاب الحجج جو امام مالک کی رد میں لکھی ہی اسمیں اکثر حدیثیں روایت
کی ہیں۔ اور متعدد مسائل میں جوش ادعا کیساتھ کہا ہی مدینہ والوں کو دعویٰ ہے کہ وہ حدیث کے پیرو ہیں
حالاں کہ ان مسائل میں صریح اُن کے خلاف حدیث موجود ہی۔

امام محمدؒ کی تصنیفات تعداد میں بہت زیادہ ہیں اور آج فقہ حنفی کا مدار انہی کتابوں پر ہی ہم ذیل میں ان کتابوں
کی فہرست لکھتے ہیں جنمیں امام ابو حنیفہ کے مسائل روایتاً مذکور ہیں اور اس لئے وہ فقہ حنفی کی اصلی اصول خیال کی جاتی ہیں

مبسوط۔ اصل میں یہ کتاب قاضی ابو یوسف کی تصنیف ہی۔ انہیں مسائل کو امام محمدؒ نے زیادہ توضیح اور خوبی سے
سے لکھا۔ یہ امام محمد کی پہلی تصنیف ہی۔

جامع صغیر مبسوط کے بعد تصنیف ہوئی اس کتاب میں امام محمد نے قاضی ابو یوسف کی روایت سے امام ابو حنیفہ کے تمام
اقوال لکھے ہیں کل ۵۳۲ مسئلے ہیں جنمیں سے ایک سو ستر مسئلے کے متعلق اختلاف رائے بھی لکھا ہی اسکی کتاب میں تین قسم کے مسائل ہیں
(۱) جن کا ذکر بجز اس کتاب کے اور کہیں نہیں پایا جاتا (۲) اور کتابوں میں بھی مذکور ہیں لیکن اُن کتابوں میں امام محمدؒ نے
تصریح نہیں کی تھی کہ یہ خاص ابو حنیفہ کے مسائل ہیں اس کتاب میں تصریح کر دی ہی۔
(۳) اور کتابوں میں مذکور تھے لیکن اس کتاب میں جن الفاظ سے لکھا ہی اُنسے بعض نئے فائدے مستنبط ہوتے ہیں اس
کتاب کی تیس چالیس شرحیں لکھی گئیں جن کے نام اور مختصر حالات کشف الظنون وغیرہ میں ملتے ہیں۔

جامع کبیر۔ جامع صغیر کے بعد لکھی گئی۔ ضخیم کتاب ہی اس میں امام ابو حنیفہ کے اقوال کیساتھ قاضی ابو یوسف
اور امام زفر کے اقوال بھی لکھے ہیں۔ ہر مسئلہ کیساتھ دلیل بھی لکھی ہی۔ متاخرین حنفیہ نے اُصول فقہ کے جو مسائل
قائم کئے ہیں زیادہ تر اسی کتاب کی طرز استدلال و طریق استنباط سے کئے ہیں بڑے بڑے نامور فقہا نے اسکی
شرحیں لکھیں جن میں سے ۴۲ شرحوں کا ذکر کشف الظنون میں ہے۔

زیادات جامع کبیر کی تصنیف کے بعد جو فروع یاد آئے وہ اسمیں درج کئے ہیں اور اسی لئے زیادات نام رکھا

کتاب الحجج۔ امام محمد امام ابو حنیفہ کی وفات کے بعد مدینہ منورہ گئے اور تین برس وہاں رہ کر امام مالک سے مؤطا
پڑھی۔ اہل مدینہ کا طریقہ فقہ جدا تھا بہت سے مسائل میں وہ لوگ امام ابو حنیفہ سے اختلاف رکھتے تھے امام محمد نے مدینہ
سے آکر یہ کتاب لکھی۔ اس میں اول وہ ابو حنیفہ کا قول نقل کرتے ہیں پھر مدینہ والوں کا اختلاف بیان کر کے
حدیث۔ اثر قیاس سے ثابت کرتے ہیں۔ کہ ابو حنیفہ کا مذہب صحیح ہے اور دوسروں کا غلط امام رازی نے
مناقب الشافعی میں اس کتاب کا ذکر کیا ہی یہ کتاب چھپ گئی ہی اور ہر جگہ ملتی ہی میں نے اسکا ایک قلمی نسخہ بھی دیکھا ہی۔
سیر صغیر و کبیر یہ سب سے آخر تصنیف ہی اول سیر صغیر لکھی اسکا ایک نسخہ امام اوزاعی کی نظر سے گذرا انھوں نے

طحن سے کہا کہ اہل عراق کو فن سیر سے کیا نسبت۔ امام محمدؒ نے سنا تو سیر کبیر لکھنی شروع کی تیار ہوئی تو ساٹھ جزوں میں آئی۔ امام محمدؒ اس ضخیم کتاب کو ایک خچر پر رکھوا کر ہارون الرشید کے پاس لے گئے ہارون الرشید کو پہلے سے خبر ہو چکی تھی اس نے قدردانی کے لحاظ سے شہزادوں کو بھیجا کہ خود جا کر امام محمدؒ سے اسکی سند لیں۔

ان کتابوں کے علاوہ۔ امام محمدؒ کی اور تصنیفات بھی فقہ میں موجود ہیں۔ مثلاً کیسانیات جرجانیات۔ رقیات ہارونیات لیکن یہ کتابیں فقہا کی اصطلاح میں ظاہر الروایۃ میں داخل نہیں بلکہ کتاب الحج جسکا ذکر اوپر ہو چکا ہے وہ بھی اس سلسلہ سے خارج ہے۔

امام زفر

فقہ میں اگرچہ اُن کا رتبہ امام محمدؒ سے زیادہ مانا جاتا ہے لیکن چونکہ ان کی کوئی تصنیف موجود نہیں ہے اور ان کے حالات بہت کم معلوم ہیں۔ اس لئے صاحبین سے اُن کو موخر رکھنا پڑا۔

عربی النسل تھے شروع زمانہ میں اُن کو حدیث کا توغل رہا اور اسی وجہ سے جیسا کہ علامہ نووی نے تہذیب اللغات میں تصریح کی ہے صاحب الحدیث کہلاتے تھے پھر فقہ کی طرف توجہ کی اور اخیر عمر تک یہی مشغلہ رہا۔ یحییٰ بن معین جو فن جرح و تعدیل کے امام ہیں اُن کا قول ہے کہ زفر صاحب الرائے ثقہ مامون بعض لوگوں نے ضعیف بھی کہا ہے لیکن وہ مبہم ہے اور قابل اعتماد نہیں۔

اُن کو خاصکر قیاسی احکام میں نہایت کمال تھا امام ابوحنیفہؒ ان کی نسبت فرمایا کرتے تھے کہ اقیس اصحابی وکیع بن الجراح جنکا ذکر اوپر گذر چکا ان سے استفادہ کرتے تھے قضا کا عہدہ بھی ان کو ملا تھا ١١٠ھ میں پیدا ہوئے اور ١٥٨ھ میں وفات کی

قاسم بن معن

بہت نامور شخص تھے صحاح ستہ کے مصنفین نے ان سے روایت کی ہے ان کو حدیث و فقہ میں بھی کمال تھا لیکن عربیت و ادب میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے امام محمدؒ اُن کی خدمت میں استفادہ کی غرض سے حاضر ہوتے تھے۔ خلیفہ نے اُن کو کوفہ کا قاضی مقرر کیا۔ مجبوراً قبول کرنا پڑا لیکن تنخواہ کبھی نہیں لی۔

امام ابوحنیفہ کو ان سے خاص محبت تھی یہ بھی منجملہ اُن لوگوں کے ہیں جن کی نسبت امام صاحب فرمایا کرتے تھے کہ تم لوگ میرے دل کی تسلی اور میرے غم کے مٹانیوالے ہو ان کو بھی امام صاحب کے ساتھ نہایت خلوص تھا ایک شخص نے پوچھا کہ آپ فقہ و عربیت دونوں کے امام ہیں۔ ان دونوں علموں میں سے وسیع کون سا علم ہے؟ فرمایا کہ "واللہ ابوحنیفہ کی ایک تحریر کل فن عربیت پر بھاری ہے" ١٧٥ھ میں وفات پائی۔

اسد بن عمرو

یہ پہلے شخص ہیں جن کو امام ابوحنیفہ کی مجلس تصنیف میں تحریر کا کام سپرد ہوا تھا۔ بہت بڑے رتبہ کے شخص تھے۔ امام احمد حنبل نے ان سے روایت کی ہے اور یحییٰ ابن معین نے ثقہ کہا ہے۔ ہلال رائی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ

ہارون الرشید مکہ معظمہ گیا۔ طواف سے فارغ ہوکر کعبہ میں داخل ہوا اور ایک جگہ بیٹھ گیا تمام اہل دربار اور لعیان یؔ
کھڑے تھے مگر ایک شخص ہارون الرشید کے برابر بیٹھا مجھکو نہایت تعجب ہوا لوگوں سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ اسد بن عمرو ہیں۔ ؎۱

علی بن المسہر

فن حدیث امام اعمش و ہشام بن عروہ سے حاصل کیا تھا۔ امام بخاری و مسلم نے انکی روایت سے حدیثیں نقل کی ہیں۔ امام احمد حنبل ان کے فضل و کمال کا اعتراف کرتے تھے امام سفیان ثوری نے امام ابوحنیفہ کی تصنیفات پر جو اطلاع حاصل کی انہیں کے ذریعہ سے کی موصل کے قاضی تھے ۱۸۹ھ میں انتقال کیا ؎۲

عافیہ بن یزید

یہ وہی بزرگ ہیں جن کی نسبت امام ابوحنیفہ مجلس تصنیف میں فرمایا کرتے تھے کہ "جب تک عافیہ نہ آجائیں کسی مسئلہ کو قلمبند نہ کرو" علامہ ذہبی نے ان کی نسبت لکھا ہے کہ کان من خیار القضاۃ

حبان

کثیر الروایۃ تھے۔ ابن ماجہ میں اُن کی روایت سے متعدد حدیثیں موجود ہیں۔ امام ابوحنیفہ اُن کی قوت حفظ کے بہت مداح تھے ۱۷۲ھ میں وفات کی۔

مندل

حبان کے بھائی تھے۔ امام اعمش و ہشام بن عروہ و عبد الملک بن عمیر و عاصم و عاصم احول و امام ابوحنیفہ سے حدیثیں روایت کیں۔ نہایت متورع اور پرہیزگار تھے ۱۶۸ھ میں انتقال کیا ان کے بھائی حبان نے نہایت باثر مرثیہ لکھا ہے علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں اُس کے چند اشعار نقل کئے ہیں۔ دو شعر یہ ہیں۔

فاذا اذکرہ فقد ان اخی ۔۔۔ انقلبتُ فی فراشی ارقا
واخ ای اخ مثل اخی ۔۔۔ قد جری الی کل خیر سبقا

افسانۂ یاران کہن خواندم و رفتم
دریاب کہ لعل و گہر افشاندم و رفتم

۱۵۔ دسمبر ۱۸۹۳ء بمقام علی گڑھ

شبلی نعمانی

۹۷۰۷۸

؎۱ الجواہر المضیئۃ ۱۲ ؎۲ یہ حالات مجھکو صرف الجواہر المضیئۃ ۔۔۔